

FREDERICK ENGELS

فریڈرک اینگلز

THE ORIGIN OF FAMILY, PRIVATE

PROPERTY AND STATE

خاندان، ذاتی ملکیت اور ریاست کا آغاز

فہرست

1884 کے پہلے ایڈیشن کا دیباچہ

1891 کے چوتھے ایڈیشن کا دیباچہ

پہلا باب

تہذیب کے ماقبل تاریخی دور

عہد وحشت

عہد بربریت

دوسرا باب

Ketabton.com

ایرکواں لوگوں کا گن

چوتھا باب

یونانی گن

پانچواں باب

اتھنز میں ریاست کا ظہور

چھٹا باب

روم میں گن اور ریاست

ساتواں باب

کیلیٹ اور جرمن لوگوں میں گن

آٹھواں باب

جرمن لوگوں میں ریاست کا آغاز

نواں باب

بربریت اور تمدن

تشریحی نوٹ

ناموں کا اشاریہ

ادبی اور افسانوی شخصیتیں

نسلی گروہوں کے نام

1884 کے پہلے ایڈیشن کا دیباچہ

مندرجہ ذیل ابواب 1 میں، ایک اعتبار سے، ایک وصیت کو پورا کیا گیا ہے۔ خود کارل مارکس کا خیال تھا کہ مارگن کی تحقیقات کے نتیجوں کو ان نتیجوں کے ساتھ ملا کر پیش کیا جائے، جن پر وہ (کسی حد تک میں کہہ سکتا ہوں کہ ہم دونوں) تاریخ کا مادی نقطہ نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد پہنچے تھے اور اس طرح ان کی پوری اہمیت کو صاف کریں۔ کیونکہ مارگن نے اپنے ڈھنگ سے امریکہ میں تاریخ کے مادی تصور کو نئے سرے سے دریافت کیا تھا جس کا مارکس چالیس برس پہلے پتہ لگا چکا تھا اور عہد بربریت اور عہد تہذیب کا مقابلہ کر کے اس تصور کی مدد سے اہم

سوالوں پر وہ بھی انہیں نتیجوں پر پہنچا جن پر مارکس پہنچ چکا تھا۔ اور جس طرح جرمنی کے سرکاری ماہرین اقتصادیات برسوں تک "سرمایہ" سے نہایت سرگرمی سے سرتقد بھی کرتے تھے اور برابر اسے چپ چاپ دبا دینے کی کوشش بھی کرتے تھے، اسی طرح کاسلوک انگلستان کے علم "ماقبل تاریخ" کے نمائندوں نے مارگن کی کتاب "قدیم سماج" (1) کے ساتھ کیا۔ میرے مرحوم دوست کو جو کام پورا کرنے کا موقع نہ نصیب ہو۔ اس کا اسی سلسلے کی ایک حقیر کوشش میری یہ کتاب ہے۔ لیکن مارگن سے اس نے جو طویل اقتباسات (2) لئے ان پر اس کے اپنے تنقیدی حاشیے بھی ہیں جن کو میں نے یہاں جہاں کہیں ممکن ہوا، نقل کر دیا ہے۔

مادی تصور کے مطابق تاریخ میں فیصلہ کن چیز، آخر میں فوری زندگی کی پیداوار اور پیداوار اور پیداوار، لیکن خود اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک طرف ذرائع زندگی یعنی غذا، کپڑے، رہنے کے لئے گھر وغیرہ اور ان چیزوں کے لئے ضروری اوزاروں کی تیاری ہے۔ اور دوسری طرف خود انسانوں کے پیدائش یعنی انسانی نسل کو بڑھانے کا کام ہے۔ (3) کسی خاص تاریخی عہد یا کسی خاص ملک کے لوگ جن سماجی اداروں کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں ان کو بنانے میں دونوں قسم کی پیدائش کا ہاتھ ہوتا ہے۔ ایک طرف وہ محنت کے ارتقا کی حالت سے اور دوسری طرف خاندان کے ارتقا کی حالت سے متعین ہوتے ہیں۔ محنت کا ارتقا جتنا کم ہو اور اس لئے پیداوار کا حجم اور سماج کی دولت جتنی کم ہو، اتنی ہی سماجی نظام میں جنسی تعلقات کی اہمیت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس سماجی نظام کے اندر، جو جنسی تعلقات پر مبنی ہے، محنت کی پیداوار قوت برابر بڑھتی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ذاتی ملکیت اور تبادلے میں اضافہ ہوتا ہے، دولت کا فرق بڑھتا ہے، دوسروں کی محنت کی طاقت کو استعمال کرنے کا امکان بڑھتا ہے اور اس طرح طبقاتی تضاد کی بنیاد تیار ہوتی ہے۔ نئے سماجی عناصر بڑھتے ہیں جو کئی پشت کی مدت میں سماج کے پرانے ڈھانچے کو نئے حالات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں یہاں تک کہ آخر میں دونوں کے بے میل ہونے کی وجہ سے پورا انقلاب ہو جاتا ہے۔ پرانا سماج جس کی بنیاد جنسی گروہوں پر تھی، نئے ابھرنے والے سماجی طبقوں کی لکڑوں سے ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے، اس کی جگہ ایک نیا سماج جنم لیتا ہے جو اپنے آپ کو ریاست کی شکل میں منظم کرتا ہے، جس کی نیچے کی اکائیاں جنسی تعلقات کی بنیاد پر بننے والے گروہ نہیں بلکہ علاقائی گروہ ہوتے ہیں۔ اس سماج میں خاندانی نظام پوری طرح ملکیت کے نظام کے ماتحت ہوتا ہے اور اس میں وہ طبقاتی تضاد اور طبقاتی جدوجہد خوب کھل کر بڑھتی ہے، جو ابھی تک کی ساری لکھی ہوئی تاریخ کی اصلیت ہے۔

مارگن کی عظمت یہ ہے کہ اس نے ہماری لکھی ہوئی تاریخ کی اس ماقبل تاریخی بنیاد اور اس کی نمایاں خصوصیتوں کا پتہ لگایا اور اس کو نئے سرے سے مرتب کیا۔ اس کی عظمت اس بات میں بھی ہے کہ اس نے شمالی امریکہ کے انڈینوں کے ان گروہوں میں جو جنسی تعلقات پر مبنی تھے، قدیم ترین یونانی، رومی اور جرمن تاریخ کی

سب سے اہم پہیلیوں کو، جن کو ابھی تک حل نہیں کیا جا سکا تھا، سلجھانے کی کنجی کھوج نکالی۔ لیکن اس کے کتاب کوئی ایک دن کا کام نہیں تھی۔ تقریباً چالیس برس تک جب تک کہ وہ اپنے مواد کو پوری طرح سمجھ لینے میں کامیاب نہیں ہو گیا، وہ اس کے ساتھ الجھار رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی کتاب ہمارے زمانے کی گنتی کی چند عہد آفریں کتابوں میں سے ایک ہے۔

آئندہ صفحات میں پڑھنے والا عام طور پر آسانی سے پہچان لے گا کہ کون سی باتیں مارگن کی کتاب سے لی گئی ہیں اور کون سی میں نے بڑھائی ہیں۔ ان تاریخی حصوں میں جہاں یونان و روم سے بحث کی گئی ہے، میں نے اپنے آپ کو مارگن کے فراہم کئے ہوئے مواد تک محدود نہیں رکھا بلکہ میرے پاس جو کچھ مواد موجود تھا، اس کو بھی استعمال کیا۔ جن حصوں میں کیلیٹ اور جرمن لوگوں سے بحث کی گئی ہے وہ زیادہ تر میرے اپنے ہیں۔ اس موضوع پر مارگن کے پاس صرف پرانی اور پہلے کی استعمال کی ہوئی چیزیں تھیں اور جہاں تک جرمنی کے حالات کا تعلق ہے، بس ایک تاسیت کو چھوڑ کر اس کے پاس صرف مسٹر فری من کے مہمل، لبرل خیالات کی غلط بیانیوں تھیں۔ مارگن کی اقتصادی دلیلیں اس کے اپنے مقصد کے لئے بھلے ہی کافی رہی ہوں، لیکن میرے لئے وہ بالکل ناکافی تھیں۔ انہیں میں نے نئے نئے سرے سے مرتب کیا ہے۔ اور آخری بات یہ کہ جہاں کہیں مارگن کا قول صاف صاف نقل نہیں کیا گیا، وہاں سبھی نتیجوں کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔

26 مئی 1884 کے قریب لکھا گیا۔ اور مندرجہ ذیل کتاب میں شائع ہوا"

F. Engels. Der Ursprung der Familie, des Privateigentums und des staats. Hottingen Zurich, 1884

حوالہ جات:

1-Ancient society, or Reseaches in the Lines of Human Progress from Savagery Through Barbarism to Civilization. By H. Morgan. London, MacMillan and Co., 1877

(قدیم سماج یا عہد وحشت سے لے کر اور عہد بربریت سے ہوتے ہوئے عہد تہذیب تک انسانی ارتقا کے راستوں کی تحقیقات)۔ یہ کتاب امریکہ میں چھپی اور لندن میں مشکل سے ملتی ہے۔ مصنف کا چند برس ہوئے انتقال ہو گیا۔ (نوٹ از اینگلز۔)

[نوٹ: مورگن کی کتاب مارکسسٹس انٹرنیٹ marxists.org پر مہیا ہے۔ دیکھئے Morgan

(Archive)

2۔ اینگز یہاں کارل مارکس کے مارگن کے "قدیم سماج" کے خلاصے کا ذکر کر رہے ہیں (دیکھئے "مارکس اور اینگز

کی دستاویزات" جلد 9)۔ (ایڈیٹر)

3۔ یہاں اینگز نے ذرائع زندگی کی پیدائش کے ساتھ انسانی نسل کو بڑھانے کے کام کو بھی سماج اور سماجی اداروں کے ترقی کو متعین کرنے والا سبب بتا کر غلطی کی ہے۔ "خاندان" ذاتی ملکیت اور ریاست کا آغاز" کے اصل متن میں اینگز نے خود ٹھوس مواد کا تجزیہ کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ سماج اور سماجی اداروں کی ترقی سب سے زیادہ جس چیز پر منحصر ہے وہ مادی پیداوار کا طریقہ ہے۔ (ایڈیٹر)

1891 کے چوتھے ایڈیشن کا دیباچہ

اس کتاب کے پچھلے بڑے ایڈیشن تقریباً چھ مہینے سے نایاب ہیں اور نازر (1) کا کچھ دنوں سے یہ تقاضا رہا ہے کہ میں اس کا ایک نیا ایڈیشن تیار کر دوں۔ کچھ زیادہ ضروری کاموں میں مصروف رہنے کی وجہ سے ابھی تک میں اس کام کو پورا نہیں کر سکا۔ پہلے ایڈیشن کو شائع ہونے سے سات برس کا عرصہ گزر گیا اور اس مدت میں خاندان کی ابتدائی شکلوں کے بارے میں ہماری معلومات میں اہم اضافہ ہوا ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ اضافہ اور اصلاح و ترمیم کو کام کو محنت کے ساتھ کیا جائے۔ خاص کر اس لئے کہ اس نئے ایڈیشن کے لئے چھپائی کی مستقل پلٹیں تیار کرنے کا ارادہ ہے جس کی وجہ سے آئندہ کچھ عرصے کے لئے کتاب میں کوئی تبدیلی کرنا میرے لئے ناممکن ہو جائے گا۔

لہذا میں نے پوری کتاب پر احتیاط کے ساتھ نظر پاتی کی ہے اور کئی جگہ نئی باتوں کا اضافہ کیا ہے۔ جن میں میرا خیال ہے سائنس کی موجودہ حالت کا پورا دھیان رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس دیباچے میں میں باخون سے مارگن تک خاندان کی تاریخ کے بارے میں خیالات کے ارتقا کا مختصر حال بیان کر دینا چاہتا ہوں۔ یہ خاص کر اس لئے بھی ضروری ہے کہ ماقبل تاریخی عہد کے انگریز مورخ جن میں جارحانہ وطن پرستی موجود ہے، آج بھی انتہائی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ قدیم سماج کے تاریخ کے بارے میں ہمارے تصورات میں مارگن کی دریافتوں نے جو انقلاب پیدا کر دیا ہے، اس کو اپنی خاموشی کے حربے سے دبا دیں حالانکہ مارگن کی تحقیقات کے نتیجوں کو اپنا بنا

لینے میں انہیں ذرا تامل نہیں ہوتا۔ دوسرے ملکوں میں بھی انگریزوں کی اس مثال پر اکثر عمل کیا جاتا ہے۔
میری کتاب کا ترجمہ کئی زبانوں میں ہو چکا ہے۔ سب سے پہلا ترجمہ اطالوی میں ہوا۔

L, origine della famiglia, della privata a dellw stato, versione
riveduuta dall'autore, di Pasquale Martignmetti, Benevento,
1885.

اس کے بعد رومانیہ کی زبان میں ایک ترجمہ ہوا۔

Origina familie, propretatei private si a sttului, traducere de joan
Contempranul, Nade jdes.

کے نام سے (2) یاسی سے شائع ہونے والے رسالے میں ستمبر 1885 سے مئی 1886 نکلا۔ اس کے بعد ڈنمارکی
زبان میں اس کا ترجمہ ہوا۔

Familjens, Private jendommenns og Statens Oprindelse, Dansk,
af Forfatteren gennemgaaet Udgave, besorget af Garson Trier,
Kobenhavn , 1888

آزری راوے کا کیا ہوا فرانسیسی ترجمہ جو موجودہ جرمن ایڈیشن پر مبنی ہے، ابھی پریس میں ہے۔

اس صدی کے ساتویں دہائی کے شروع تک خاندان کی تاریخ جیسی کوئی چیز نہیں تھی۔ اس شعبے میں علم تاریخ
پر اس وقت تک موسیٰ کی توریث کا اثر حاوی تھا۔ خاندان کی پدری شکل کو توریث میں جتنی تفصیل سے بیان کیا گیا
ہے اتنی تفصیل سے اس کا بیان اور کہیں نہیں ملتا۔ چنانچہ اس کو نہ صرف خاندان کی سب سے قدیم شکل مان لیا گیا تھا
بلکہ..... کثرت زوجگی کے نظام کو الگ کر کے..... اس کو اور موجودہ زمانے کے بورژوا خاندان کو ایک ہی چیز سمجھ لیا
گیا تھا، گویا خاندان اصل میں کسی تاریخی ارتقا سے گزرا ہی نہ ہو۔ زیادہ سے زیادہ بس اتنا مانا جاتا تھا کہ ممکن ہے
قدیم زمانے میں آزاد جنسی تعلقات کا کوئی دور رہا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ یک زوجگی کے علاوہ مشرق کی کثرت
زوجگی اور ہندوستان اور تبت میں کثرت شوہری کا حال بھی لوگوں کو معلوم ہو چکا تھا۔ لیکن یہ تینوں شکلیں اس وقت
تک کسی تاریخی سلسلے کی کڑیاں نہیں بنی تھیں اور آپس میں بلا کسی تعلق کے ایک دوسرے کے متوازی دکھائی دیتی
تھیں۔ یہ امر کہ قدیم زمانے کے کچھ لوگوں میں اور آج کل کے کچھ وحشیوں میں بھی نسل باپ سے نہیں بلکہ ماں

سے چلتی ہے اور اس لئے ان میں صرف عورت کے سلسلہ نسب کو ہی صحیح سمجھا جاتا ہے، اور یہ کہ موجودہ زمانے کے بہت سے لوگوں میں چند مخصوص گروہوں کے اندر..... جن کے بارے میں اس وقت تک زیادہ قریب سے چھان بین نہیں کی گئی تھی..... شادی کرنے کی ممانعت ہے، اور یہ کہ یہ رواج دنیا کے سبھی حصوں میں پایا جاتا ہے..... یہ باتیں لوگوں کو معلوم تھیں اور نئی مثالیں برابر سامنے آرہی تھیں۔ لیکن یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ ان سے کیا نتیجہ نکالا جائے۔ یہاں تک کہ ای۔ بی۔ ٹیلر کی کتاب "بنی نوع انسان کی ابتدائی تاریخ اور تہذیب کے ارتقا کی تحقیقات" (1865) (2) میں ان باتوں کو اسی طرح کی "عجیب و غریب رسموں" کے زمرے میں ڈال دیا گیا ہے جیسے بعض وحشیوں میں جلتی لکڑی کو لوہے کے اوزاروں سے نہ چھونے کا رواج، اور اسی طرح کی دوسری مہمل اور بے معنی مذہبی باتیں۔

خاندان کی تاریخ کا مطالعہ 1861 سے شروع ہوا جب باخون کی کتاب "مادری حق" عالج ہوئی۔ اس کتاب میں مصنف نے مندرجہ ذیل خیالات پیش کئے ہیں:

1- انسانوں میں شروع میں آزاد جنسی تعلقات کا رواج تھا۔ مصنف نے اسے hetaerism (کئی عورتیں رکھنے کا رواج) کے غیر موزوں نام سے پکارا ہے۔

2- اس آزاد جنسی تعلق کی وجہ سے کسی کے بارے میں بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا باپ کون ہے۔ اس لئے نسب کا سلسلہ صرف ماں سے..... مادری حق کے مطابق ہی..... چل سکتا تھا اور ابتدا میں قدیم زمانے کی قوموں میں یہ بات پائی جاتی تھی۔

3- چونکہ والدین میں صرف ماں کے بارے میں یقین کے ساتھ کہا جاسکتا تھا، اس لئے عورتوں کی بڑی قدر و منزلت ہونے لگی اور باخون کی رائے میں یہ اتنی بڑھ گئی کہ پوری طرح عورت کا راج (gynaecocracy) ہو گیا۔

4- یک زوجگی کا نظام جس میں عورت پر صرف ایک مرد کا حق مانا جاتا ہے، اس کے قائم ہونے کا مطلب ایک قدیم مذہبی اصول کی خلاف ورزی (یعنی اصل میں اس عورت پر دوسرے مردوں کے قدیم روایتی حق کی خلاف ورزی) تھی۔ اور اس لئے اس کی تلافی کرنے یا اس کا ہر جانہ ادا کرنے کے لئے عورت کو ایک خاص مدت کے لئے غیر مردوں کے حوالے کرنا پڑتا تھا۔

باخون کو قدیم کلاسیکی ادب کے بے شمار نکتوں میں ان بیانات کے ثبوت ملے جنہیں اس نے بڑی محنت سے یکجا کیا۔ اس کی رائے میں "کئی عورتیں رکھنے کے رواج" سے یک زوجگی تک اور مادری حق سے پدری حق تک جو ارتقا ہوا وہ..... خاص کر یونانیوں میں..... مذہبی خیالات کے ارتقا کی بدولت، پرانی روایتی دیومالا میں جو پرانے

روایتی خیالات کی حامل تھی، نئے خیالات کے نمائندے، نئے دیوتاؤں کے در آنے کی بدولت ہوا جنہوں نے پرانے دیوتاؤں کو دھکیل کر بہت پیچھے کر دیا۔ چنانچہ باخون کی رائے میں مرد اور عورت کے باہمی تعلقات اور سماجی حیثیت میں جو تاریخی تبدیلیاں ہوئی ہیں، ان کے وجہ ان خارجی حالات کی ترقی نہیں جن میں انسان زندگی بسر کرتے ہیں بلکہ انسانوں کے ذہن میں زندگی کے ان حالات کا مذہبی عکس ہے۔ چنانچہ باخون کا کہنا ہے کہ اہلسکیلس کا "آرسطیا" اس کشمکش کی ڈرامائی تصور پیش کرتا ہے جو زوال پزیر مادری حق اور ابھرتے ہوئے نفع مند پدری نظام کے حق میں سورمائی عہد میں چھڑی تھی۔ کلینیم نسترانے اپنے عاشق اگیس تھس کی خاطر اپنے شوہر آگاممنان کو قتل کر دیا جو ٹروے کی جنگ سے لوٹا ہی تھا۔ لیکن اس کا بیٹا آرسطس جو آگاممنان سے پیدا ہوا تھا، باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے اپنی ماں کو مار ڈالتا ہے۔ اس پر مادری حق کی عفریتی محافظ ایرینیوں آرسطس کا پیچھا کرتی ہیں کیونکہ مادری حق کے مطابق ماں کا قتل سب سے سنگین جرم ہے جس کی کوئی تلافی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اپولو، جس نے اپنے ہاتھ ٹیپی کے ذریعہ آرسطس کو اس جرم کی ترغیب دلوائی تھی اور انتھنہ جسے ثالث بنایا جاتا ہے، آرسطس کو بچاتے ہیں۔ یہ دونوں دیوی دیوتا نئے نظام کے نمائندے ہیں جس کی بنیاد پدری حق پر ہے۔ انتھنہ دونوں فریقوں کی بات سنتی ہے آرسطس اور ایرینیوں میں جو بحث ہوتی اس میں پورے اختلاف کا خلاصہ سامنے آ جاتا ہے۔ آرسطس کہتا ہے کہ کلینیم نسترانے دوہرا جرم کیا ہے۔ اپنے شوہر کو قتل کر کے اس نے میرے باپ کو بھی مار ڈالا ہے۔ اس لئے ایرینیوں میرے پیچھے کیوں پڑی ہیں؟ کلینیم نسترانے کو، جس کا جرم کہیں زیادہ بڑا ہے، انہوں نے کیوں سزا نہیں دی؟ جو اب قابل غور ہے۔

"اس نے جس مرد کو قتل کیا، اس سے اس کا خون کا کوئی رشتہ نہیں تھا۔" (3)

جس مرد سے خان کا کوئی رشتہ نہ ہو، چاہے وہ قاتلہ کا شوہر ہی کیوں نہ ہو، اس کے خون کی تلاد ہی ہو سکتی ہے اور ایرینیوں کو اس کی کوئی فکر نہیں۔ ان کا کام خون کے رشتہ داروں کے قتل کا انتقام لینا ہے، اور ان میں بھی سب سے زیادہ نفرت اگیس قتل، مادی حق کے مطابق، ماں کا قتل ہے۔ اب آرسطس کے طرف سے اپولو بحث میں شریک ہوتا ہے۔ انتھنہ، ایریو پوگا ٹیڈ سے... یعنی انتھنہ کے چہوری (ججوں) سے... اس مسئلے پر اپنے رائے دینے کو کہتی ہے۔ ملزم کو بری کر دینے اور سزا دینے، دونوں کے حق میں برابر برابر ووٹ پڑتے ہیں۔ تب عدالت کی صدر کی حیثیت سے انتھنہ اپنا ووٹ آرسطس کے حق میں دیتی ہے اور اسے بری کر دیتی ہے۔ مادری حق کے مقابلے میں پدری حق کے حیت ہوتی ہے۔ خود ایرینیوں کے الفاظ میں "چھوٹے سلسلہ نسب کے دیوتا" ایرینیوں پر فتح حاصل کرتے ہیں اور ایرینیوں آخر میں نیا عہدہ قبول کر کے نئے نظام کی خدمت کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔

"آرسطیا" کی یہ نئی لیکن بالکل صحیح توجیہ جس حصے میں دی گئی ہے وہ پوری کتاب کے سب سے اچھے اور خوبصورت

نکڑوں میں ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ خود باخون کو بھی ایرینیوں، اپولو اور ایتھنہ میں کم سے کم اتنا ہی عقیدہ ہے جتنا اسکیلیس کو اپنے زمانے میں تھا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باخون کو واقعی یقین ہے کہ یونان کے سورمائی عہد میں مادری حق کو ہٹانا اور اس کی جگہ پدری حق قائم کرنا انہیں دیوی دیوتاؤں کا معجزہ اور کارنامہ تھا۔ ظاہر ہے کہ مذہب کو دنیا کی تاریخ کا روح رواں بنانے والا نظریہ آخر میں محض مخفی قوتوں کی بھول بھلیوں میں پہنچ کر ہی دم لے گا۔ اس لئے باخون کی ضخیم کتاب کو پڑھنا کافی مشکل کام ہے اور بہت زیادہ سود مند بھی نہیں۔ لیکن ان سب باتوں سے باخون کی عظمت میں کوئی کمی نہیں آتی کیونکہ وہ اس راہ کا خضر تھا۔ وہ پہلا آدمی تھا جس نے قدیم زمانے کی اس حالت کے بارے میں، جس میں آزاد جنسی تعلقات کا رواج تھا، محض لفاظی سے کام نہیں لیا بلکہ اس کے بجائے یہ ثابت کر دکھایا کہ قدیم کلاسیکی ادب میں اس حالت کے بہت سے آثار بکھرے پڑے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یونانی اور ایشیائی لوگوں میں ایک زوجگی کا رواج ہونے سے پہلے وہ حالت پائی جاتی تھی جس میں نہ صرف مردوں کا ایک سے زیادہ عورتوں سے جنسی تعلق ہوتا تھا بلکہ عورتوں کا بھی ایک سے زیادہ مردوں سے جنسی تعلق ہوتا تھا اور اس سے کسی مروجہ اصول کی خلاف ورزی نہیں ہوتی تھی۔ اس نے ثابت کیا کہ یہ رواج تو اب نہیں رہا لیکن اس کا اثر باقی ہے۔ صرف ایک مرد سے شادی کا حق خریدنے کے لئے عورتوں کو مجبور ہونا پڑتا تھا کہ ایک محدود دائرے کے اندر اپنے آپ کو غیر مردوں کے حوالے لے کر لیں۔ اور ان وجوہات سے شروع میں خاندان عورتوں سے ایک ماں کے بعد دوسری ماں سے چلا کرتا تھا۔ یک زوجگی کا رواج ہونے کے بعد بھی بہت دنوں تک عورتوں سے نسل چلنے کا رواج قائم رہا حالانکہ اس وقت یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی تھی یا کم از کم مان کی جاتی تھی کہ بچے کا باپ کون ہے۔ اور شروع میں چونکہ بچے کی صرف ماں کے بارے میں یقین کے ساتھ کہا جاسکتا تھا اس لئے ماں کا اور عام طور پر عورتوں کا درجہ سماج میں بہت اونچا تھا۔ بعد میں انہیں کبھی یہ درجہ نہیں ملا۔ باخون نے یہ تمام باتیں اتنی صفائی سے نہیں کہیں۔ اس کے مذہبی صوفیانہ نظریے نے اسے ایسا کرنے نہیں دیا۔ لیکن اس نے ثابت کر دیا کہ یہ تمام باتیں صحیح ہیں۔ اور 1861 میں یہ ایک پورا انقلاب تھا۔

بخون کی ضخیم کتاب جرمن میں لکھی گئی تھی.... یعنی اس قوم کی زبان میں جس کو اس زمانے میں موجودہ خاندان کی ماقبل تاریخی حالت میں سب سے کم دلچسپی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کتاب کو کسی نے نہیں جانا۔ اس شعبے میں اس کا جو جائزہ لیا گیا، وہ 1865 میں سامنے آیا مگر اس نے باخون کا نام بھی نہیں سنا تھا۔

یہ جانسن ج۔ف۔ میکلیین تھا۔ وہ اپنے پیٹرو کا بالکل الٹ تھا۔ ایک اگر صوفی اور صاحب کمال تھا تو دوسرا بے رس اور خشک وکیل۔ ایک میں اگر رنگینی اور شاعرانہ خیال آرائی تھی، تو دوسرا عدالت میں بحث کرنے والے وکیل کی طرح سبھی ممکن دلیلوں کا طومار کھڑا کر دیتا تھا۔ میکلیین نے قدیم اور موجودہ زمانے کی بہت سی وحشی، بربری

اور مہذب قوموں میں بھی شادی کی ایک ایسی شکل کا پتہ لگایا جس میں دولہا کو، اکیلے یا اپنے دوستوں کے ساتھ، دلہن کو اس کے رشتہ داروں کے یہاں سے زبردستی بھگالے جانے کا سوانگ رچانا پڑتا تھا۔ شاید یہ رواج کسی پرانے رواج کی بچی ہوئی نشانی ہے جس میں ایک قبیلے کے مرد قبیلے کے باہر کی، دوسرے قبیلوں کی لڑکیوں کو بیچ بچ زبردستی اغوا کر لے جاتے تھے اور طرح بیویاں لاتے تھے۔ مگر اس "اغوائی شادی" کی ابتدا کیسے ہوئی ہوگی؟ جب تک مردوں کو اپنے قبیلے کے اندر کافی عورتیں مل سکتی تھی اس وقت تک اس طریقے کو اختیار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ لیکن اسی طرح یہ بھی کثرت دیکھنے میں آتا ہے کہ غیر ترقی یافتہ لوگوں میں کچھ ایسے گروہ ہوتے ہیں (1865ء کے لگ بھگ ان گروہوں کو اور قبیلوں کو ایک ہی چیز سمجھا جاتا تھا) جن کے اندر شادی کرنے کی ممانعت ہے جس کی وجہ سے مردوں کو اپنے لئے بیویاں، اور عورتوں کو اپنے لئے شوہراں گروہوں کے باہر ڈھونڈنے پڑتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ اور لوگوں میں یہ رواج پایا جاتا ہے کہ ایک گروہ کے مردوں کو اپنے گروہ کی عورتوں سے ہی شادی کرنی پڑتی ہے۔ میکسیکن نے پہلی قسم کے گروہوں کو گوت باہر شادی کرنے والے گروہ، اور دوسرے کو گوت اندر شادی کرنے والے گروہ کا نام دیا۔ اور پھر بلا کسی مزید دوسری کے یہ طے کر دیا کہ گوت باہر شادی کرنے والے اور گوت اندر شادی کرنے والے "قبیلوں" میں ایک ایسا تضاد ہے جو سختی کے ساتھ قائم رہتا حالانکہ گوت باہر شادی کرنے کو رواج کے بارے میں اس کی اپنے چھان بین سے ہی صاف صاف اس بات کا ثبوت مل جاتا کہ اگرچہ سبھی یا زیادہ تر صورتوں میں نہیں تو کم از کم بہت سی صورتوں میں یہ تضاد صرف اس کے تخیل کی ایج ہے، پھر بھی اس نے اسے اپنے سارے نظریے کے بنیاد بنا ڈالا۔ چنانچہ اس کے مطابق گوت باہر شادی کرنے والے قبیلے صرف دوسرے قبیلوں سے ہی بیویاں لاسکتے ہیں اور چونکہ عہد وحشت میں مختلف قبیلوں کے درمیان مستقل جنگ کے حالت رہتی تھی، اس لئے یہ صرف اغوا کے ذریعے ہی ممکن تھا۔

میکسیکن اس کے بعد سوال کرتا ہے۔ گوت باہر شادی کرنے کا رواج کیسے شروع ہوا؟ ایک گوت یا خاندان کے اندر یا بہت قریبی رشتہ داروں کے ساتھ جنسی تعلق کی ممانعت کے تصورات سے اس کو کوئی مطلب نہیں کیونکہ یہ چیزیں تو بہت بعد کی ہیں۔ لیکن لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالنے کے رواج سے اس کا تعلق ہو سکتا ہے۔ یہ رواج بہت سے وحشی لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ اس سے الگ الگ ہر قبیلے میں مردوں کی کثرت ہو جاتی ہے جس کا لازمی اور فوری نتیجہ یہ نکلا کہ ایک ایک عورت پر مشترک طور پر کئی کئی مردوں کا قبضہ ہونے لگا یعنی کثرت شوہری کا رواج ہو گیا۔ پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بچہ کی ماں کا پتہ تو رہتا تھا مگر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کا باپ کون ہے۔ اس لئے نسل صرف ماں سے چلتی تھی اور اس معاملہ میں مرد کی کوئی اہمیت نہیں تھی، یعنی مادری حق قائم تھا۔ قبیلے کے اندر عورتوں کے کیماٹی کثرت شوہری کی وجہ سے کسی حد تک کم ضرور ہو جاتی تھی لیکن پوری طرح دور نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی کا

ایک اور نتیجہ یہ تھا کہ دوسرے قبیلوں کی عورتوں کو باقاعدہ، زبردستی اغوا کیا جاتا تھا۔ میکلیین نے لکھا ہے۔
 "گوت باہر شادی کرنے کا رواج، اور ایک ایک عورت کے متعدد شوہروں کا رواج، دونوں کے درمیان
 ہے.... مردوں اور عورتوں کے تعداد میں توازن کا نہ ہونا۔ اس لئے ہمیں مجبور ہو کر اس نتیجے پر پہنچنا پڑتا ہے کہ جن
 نسلوں میں گوت باہر شادی کرنے کا رواج ہے، ان سب میں شروع میں کئی کئی شوہروں کا رواج تھا.... اس لئے
 ہمیں اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ گوت باہر شادی کرنے والی نسلوں میں قرابت داری کا پہلا نظام وہ تھا
 جو صرف ماں کے ذریعہ خون کے رشتوں کو مانتا تھا۔" (میکلیین "قدیم تاریخ کا مطالعہ" 1886۔ "قدیم
 شادی" (4) صفحہ (124)

میکلیین کی خوبی یہ ہے کہ اس نے اس بات کی طرف توجہ دلائی جسے وہ گوت باہر شادی کرنے کا رواج کہتا
 ہے اور یہ بتایا کہ اس کی کتنی بڑی اہمیت اور کتنا عام رواج تھا۔

لیکن یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ گوت باہر شادی کرنے والے گروہوں کو اس نے دریافت کیا تھا۔ اور یہ کہنا تو اور بھی
 غلط ہوگا کہ اس نے ان کو سمجھ لیا تھا۔ پہلے کے ان بہت سے مشاہدہ کرنے والوں کے علاوہ جن کی مختصر یا دداشتوں
 نے میکلیین کے لئے مواد کا کام دیا، لیتھم نے (تشریحی علم الانسان، 1859 (5) میں) ہندوستان کے ماگر
 لوگوں میں اس دستور کا ٹھیک ٹھیک اور بالکل صحیح حال بیان کیا تھا اور بتایا تھا کہ دنیا کے سبھی حصوں میں عام طور پر اس
 کا رواج پایا جاتا ہے۔ خود میکلیین نے اپنی کتاب میں اس حصے کو نقل کیا ہے۔ اور ہمارا مارگن بھی، 1847 میں ہی،
 ایرو کو اس لوگوں کے بارے میں اپنے خطوط میں (جو کہ "American Review" میں شائع ہوئے
 تھے) اور 1851 میں "ایرو کو اس لوگوں کی انجمن (6) نامی اپنی کتاب میں بتا چکا تھا کہ اس قبیلے میں بھی یہ دستور
 موجود تھا اور اس نے دستور کی بالکل صحیح تفصیل بیان کی تھی۔ اس کے برعکس ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ باخون
 کے صوفیانہ خیال آرائی نے مادری حق کے بارے میں جتنی الجھن پیدا کی تھی اس سے کہیں زیادہ الجھن میکلیین کی
 وکیلانہ ذہنیت نے اس موضوع کے بارے میں پیدا کی ہیں۔ میکلیین نے ایک اور قابل ذکر کام یہ کیا کہ اس نے یہ
 پتہ لگا یا کہ شروع میں نسل ماں سے چلتی تھی۔ حالانکہ جیسا کہ بعد میں اس نے خود اعتراف کیا، باکونن اس سے پہلے
 ہی اس بات کا پتہ لگا چکا تھا۔ لیکن اس معاملے میں بھی اس کے رائے بہت صاف نہیں ہے۔ وہ برابر "محض عورتوں
 کے ذریعہ قرابت داری (kinship through females only) کا ذکر کرتا ہے اور اس جملے کو، جو ایک
 ابتدائی دور کے لئے بالکل صحیح تھا، ارتقا کے بعد کے ادوار پر بھی چسپاں کرتا ہے، جبکہ نسل اور وراثت کا سلسلہ تو یقیناً
 ابھی تک عورتوں سے چلتا تھا مگر قرابت داری مرد کی طرف سے بھی مانی جانے لگی تھی اور اس کا اظہار بھی ہونے لگا
 تھا۔ یہ ایک قانون داں کی محدود ذہنیت ہے جو اپنے لئے ایک بالوچ قانونی اصطلاح گھڑتا ہے اور پھر اسے بلا کسی

رد و بدل کے ان حالات پر بھی چسپاں کرتا ہے جو اس دوران میں بدل گئے ہیں اور جن پر وہ اصطلاح اب صادق نہیں آتی

میکلین کا نظریہ بادی النظر میں قابل قبول ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود مصنف کے نظر میں بھی اس کے مضبوط بنیاد نہیں تھی۔ کم سے کم یہ بات خود اس کو بھی کھکتی ہے کہ (جھوٹ موٹ کے دکھاوے کے) اغوا کا رواج صاف طور پر انہیں نسلوں میں ہے اور وہی اس کو دھوم دھام سے مناتی ہیں جن میں قرابت داری مرد کی طرف سے ہوتی ہے۔" (یعنی جن میں مرد سے نسل چلتی ہے) (صفحہ 140)۔ ایک اور جگہ اس نے لکھا ہے کہ "یہ ایک عجیب بات ہے کہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے، اب ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں گوت باہر شادی کرنے کے رواج کے ساتھ ساتھ قرابت داری کے سامنے پرانی شکل موجود ہو اور وہاں بچوں کو مار ڈالنے کا دستور بھی ہو" (صفحہ 146)۔ ان دونوں باتوں سے اس کے طرز فکر کی براہ راست تردید ہوتی ہے اور ان کے خلاف وہ محض نئے اور پہلے سے بھی زیادہ اُلجھے ہوئے مفروضات پیش کرتا ہے۔

پھر بھی انگلینڈ میں اس کے نظریے کا بڑے زوروں سے خیر مقدم ہوا اور لوگوں نے اس کی بڑی تعریف کی۔ وہاں عام طور پر میکلین کو خاندان کی تاریخ کا بانی اور اس شعبے کا سب سے ممتاز عالم مان لیا گیا۔ گوت باہر شادی کرنے والے اور گوت اندر شادی کرنے والے "قبیلوں" میں اس نے جو تضاد قائم کیا تھا، وہ چند مستثنیات اور رد و بدل کو مان لینے کے باوجود، مروجہ خیال کی بنیاد بنا رہا جس کی اس حیثیت کو سچی تسلیم کرتے تھے۔ اس تضاد نے لوگوں کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈال دیا جس سے اس شعبے میں آزادی کے ساتھ چھان بین کرنا اور کوئی خاص ترقی کرنا ناممکن ہو گیا۔ چونکہ انگلینڈ میں اور اس کی دیکھا دیکھی دوسرے ملکوں میں بھی میکلین کے اہمیت کو بہت بڑھا چڑھا کر بتانا ایک فیشن سا ہو گیا ہے، اس لئے اس کے مقابلے میں یہ بتانا ہمارا فرض ہو جاتا ہے کہ گوت باہر شادی کرنے والے اور گوت اندر شادی کرنے والے "قبیلوں" میں ایک بالکل غلط تضاد کھڑا کر کے میکلین نے جو نقصان پہنچایا اس کے مقابلے میں اس کے چھان بین سے فائدہ بہت کم ہوا ہے۔

اس دوران میں، جلد ہی ایسے بہت سے واقعات سامنے آ گئے جو میکلین کے بنائے ہوئے خوبصورت چاکھٹے میں ٹھیک نہیں بیٹھتے تھے۔ میکلین شادی کی صرف تین صورتوں سے واقف تھا۔ ایک شوہر کی بہت سی بیویاں یعنی کثرت ازواج، ایک بیوی کے بہت سے شوہر یعنی کثرت شوہری، اور ایک میاں ایک بیوی یعنی یک زوجگی۔ لیکن جب ایک بار لوگوں نے اس مسئلے کے طرف توجہ کی تو اس بات کے نت نئے ثبوت ملنے لگے کہ نارتھ یافتہ لوگوں میں شادی کی ایسی صورتیں بھی پائی جاتی ہیں جن میں مردوں کا ایک گروہ مشترک طور پر عورتوں کے ایک گروہ کا مالک ہوتا۔ اور لوہاک نے (1870 میں اپنی کتاب "تہذیب کی ابتداء" (7) میں) اس گروہ داری شادی

Communal marriage) کو ایک تاریخی حقیقت مان لیا۔

اس کے فوراً بعد ہی 1871 میں مارگن نئی اور کئی پہلوؤں سے فیصلہ کن شہادتیں لے کر سامنے آیا۔ اس کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ ابرو کو اس لوگوں میں قرابت داری کا جو انوکھا طریقہ رائج ہے، وہ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں رہنے والے سبھی آدی باسیوں میں پایا جاتا ہے اور اس طرح وہ ایک پورے براعظم میں پھیلا ہوا ہے حالانکہ قرابت داری کا یہ سلسلہ ان رشتوں کے بالکل برعکس ہے جو وہاں کے مرد و عورتوں کے درمیان پیدا ہوتی ہیں۔ تب اس نے امریکہ کی وفاقی حکومت کو اس بات پر آمادہ کیا کہ دوسری قوموں میں قرابت داری کے جو صورتیں پائی جاتی ہیں ان کے بارے میں معلومات فراہم کرے۔ اور اس کام کے لئے اس نے خود سوالات اور جدول تیار کئے۔ ان سوالوں کے جو جواب آئے ان سے مارگن کو پتہ چلا کہ (1) امریکہ کے انڈینوں میں قرابت داری کا جو سلسلہ پایا جاتا ہے، اس کا رواج ایشیا کے بہت سے قبیلوں میں بھی ہے اور کسی قدر بدلی ہوئی صورت میں افریقہ اور آسٹریلیا میں بھی۔ (2) اس کی پوری توجہ ایک قسم کے گروہ دار شادی سے ہو جاتی ہے جو ہوائی میں اور آسٹریلیا کے دوسرے جزیروں میں پائی جاتی ہے اور اب مٹنے لگی ہے۔ اور (3) شادی کی اس شکل کے ساتھ ساتھ انہیں جزیروں میں قرابت داری کا ایک ایسا سلسلہ پاتا جاتا ہے جس کی توجہ صرف اس بات وہ ہو سکتی ہے کہ پہلے وہاں گروہ دار شادی کی ایک اس سے بھی زیادہ ابتدائی شکل رائج تھی جو اب مٹ چکی ہے۔ مارگن نے جو مواد جمع کیا اور اس سے جو نتیجے نکالے، ان کو اس نے 1871 میں اپنی کتاب "ہم خاندانی اور رشتہ داری کے نظام" (8) میں شائع کیا اور اس طرح بحث کے دائرے کو بے حد وسیع کر دیا۔ اس نے پہلے قرابت داری کے نظاموں کو لیا اور ان کے روشنی میں اور ان کے مطابق خاندان کی شکلوں کو نئے سرے سے مرتب کیا اور اس طرح انسان کے ماقبل تاریخی حالات کی چھان بین اور اس کے زیادہ گہرے مطالعے کے لئے ایک نیا راستہ کھول دیا۔ اس طریقے کو صحیح مان لینے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ میکسیکن کے خوبصورت محل ہو میں بکھر جاتے۔

میکسین نے اپنی کتاب "قدیم شادی" (قدیم تاریخ کا مطالعہ "1876ء) کے ایک نئے ایڈیشن میں اپنے نظریے کی پر زور حمایت کی۔ حالانکہ اس نے خود نہایت مصنوعی طور پر محض فرضی باتوں کی بنیاد پر خاندان کی تاریخ مرتب کی ہے مگر لو باک اور مارگن سے اس کا مطالبہ ہے کہ وہ اپنی ہر بات کے لئے ثبوت پیش کریں اور یہ ثبوت ایسے ہوں جن میں حجت کی گنجائش نہ ہو، جیسے ثبوت اسکاٹ لینڈ کی عدالتوں میں مانے جائیں۔ اور یہ مطالبہ وہ آدمی کرتا ہے جو جرمنوں میں ایک شخص کی ماں کے بھائی اور بہن کے بیٹے کے درمیان قریبی تعلق ہونے کی بات سے (تاسیت، "جرمنی"، باب 20) سیزر کی اس رپورٹ سے کہ بریٹون (9) لوگ دس بارہ کی تعداد میں مل کر مشترک بیویاں رکھتے تھے اور بربری لوگوں میں مشترک بیویوں کے رواج کے بارے میں قدیم زمانے کے

مصنفوں کی تمام رپورٹوں سے، بلا کسی تامل کے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ ان تمام لوگوں میں کثرت شوہری کارواج تھا! اس کی باتوں کو پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے کوئی سرکاری وکیل اپنا مقدمہ پیش کرتے ہوئے تو ہر طرح کی من مانی کرتا لیکن مخالف فریق کے وکیل سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے ہر لفظ کو ثابت کرنے کے لئے بالکل پکے اور قانونی طور سے بالکل صحیح ثبوت پیش کرے۔

اس کا دعویٰ ہے کہ گروہ دارشادی محض تخیل کی اڑان ہے اور اس طرح وہ باخونن سے بھی بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ مارگن نے جس چیز کو قرابت داری کا نظام سمجھا ہے، وہ شائستہ اور مہذب آداب معاشرت کے متعلق احکام سے زیادہ کچھ نہیں۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ریڈ انڈین لوگ اجنبیوں اور گورے آدمیوں سے بھی "بھائی" یا "باپ" کہہ کر بات کرتے ہیں۔ یہ تو ویسی ہی بات ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ چونکہ کیتھولک پادریوں اور راہبہ عوتوں کو لوگ "فادر" (باپ) اور "مدر" (ماں) کہتے ہیں اور چونکہ راہب اور راہبہ عورتیں، اور یہاں تک کہ انگلینڈ میں فری مین لوگ اور کراٹ یونینوں کے ممبر بھی جلسوں میں ایک دوسرے کو بھائی بہن کہتے ہیں، اس لئے باپ، ماں، بھائی، بہن وغیرہ الفاظ محض القاب ہیں اور اس سے زیادہ ان کا کوئی مطلب نہیں۔ مختصر یہ کہ میکلیین کے دلائل بہت کمزور تھے۔

لیکن ایک بات رہ گئی ہے جس پر کسی نے میکلیین کی تردید نہیں کی۔ گوت باہر شادی کرنے والے اور گوت اندر شادی کرنے والے "قبیلوں" میں اس نے جو تضاد قائم کیا تھا اور جس پر اس کا سارا ڈھانچہ کھڑا تھا، وہ ذرا بھی نہیں بلا۔ یہی نہیں بلکہ وہ اب بھی خاندان کی پوری تاریخ کا محور مانا جاتا تھا۔ لوگ یہ مانتے تھے کہ میکلیین نے اس تضاد کی وضاحت کرنے کی جو کوشش کی تھی وہ نا کافی تھی اور اس سے خود ان واقعات کی تردید ہوتی تھی جن کو میکلیین نے پیش کیا تھا۔ لیکن خود اس تضاد کو، اس خیال کو کہ دو بالکل علیحدہ اور خود مختار قسم کے قبیلے ہوتے ہیں، جن میں سے ایک طرح کے قبیلوں کے مرد اپنے قبیلے کے اندر کی ہی عورتوں سے شادی کرتے ہیں مگر دوسری طرح کے قبیلوں میں اس طرح کی شادی کی بالکل ممانعت ہوتی ہے۔۔۔ ان باتوں کو لوگ الہامی کتابوں کی طرح ناقابل انکار صداقت سمجھتے تھے۔ مثال کے طور پر ژیرا تیلوں کی کتاب "خاندان کا آغاز" (1874) (10) اور خود لوہاک کی کتاب "تہذیب کا آغاز" (چوتھا ایڈیشن 1882) کو بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

یہی وہ نقطہ ہے جہاں مارگن کی خاص تصنیف "قدیم سماج" (1877) بحث میں شامل ہوتی ہے۔ میری یہ کتاب اسی کتاب پر مبنی ہے۔ جن باتوں کو 1871 میں مارگن نے نہایت مبہم طریقے سے محسوس کیا تھا، یہاں ان کی پوری سمجھ بوجھ کے ساتھ نہایت وضاحت سے پیش کیا گیا ہے۔ مارگن کہتا ہے کہ گوت اندر شادی کرنے اور گوت باہر شادی کرنے میں کوئی تضاد نہیں۔ ابھی تک ایسا کوئی "قبیلہ" نہیں ملا ہے جس میں صرف گوت باہر ہی

شادی کرنے کا رواج ہو۔ لیکن جس زمانے میں گروہ دارشادی کا رواج تھا... اور زیادہ امکان اسی بات کا ہے کہ کسی نہ کسی زمانے میں اس کا رواج ہر جگہ تھا... تب قبیلے کے اندر کئی گروہ ایسے ہوا کرتے تھے جن میں ایک دوسرے سے ماں کی طرف سے خون کا رشتہ ہوتا تھا۔ یہ گروہ گن کہلاتے تھے اور ان کے اندر شادی کرنے کی سخت ممانعت تھی۔ اس لئے کسی بھی گن کے مرد قبیلے کے اندر ہی اپنے لئے بیویاں حاصل کر سکتے تھے اور عام طور پر وہ یہی کرتے تھے، مگر انہیں اپنے گن کے باہر ہی بیویاں حاصل کرنی پڑتی تھیں۔ اس طرح جبکہ گن، سختی سے گوت باہر شادی کرنے کے اصول پر عمل کرتا تھا، تب قبیلہ جس میں کئی گن شامل ہوتے تھے، اتنی ہی سختی سے گوت اندر شادی کرنے کے اصول پر عمل کرتا تھا۔ میکلیین نے بناوٹی ڈھنگ سے جوکل کھڑا کیا تھا، اس کے آخری کھنڈر بھی اس کی تاب نہ لا کر زمین پر آ رہے۔

لیکن مارگن کو اس سے ہی اطمینان نہیں ہوا۔ امریکہ کے قدیم باشندوں کا گن اس کے لئے ایک ذریعہ بن گیا جس کی مدد سے اس نے تحقیق کے اس شعبے میں، جس میں اب وہ داخل ہو رہا تھا، دوسرا فیصلہ کن قدم اٹھایا۔ مادری حق کی بنیاد پر منظم شدہ گن میں اس نے گنوں کی ابتدائی شکل دریافت کی جس سے بعد والے وہ گن پیدا ہوئے جو پدری حق کی بنیاد پر منظم ہوئے... جنہیں ہم قدیم زمانے کی مہذب قوموں میں پاتے ہیں۔ اس طرح یونانی اور رومی گن جو اس کے پہلے کے سبھی مورخوں کے لئے پہلی بنے ہوئے تھے، امریکہ کے آدی ہاسیوں میں پائے جانے والے گن کی روشنی میں سمجھ میں آ گئے اور قدیم سماج کی پوری تاریخ کے لئے ایک نئی بنیاد پڑ گئی۔

ابتدائی مادری حق والے گن کے بارے میں یہ نئی بات معلوم ہوئی تھی کہ وہ پدری حق والے گنوں سے، جو مہذب قوموں میں پائے جاتے ہیں، پہلے کی منزل ہیں۔ قدیم سماج کی تاریخ میں اس نئی دریافت کی وہی اہمیت ہے جو علم حیات کے لئے ڈارون کے نظریہ ارتقا کی اور علم اقتصادیات کے لئے مارکس کے قدر زائد کے نظریہ کی۔ اس سے مارگن پہلی مرتبہ خاندان کی تاریخ کی ایک ایسی روپ ریکھ تیار کرنے میں کامیاب ہوا جس میں ارتقا کی کم از کم بنیادی منزلوں کی مجموعی حیثیت سے عارضی طور پر، اور اس وقت تک جتنا مواد مل سکا تھا اس کو دیکھتے ہوئے جس حد تک ممکن تھا، اس حد تک متعین کر دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے اس سے قدیم سماج کی تاریخ کے مطالعے میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اب مادری حق والا گن وہ محور ہے جس کے گرد یہ پورا علم گھومتا ہے۔ اس کا پتہ لگنے کے بعد اب ہمیں معلوم ہے کہ ہماری تحقیق کے کام کا رخ کیا ہو، کس چیز کے چھان بین کی جائے اور اس چھان بین کے نتیجوں کو کس طرح ترتیب دیا جائے۔ چنانچہ مارگن کی کتاب شائع ہونے کے بعد، پہلے کے مقابلے میں اس شعبے میں بہت تیزی سے ترقی ہو رہی ہے۔

مارگن نے جن باتوں کا پتہ لگایا ہے، انہیں اب انگلینڈ کے ماقبل تاریخی عہد کے مورخ بھی ماننے لگے ہیں یا

یوں کہنے کہ انہوں نے چپ چاپ ان تمام باتوں کو اپنا لیا ہے۔ لیکن ان میں شاید ہی کوئی یہ ماننے پر تیار ہو کہ ہمارے نقطہ نظر میں جو انقلاب ہوا ہے، اس کا سہرا مارگن کے سر ہے۔ انگلینڈ میں اس کی کتاب کے بارے میں جہاں تک ہو سکتا ہے لوگ چپ سادھے رہتے ہیں اور خود مارگن کو بڑی سرپرستی کے انداز میں اس کی پرانی کتابوں کی تعریف کر کے بنیاد دیا جاتا ہے۔ اس کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر چن چن کر تنقید کی جاتی ہے اور دراصل جو اس کی عظیم دریافتیں ہیں ان پر خاموشی کی ایسی مہر لگا دی جاتی ہے جو کبھی ٹوٹنے میں نہیں آتی۔ "قدیم سماج" کا پرانا ایڈیشن اب نایاب ہے۔ امریکہ میں اس طرح کی کتابیں چھاپنے میں کوئی نفع نہیں۔ انگلینڈ میں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مارگن کی کتاب کو باقاعدہ جان بوجھ کر دبا گیا ہے۔ اور اس عہد آفریں کتاب کا واحد ایڈیشن جو اس وقت بازار میں مل سکتا ہے، وہ جرمن زبان میں ہے۔

ہمارے ماقبل تاریخی عہد کے ماننے ہوئے مورخوں کی اس سرد مہری کا کیا سبب ہے؟ اس سرد مہری کو ایک سازش کا نتیجہ نہ سمجھنا بہت مشکل ہے.... خاص طور پر اس لئے کہ یہ حضرات محض تکلفاً اور اخلاقاً مارگن کی کتابوں سے ان گنت اقتباس اپنی کتابوں میں شامل کرتے ہیں اور طرح طرح سے بھائی چارے کا اظہار کیا کرتے ہیں۔ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ مارگن امریکی ہے اور ماقبل تاریخی عہد کے انگریز مورخوں کو یہ ماننے میں وقت ہوتی ہے کہ مواد جمع کرنے میں ان کی نہایت قابل تعریف محنت کے باوجود، عام نقطہ نظر کے لئے، جس پر اس مواد کی ترتیب اور تدوین کا انحصار ہے، انہیں دو بڑے غیر ملکی عالموں، باخونن اور مارگن کا سہارا لینا پڑتا ہے؟ جرمن کو تو وہ کسی طرح برداشت بھی کر سکتے ہیں لیکن امریکی کو کیسے گوارا کر سکتے ہیں؟ کسی امریکی کو دیکھ کر ہر انگریز کو حب الوطنی کا دورہ پڑنے لگتا ہے۔ میں جن دنوں امریکہ میں تھا تو مجھے اس کی نہایت مضحکہ خیز مثالیں دیکھنے کو ملیں (3)۔ اس کے ساتھ ایک بات اور ہے۔ میکلیین کو ایک طرح سے سرکاری طور پر انگلستان کی ماقبل تاریخی تحقیقات کا بانی اور رہنما مان لیا گیا تھا۔ اور ماقبل تاریخی عہد کے مورخوں میں یہ اخلاق اور شائستگی کا تقاضا سمجھا جاتا تھا کہ میکلیین نے تاریخی نظریے کی جو بناوٹی عمارت کھڑی کی تھی، اس کا تذکرہ نہایت احترام سے کیا جائے۔ یہ نظریہ بچوں کے قتل سے لے کر کثرت شوہری، اغوا کے ذریعے شادی اور مادری حق کے خاندان تک حاوی ہے۔ ایک دوسرے سے بالکل الگ اور مختلف، دو قسم کے "قبیلوں" یعنی گوت باہر شادی کرنے والے اور گوت اندر شادی کرنے والے "قبیلوں" کے بارے میں ذرا سا بھی شک ظاہر کرنا بہت بڑا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے جب مارگن نے ان سبھی مقدس خیالات کی جڑ کاٹ دی تو گویا اس نے بہت بڑا گناہ کیا۔ اور پھر مارگن نے اس مسئلے کو اس طرح سلجھایا کہ اس کے بارے میں بات کہتے ہی پوری چیز فوراً صاف ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میکلیین کے وہ پرستار جو ابھی تک اندھوں کی طرح گوت باہر شادی کرنے اور گوت اندر شادی کرنے کے درجوں کے بیچ میں بھٹک رہے تھے، اب

اپنا سر پیٹنے لگے اور چلانے لگے کہ ہم بھی کیسے احمق ہیں کہ اتنی ذرا سی بات کا اتنے دنوں تک خود پتہ نہیں لگا سکے۔ مارگن کا یہ قصور اس کے لئے کافی تھا کہ سرکاری عملا اس کو سرد مہری سے نظر انداز کر دیں۔ لیکن مارگن نے اتنے یہ پر قناعت نہیں کی۔ اس نے ان کی تلخیوں کا پیالہ لبریز کر دیا۔ اس نے تہذیب کو، جنس تبادلہ پیدا کرنے والے سماج کو، جو ہماری موجودہ سماج کی بنیادی صورت ہے، اپنی تنقید کا اس طرح ہدف بنایا جس سے فورے کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ لیکن اس نے صرف اتنا ہی نہیں کیا، اس نے سماج کی آئندہ تبدیلیوں کا ذکر کچھ ایسے الفاظ میں کیا جنہیں کارل مارکس استعمال کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے جیسا کیا ویسا پایا۔ میک لین نے نہایت غصے میں اس پر یہ الزام لگایا کہ "تاریخی طریقے سے اس کو عداوت ہے" اور پروفیسر ژیرا تیولوں نے جنیوا میں 1884 میں اس رائے کی حمایت کی۔ کیا یہی وہ موسیو ژیرا تیولوں نہیں تھے جو 1874 میں (اپنی کتاب "خاندان کا آغاز" میں) میک لین کے گوت باہر شادی کرنے کے رواج کے گورکھ دھندے میں بھٹک رہے تھے اور جنہیں مارگن نے ہی اس سے نجات دلائی تھی!

یہاں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ قدیم سماج کی تاریخ نے مارگن کی تحقیقات کی بدولت اور کون سی باتوں میں ترقی کی۔ اس کتاب کی دوران میں جہاں کہیں اس کی ضرورت ہوگی تذکرہ کیا جائے گا۔ مارگن کی اہم تصنیف کو شائع ہوئے چودو برس کا عرصہ گزر گیا۔ اس دوران میں قدیم انسانی سماج کے بارے میں ہمارے پاس بہت سا نیا مواد جمع ہو گیا ہے۔ علم الانسان کے عالموں، سیاحوں اور ما قبل تاریخ کے ماہروں کے علاوہ تقابلی قانون کے مطالعہ کرنے والوں نے بھی اس شعبے میں نئے مواد اور نقطہ ہائے نظر کا اضافہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ کچھ خاص باتوں کے متعلق مارگن کے بعض مفروضے کمزور پڑ گئے ہیں اور کہیں کہیں بے بنیاد ثابت ہوئے ہیں لیکن کہیں بھی نئے مواد نے اس کے بنیادی خیالات کو بدل کر ان کی جگہ نئے تصورات قائم نہیں کئے ہیں۔ قدیم سماج کی تاریخ کے مطالعہ میں مارگن نے جو ترتیب قائم کی تھی وہ بنیادی طور پر آج بھی صحیح ہے۔ ہم یہاں تک کہہ سکتے ہیں کہ اس زبردست ترقی کے بانی کا نام چھپانے کی جتنی کوشش کی جاتی ہے، اس کی بتائی ہوئی بنیادی باتوں کو لوگ اتنا ہی روز بروز مانتے جاتے ہیں۔ (11)

فریڈرک اینگلز

16 جون، 1891 لندن

رسالے اور کتاب دونوں کی اصل سے مقابلہ کیا گیا۔

رسالے میں 1891. 1890 شائع ہوا اور مندرجہ ذیل کتاب کی صورت میں نکلا۔

Friedrich Engels. Der Ursprung der Familie, des Privateigentums und des Staats, Stuttgart, 1891

حوالہ جات

1- ناشر کا نام دیتس تھا۔ (ایڈیٹر)

2-Tylor E.B. "Researches into the Early History of Mankind and the Development of Civilization, London, 1865)(Editor) ایڈیٹر

3- اسٹیکس "آسٹیا۔ ایومید۔" (ایڈیٹر)

4-Mac-Lennan J.F."Studies in Ancient History, comprising a Reprint of Primitive Marriage", London, 1886) ایڈیٹر

5-Latham R.G, "Descriptive Ethnology", Vols, 1.11, London 1859 ایڈیٹر (

6-Morgan L.H. " League of the Ho-de-no-sau-nee, or Iroquois", Rochester,)1851 ایڈیٹر

7-Lubbock J, " The Origin of Civilisation and the Primitive Condition of Man , Mental and Social Condition of Savages", London, 1870. ایڈیٹر

8-Morgan L.H, "System of Consanguinity and Affinity of the Human Family". Washington, 1871. ایڈیٹر (

9- بریٹن..... پانچویں اور چھٹی صدی میں اینگلو سیکسن تسلط سے پہلے برطانیہ کی کیلت آبادی کا نام تھا۔ (ایڈیٹر)

10- Giraud. Teulon a, "Les origines de la famille", Geneve, Paris, 1874. (Editor)

11- ستمبر 1888 میں نیویارک سے واپسی کے وقت میری ملاقات امریکی کانگریس کے ایک سابق ممبر سے ہوئی جو راجپوت کے حلقے سے چنے گئے تھے۔ وہ ایس مارگن کو جانتے تھے۔ لیکن بد قسمتی سے وہ مجھے مارگن کے بارے میں

کچھ زیادہ نہیں بتا سکے۔ انہوں نے بتایا کہ مارگن راجسٹر میں خانگی زندگی بسر کرتا تھا۔ اپنے پڑھنے لکھنے کے علاوہ اسے اور چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کا بھائی فوج میں کرنل تھا اور واشنگٹن میں جنگی محکمے میں کسی عہدے پر تھا۔ اپنے بھائی کی مدد سے مارگن نے حکومت کو اس بات پر آمادہ کر، یا تھا کہ وہ اس کی تحقیقات میں دلچسپی لے اور اس کی کتابوں کو سرکاری خرچ سے چھاپے۔ کانگریس کے ان سابق ممبر کا کہنا تھا کہ جب تک وہ کانگریس کے ممبر تھے خود انہوں نے بھی مارگن کی مدد کی تھی۔

پہلا باب تہذیب کے ماقبل تاریخی دور

مارگن پہلا شخص ہے جس نے ماہر جن کی گہری واقفیت کے ساتھ انسان کے ماقبل تاریخی دور میں ایک مخصوص نظم و ترتیب پیدا کرنے کی کوشش کی۔ سوائے اس صورت کے جبکہ مزید اہم مواد ملنے کی وجہ سے تبدیلیاں کرنا ضروری ہو جائے، امید کی جاسکتی ہے کہ اس نے جو درجہ بندی کے ہے وہ قائم رہے گی۔

عہد وحشت، عہد بربریت اور عہد تہذیب، ان تین خاص ادوار میں قدرتاً مارگن کا تعلق محض پہلے دو سے اور اس عبوری دور سے ہے جو تیسرے عہد کی طرف لے جاتا ہے۔ ان دو عہدوں میں سے ہر عہد کو وہ ذرائع زندگی کی پیداوار کی نشوونما کے مطابق ابتدائی، درمیانی اور آخری ادوار میں تقسیم کرتا ہے کیونکہ جیسا کہ مارگن کا کہنا ہے

"عالم فطرت پر انسان کی ساری برتری کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ ذرائع زندگی کی پیداوار میں اس نے کتنی مہارت حاصل کی ہے۔ انسان ہی ایک ایسی ہستی ہے جس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ اس نے غذا کی پیداوار پر پوری قدرت حاصل کر لی ہے۔ انسانی ترقی کی بڑی منزلوں کا کم و بیش براہ راست تعلق ذرائع زندگی کے وسیلوں کی توسیع کے ساتھ ہے۔" (1)

خاندان کا ارتقا بھی اس کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے لیکن اس میں ہمیں ایسی کوئی قطعی بنیاد نہیں ملتی جس سے مختلف ادوار کی حد بندی کی جاسکے۔

دور وحشت

1- ابتدائی دار

یہ نسل انسانی کے بچپن کا دور ہے۔ انسان ابھی تک اپنے ابتدائی مسکن یعنی گرم یا نیم گرم علاقوں کے جنگلوں میں رہتا تھا اور کم از کم ایک حد تک درختوں پر بسیرا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اتنی دنوں تک بڑے بڑے شکاری جانوروں اور درندوں سے بچا رہا۔ پھل، گری دار میوے اور جڑیں، یہی اس کی غذا تھی۔ اس دور میں اس کا اصلی کارنامہ یہ تھا کہ اس نے بولنا سیکھا۔ تاریخی زمانی میں ہمیں جن لوگوں کا حال ملتا ہے ان میں سے کوئی بھی اس قدیم حالت میں نہیں تھا۔ اگرچہ یہ زمانہ ہزاروں برس تک رہا ہوگا پھر بھی اس کا کوئی براہ راست ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے۔ لیکن جب ایک بار ہم یہ مان لیتے ہیں کہ انسان عالم حیوانی سے پیدا ہوا ہے تو پھر اس عبوری دور کو بھی ماننا ضروری ہے۔

2- درمیانی دور

اس کے ابتدا اس وقت سے ہوتی ہے جب مچھلی (جس میں کیڑے، گھونگھے اور دوسرے دریائی جانوروں کو بھی شامل کرتے ہیں) غذا میں کام آنے لگی اور آگ کا استعمال ہونے لگا۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں کیونکہ مچھلی آگ کے استعمال کے بعد ہی اچھی طرح کھانے کے کام آسکتی ہے۔ اس نئی غذا نے انسان کو موسم اور مقام کی قید سے آزاد کر دیا۔ دریاؤں اور ساحلوں کے ساتھ ساتھ چل کر انسان اپنی اس وحشت کی حالت میں بھی کرہ زمین کے بڑے حصے پر پھیل گیا۔ ابتدائی پتھر کے دور کے بے ڈھنگے، کھر درے پتھر کے اوزار.... جن کو قدیم حجری دور کے اوزار کہتے ہیں.... جو سب کے سب یا زیادہ تر اسی دور کے ہیں اور سبھی براعظموں میں بکھرے پڑے ہیں۔ انسان کی اس نقل و حرکت کا ثبوت ہیں۔ نئے نئے علاقوں میں جا کر بسنے، برابر نئی چیزوں کی تلاش کی دھن میں لگے رہنے اور اب اس کے ساتھ رگڑ سے آگ جلانے کے فن پر قدرت پالینے سے انسان کو کھانے کی نئی نئی چیزیں ملتی رہیں، جیسے غذائی جڑیں اور گنٹھیاں جو گرم رکھ میں یا زمین میں کھدی ہوئی آگ کی بھٹیوں میں پکالی جاتی تھیں، اور ابتدائی ہتھیاروں یعنی لٹھی اور بھالے کی ایجاد کے بعد شکار میں مارے ہوئے جانور بھی غذا میں شامل کئے جانے لگے۔ محض شکاری قومیں جن کا اکثر کتا بوں میں ذکر آتا ہے یعنی ایسی قومیں جو محض شکار پر گزارہ کرتی ہوں، کبھی نہیں رہیں۔ شکار کا نتیجہ اتنا غیر یقینی ہوتا ہے کہ محض اس کے سہارے زندگی گزارنا ممکن ہی نہیں رہیں۔ کھانے کے چیزوں کا ملنا اب بھی نہایت غیر یقینی تھا جس کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں آدم خوری کا

رواج شروع ہوا اور بہت دنوں تک جاری رہا۔ آسٹریلیا کے باشندے اور بہت سے پولینیزین آج بھی وحشت کے اس درمیانی دور میں ہیں۔

3۔ آخری دور

اس کی ابتدا تیرکمان کی ایجاد سے ہوئی جس کی وجہ سے جنگلی جانوروں کا گوشت غذا کا باقاعدہ جزو بن گیا اور شکار کا عام رواج ہو گیا۔ تیر، کمان اور اس کی تانت ایک پیچیدہ ہتھیار ہے جس کو ایجاد کرنے کے لئے بہت دنوں کے تجربے، تیزی اور ذہانت کی ضرورت تھی اور اسی لئے یہ بھی ضروری تھا کہ اس کے ساتھ بہت سی دوسری ایجادوں سے بھی واقفیت ہو۔ اگر ہم ان قوموں کا موازنہ ان سے کریں جو اگرچہ تیر اور کمان سے تو واقف تھیں مگر برتن بنانا نہیں جانتی تھیں (مٹی کے برتن بنانے کے جن سے مارگن کے رائے میں عہد بربریت کے طرف تغیر کی ابتدا ہوتی ہے) تو ہم دیکھیں گے کہ اس ابتدائی دور میں بھی لوگ گاؤں میں بسنے لگے ہیں، ذرائع زندگی کی پیداوار پر کسی حد تک قدرت حاصل ہو چکی ہے " لکڑی کے برتن بھانڈے بنائے جاتے ہیں، انگلیوں سے (کر گھے کے بغیر) درختوں کی چھال کے ریشوں سے طرح طرح کی چیزیں بنائی جاتی ہیں، درخت کی چھال اور بید کی ٹوکریاں بنائی جاتی ہیں، اور پتھر (حجر جدید) کے پالش کئے ہوئے چکنے اوزار بنائے جاتے ہیں۔ پھر بڑی حد تک آگ اور پتھر کی کلہاڑی کی مدد سے درخت کا تنکھو دکرنا اور ڈوگی تیار ہونے لگی اور کہیں کہیں مکان بنانے کی لکڑی اور تختے بھی کاٹے جانے لگے تھے۔ مثال کے طور پر شمال مغربی امریکہ کے انڈینوں میں یہ سبھی چیزیں پائی جاتی ہیں۔ وہ تیرکمان سے تو واقف مگر برتن بنانا بالکل نہیں جانتے۔ تیرکمان عہد وحشت میں وہی حیثیت رکھتے ہیں جو عہد بربریت میں اوسے کی تلوار اور عہد تہذیب میں بارود کے ہتھیار یعنی توپ، بندوق، یرنی وہ جیصلہ کن ہتھیار ہیں۔

عہد بربریت

1۔ ابتدائی دار

اس کی ابتدا مٹی کے برتن بنانے سے ہوئی۔ اس فن کی ابتدا بعض جگہوں میں یقیناً اور شاید سبھی جگہوں میں اس طرح ہوئی کہ ٹوکریوں یا لکڑی کے برتنوں کو آگ سے بچانے کے لئے ان پر مٹی کا لیپ چڑھایا جانے لگا۔ اس

طرح جلد ہی یہ اندازہ ہو گیا کہ اندر کا برتن نکال لینے پر بھی مٹی کے سانچے سے کام چل سکتا ہے۔ اس نقطہ تک ہم مان سکتے تھے کہ ایک خاص زمانے تک سبھی قوموں میں خواہ وہ کسی مقام سے تعلق رکھتی ہوں، ارتقا کا راستہ ایک ہی ہے۔ لیکن بربریت کے ساتھ ہم ایک ایسے دور میں داخل ہوتے ہیں جس میں دو بڑے براعظموں کی قدرتی خصوصیتوں کا فرق اپنا اثر دکھانے لگتا ہے۔ عہد بربریت کے نمایاں خصوصیت جانور پالنا، ان کی نسل بڑھانا اور پودوں کی کاشت کرنا ہے۔ اب جہاں تک مشرقی براعظم یعنی پرانی دنیائے قدیم کا تعلق ہے، یہاں پالنے کے قابل تقریباً سبھی جانور اور ایک کوچھوڑ کر کاشت کے قابل سبھی اناج موجود تھے۔ جبکہ مغربی براعظم یعنی امریکہ میں پالنے کے قابل ایک ہی دودھ پلانے والا جانور تھا جسے لاما کہتے ہیں اور جو صرف جنوب کے ایک حصے میں پایا جاتا ہے، اور کاشت کے قابل صرف ایک اناج... مکا..... تھا مگر وہ تھا سب سے اچھا۔ قدرتی حالات کے اس فرق کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس زمانے سے دونوں نیم کرہ ارض کے باشندے الگ الگ اپنی ڈگر پر چلنے لگے اور ارتقا کے مختلف ادوار کے بیچ کی حد فاصل دونوں جگہ اپنی الگ الگ خصوصیتوں کی حامل ہو گئی۔

2- درمیانی دور

اس کی ابتدا مشرق میں جانور پالنے سے اور مغرب میں آب پاشی کے ذریعہ غذائی پودوں کی کاشت کرنے اور مکان بنانے کے لئے کچی اینٹوں اور پتھر کے استعمال سے ہوتی ہے۔ پہلے ہم مغرب کو لیں گے کیونکہ یورپ والوں کی فتح کے وقت تک امریکہ کے لوگ کہیں بھی اس دور سے آگے نہیں بڑھے تھے۔

امریکہ میں رہنے والے انڈینوں کا جب پتہ چلا تو اس وقت وہ عہد بربریت کے ابتدائی دور میں تھے (مسی پی سی مشرق میں رہنے والے سبھی انڈین اسی دور سے گزر رہے تھے) اس وقت وہ کسی حد تک مکئی اور شایید لوکی، تربوز اور دوسرے پھلوں کی بھی کاشت کرنے لگے تھے۔ اسی سے انہیں اپنی غذا کا بڑا حصہ ملتا تھا۔ یہ لوگ باڑوں سے گھرے ہوئے گاؤں میں لکڑی کے مکانوں میں رہا کرتے تھے۔ شمال مغرب کے قبیلے، خاص کر وہ جو دریائے کولمبیا کے علاقوں میں رہتے تھے، اس وقت بھی عہد وحشت کے آخری دور میں پڑے ہوئے تھے۔ وہ نہ برتن بنانا جانتے تھے اور نہ کاشت کرنا۔ دوسری طرف نیو میکسیکو کے **پوبلو انڈین** کہلانے والے لوگ میکسیکی لوگ، وسطی امریکہ اور پیرو کے باشندے، فتح امریکہ کے وقت عہد بربریت کے درمیانی دور میں تھے۔ وہ لوگ دھوپ میں سکھائی ہوئی اینٹوں یا پتھر کے قلعہ نما مکانوں میں رہتے تھے۔ وہ ان باغوں میں جن میں مصنوعی ذرائع سے آب پاشی ہوتی تھی، مکئی کی اور موسم اور جگہ کے مطابق اور دوسرے اناجوں کی کاشت کرتے تھے۔ یہی ان کی غذا کا سب

سے بڑا ذریعہ تھا۔ انہوں نے کچھ جانور بھی پال رکھے تھے اور پیرو کے باشندوں نے لاما۔ اس کے علاوہ کئی دھاتوں کے استعمال سے واقف تھے مگر لوہے کا استعمال بالکل نہیں جانتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ وہ پتھر کے ہتھیاروں اور اوزاروں سے بے نیاز نہیں ہو سکتے تھے۔ اسپین والوں نے ان کے ملک کو فتح کرنے کے بعد ان کی آزاد نشوونما کا سلسلہ روک دیا۔

مشرق میں بربریت کے درمیانی دور کی ابتدا ان جانوروں کے پالنے سے ہوئی جو دودھ دیتے تھے اور جن کا گوشت کھایا جاتا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس دور میں بہت دنوں تک پودوں کی کھتی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ مویشی پالنے اور جانوروں کے بڑے بڑے جھنڈ اور ریوڑ بنانے کی وجہ سے ہی آریا اور سامی لوگ عہد بربریت کے باقی لوگوں سے مختلف ہو گئے تھے۔ یورپ اور ایشیا کے آریوں میں مویشیوں کے نام آج بھی مشترک ہیں لیکن قابل کاشت پودوں کے نام نہیں ملتے۔

عمدہ اور مناسب جگہوں میں جانوروں کے ریوڑ اور جھنڈ بننے سے گلابانی کی زندگی کا آغاز ہوا، سامیوں میں دجلہ اور فرات کے مرغزاروں میں اور آریوں میں ہندوستان کے میدانوں اور آمو دریا اور سیر دریا اور دان اور نیچر کی وادیوں میں۔ مویشی پالنا غالباً انہیں چراگا ہوں کی سرحدوں پر شروع ہوا ہوگا۔ اسی لئے بعد میں آنے والی نسلوں کو ایسا معلوم ہوا کہ گلابانی کرنے والی قوموں کا آغاز انہی جگہوں میں ہوا ہوگا حالانکہ دراصل یہ علاقے ایسے تھے جو انسانیت کا گہوارہ ہونا تو دور کی بات رہی، ان کے وحشی آباد اجداد کے لئے اور عہد بربریت کے ابتدائی دور کے لوگوں کے لئے بھی گویا بالکل ناقابل رہائش تھے۔ دوسری طرف یہ بات تھی کہ عہد بربریت کے درمیانی دور کے لوگ ایک بار گلہ بانی کی زندگی اختیار کر لینے کے بعد یہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اپنے ان ہرے بھرے سیراب میدانوں اور چراگا ہوں کو چھوڑ کر ان جنگلوں میں لوٹ جائیں جہاں ان کے آباد اجداد رہا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب آریوں اور سامی لوگوں کو اور بھی شمال اور مغرب کی طرف بڑھنے پر مجبور ہونا پڑا تب بھی مغربی ایشیا اور یورپ کے جنگلی علاقوں میں بسنا ان کے لئے ممکن نہیں ہوا۔ وہاں وہ صرف اسی وقت آباد ہو سکے جب انہوں نے اناج کی کھیتی سے ایسی حالت پیدا کر لی کہ ان ناموافق علاقوں میں بھی اپنے مویشیوں کے لئے چارہ فراہم کے سکیں اور خاص کر جاڑوں میں گزارہ کر سکیں۔ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ ان لوگوں نے اناج کی کھیتی پہلے پہل مویشیوں کو کھلانے کے لئے شروع کی تھی اور انسان کی خوراک کے لئے اس کو اہمیت بعد میں حاصل ہوئی۔

آریوں اور سامیوں کو گوشت اور دودھ بہ افراط ملتا تھا۔ بچوں کی نشوونما پر ان غذاؤں کا بہت مفید اثر پڑتا ہے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ ان دونوں نسلوں نے اوروں سے زیادہ ترقی کی۔ سچ پوچھئے تو نیو میکسیکو کے پوبلو انڈی جن کی

غذا صرف ساگ ترکاری رہ گئی ہے ان انڈینوں کے مقابلے میں چھوٹے دماغ کے ہوتے ہیں جو بربریت کے ابتدائی دور میں ہیں اور خوب گوشت اور مچھلی کھاتے ہیں۔ بہر حال، اس دور میں آدم خوری رفتہ رفتہ بند ہو گئی اور اگر کہیں باقی بھی رہی تو محض ایک مذہبی رسم کے حیثیت سے یا جا دوٹونے کی شکل میں۔ اور اس دور میں یہ دونوں قریب قریب ایک ہی چیز ہیں۔

3۔ آخری دور

اس کی ابتدا اس زمانے سے ہوئی جب کچے لوہے کو پگھلا کر صاف کیا جانے لگا، اور جب حروف تہجی کے لکھنے کا فن ایجاد ہوا اور ادبی تحریروں میں اس سے کام لیا جانے لگا تو رفتہ رفتہ یہ دور ختم ہو کر تہذیب کر عہد میں مل گیا۔ جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں اس دور کو آزادی کے ساتھ صرف مشرقی نیم کرہ کے لوگ ہی پورا کر سکے۔ اس دور میں پیداوار میں جتنی ترقی ہوئی اتنی پہلے کے تمام ادوار میں کل ملا کر بھی نہیں ہوئی تھی۔ سورمائی عہد کے یونانی، روم کے تعمیر سے کچھ پہلے کے اطالوی قبیلے، تاسیت کے زمانے کے جرمن اور والینگ (4) کے زمانے کے نارمن اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسی دور میں ہمیں پہلے پہل لوہے کے ہل ملتے ہیں جنہیں جانور چلایا کرتے تھے۔ اسی کی وجہ سے بڑے پیمانے پر کھیتی کرنا..... کاشت کاری..... ممکن ہو سکی۔ اور اس زمانے کے نقطہ نظر سے ذرائع زندگی میں لامحدود اضافہ ہوا۔ جنگل صاف کئے گئے، کھیت اور چارہ گاہیں بنائی گئیں۔ اور یہ کام لوہے کی کلہاڑی اور پھاوڑے کے بغیر، وسیع پیمانے پر نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اسی کے ساتھ آبادی میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ چھوٹے چھوٹے علاقوں میں گنجان بستیاں بس گئیں۔ کاشتکاری سے پہلے صرف بہت ہی مخصوص حالات پانچ لاکھ آدمیوں کو ایک مرکزی رہنمائی کے تحت لاسکتے تھے۔ زیادہ قرین قیاس بات یہ ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

ہومر کی نظموں خصوصاً "ایلیڈ" میں ہمیں بربریت کا آخری دور اپنے عروج پر ملتا ہے۔ لوہے کے اچھے اوزار، دھوکنی، ہاتھ سے چلنے والی چکی، کمہار کا چاک، تیل نکالنا اور شراب بنانا، دھاتوں کے صاف کرنے کا ترقی کر کے فن کی حیثیت اختیار کرنا، گاڑی اور جنگی رتھ، تختوں اور کڑیوں سے پانی میں چلنے والے جہاز بنانا، فن تعمیر کی ابتدا، فصیلوں سے گھرے ہوئے شہر جن میں مینار اور فصیل نما دیواریں ہوتی تھیں، ہومر کی رزمیہ نظمیں اور پوری دیو مالا..... یہ ہے وہ اہم ترین وراثت جس کو لے کر یونانیوں نے بربریت سے تہذیب کے عہد میں قدم رکھا۔ اب ذرا اس کے مقابلے میں ہم ان جرمنوں کو دیکھیں جن کی تصویر سیزر اور خود تاسیت نے کھینچی ہے۔ وہ تمدن کی اس منزل کی دہلیز پر کھڑے تھے جہاں سے آگے بڑھ کر ہومر کے زمانے کے یونانی ایک زیادہ اونچی منزل میں داخل

ہونے کی تیاری کر رہے تھے۔ دونوں کا موازنہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ بربریت کے آخری دور میں پیداوار نے بہت ترقی کر لی تھی۔

مارگن کے خاکے کے مطابق وحشت اور بربریت سے ہوتے ہوئے تہذیب کی ابتدائے منزلوں تک انسانی ارتقا کے جو تصویر میں نے کھینچی ہے، اس میں بہت سی نئی باتیں ہیں۔ یہ باتیں ناقابل تردید بھی ہیں کیونکہ انہیں براہ راست پیداوار سے لیا گیا ہے۔ پھر بھی ہماری داستان کے ختم ہونے تک اس تصور کے جو نقوش ابھریں گے، ان کے مقابلے میں یہ رنگ بہت ہلکے اور پھلکے ہیں۔ صرف اسی وقت یہ ممکن ہوگا کہ بربریت سے تہذیب تک کے تغیرات کی پوری تصویر اور دونوں کے نمایاں فرق کو پیش کیا جائے۔ فی الحال مارگن نے ادوار کو جس طرح تقسیم کیا ہے، اسے عام لفظوں میں ہم یوں پیش کر سکتے ہیں: عہد وحشت جس میں انسان قدرت کے خزانے سے زیادہ تر وہی چیزیں لیتا تھا جو کھانے پینے کے لئے تیار ملتے تھیں۔ انسان کو زیادہ تر ایسے اوزار تیار کرتا تھا جن سے ان چیزوں کو لینے میں آسانی ہو۔ عہد بربریت جس میں انسان نے مویشی پالا اور کھیتی کرنا یعنی اپنی محنت سے قدرت کی زرخیزی کو بڑھانے کا طریقہ سیکھا۔ تہذیب کا عہد جس میں انسان نے قدرت کی نعمتوں سے مزید کام لینا سیکھا اور صنعت و حرفت اور فنون کی واقفیت حاصل کی۔

حوالہ جات

1۔ دیکھئے "مارکس اور اینگلو کی دستاویزات" جلد 9، صفحہ 4 (ایڈیٹر)

دوسرا باب

خاندان

مارگن نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ ایروکو اس لوگوں میں گزارا، جو آج بھی ریاست نیویارک میں رہتے ہیں۔ انہیں کے ایک قبیلے (سبیکا) نے اسے اپنا لیا تھا۔ مارگن نے ایک عجیب و غریب چیز یہ دیکھی کہ ان لوگوں میں

قربت داری کا جو نظام قائم ہے اس میں اور ان کے اصلی خاندانی تعلقات میں تضاد ہے۔ ان میں عام طور پر یہ رواج تھا کہ ایک ایک جوڑا آپس میں شادی کرتا تھا اور فریقین میں سے کوئی بھی آسانی کے ساتھ اس رشتے کو توڑ سکتا تھا۔ مارگن اس کو "جوڑا خاندان" کہتا تھا۔ ایسے شادی شدہ جوڑے کی اولاد کو سبھی جانتے اور مانتے تھے اور کسی کو اس میں شبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ باپ، ماں، بیٹا، بیٹی، بھائی اور بہن کس کو کہا جائے۔ لیکن حقیقت میں ان اصطلاحوں کا استعمال بالکل اُلٹے ڈھنگ سے ہوتا تھا۔ ابرو کو اس لوگ صرف اپنی ہی اولاد کو نہیں بلکہ اپنے بھائیوں کی اولاد کو بھی بیٹا بیٹی کہتے اور وہ انہیں باپ کہتے تھے۔ اس کے برعکس بہن کی اولاد کو وہ بھانجا بھانجی کہتے اور وہ انہیں ماموں پکارتی تھی۔ دوسری طرف ابرو کو اس عورتیں اپنی اولاد کو ساتھ ساتھ اپنی بہن کی اولاد کو بیٹا بیٹی کہتیں اور وہ انہیں ماں کہتیں۔ اس کے برعکس بھائی کی اولاد کو وہ بھتیجا بھتیجی کہتیں اور وہ انہیں پھوپھی کہتی۔ بھائیوں کی اولاد آپس میں ایک دوسرے کو بھائی بہن کہا کرتی اور اسے طرح بہنوں کی اولاد بھی ایک دوسرے کو یہی کہتی۔ لیکن اس کے برعکس ایک عورت اور اس کے بھائی کی اولاد ایک دوسرے کو میرے پھوپھیرے بھائی یا بہن کہہ کر پکارتی۔ اور یہ محض کوری اصطلاحیں نہیں ہیں بلکہ ان کے پیچھے خون کے رشتوں کی قربت، ان کے ہم جد ہونے اور ان کی برابری اور نا برابری کے خیالات کام کر رہے ہیں اور یہ خیالات قربت داری کے ایک مکمل نظام کے بنیاد کا کام دیتے ہیں جس میں ایک شخص کے سینکڑوں مختلف رشتوں کا اظہار کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ، یہ نظام یہ صرف امریکہ کے تمام انڈینوں میں پایا جاتا ہے (جن میں ابھی تک کوئی اس سے متعلق نہیں ملا) بلکہ اس کا رواج جوں کا توں، بلا کسی تبدیلی کے ہندوستان کے قدیم باشندوں میں، دکن کے دراوڑ اور شمالی ہندوستان کے گوڑا قبیلوں میں پایا جاتا ہے۔ جنوبی ہندوستان کے تاملوں میں اور ریاست نیو یارک میں ابرو کو اس قبیلے کے سبز کا لوگوں میں رشتہ داری کی جو صورتیں پائی جاتی ہیں وہ دوسو سے زیادہ رشتوں میں آج بھی دونوں جگہ ایک ہیں۔ اور امریکہ کے سارے انڈینوں کی طرح ہندوستان کے ان قبیلوں میں بھی خاندان کی مروجہ شکل سے پیدا ہونے والے تعلقات میں اور ہم خاندانی کے نظام میں تضاد ہے۔

اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ عہد وحشت اور عہد بربریت میں سبھی لوگوں کے یہاں سماجی نظام کے اندر قربت داری کی ایک فیصلہ کن اہمیت ہوتی ہے۔ لہذا ایک ایسے وسیع نظام کی توجیہ محض الفاظ کے ذریعہ نہیں کی جاسکتی۔ ایک ایسا نظام جو عام طور سے سارے امریکہ میں اور اسی طرح ایشیا میں بھی ایک بالکل مختلف نسل کے لوگوں میں پھیلا ہوا ہے اور جس کی کم و بیش بدلی ہوئی صورتیں سارے افریقہ اور آسٹریلیا میں پائی جاتی ہیں۔ ایسے نظام کی تاریخی توجیہ ضروری ہے۔ اس کی توجیہ اس طرح نہیں کی جاسکتی جس طرح مثال کے طور پر میکسیکن نے کرنے کی کوشش کی تھی۔ باپ، بیٹے، بھائی اور بہن کی اصطلاحیں محض رسمی نہیں بلکہ ان کے ساتھ باہمی حقوق اور فرائض کا ایک مخصوص

متعین اور بہت ہی واضح تصورات وابستہ ہے جو مجموعی طور پر ان لوگوں کے سماجی آئین کا ایک ضروری حصہ ہوتا ہے اور اب اس کی توجیہ مل گئی ہے۔ جزیرہ ہائے سینڈویچ (ہوائی) میں موجودہ صدی کے ابتدائی نصف حصے تک خاندان کی ایک ایسی شکل موجود تھی جس میں ٹھیک اسی طرح کے باپ اور ماں، بھائی اور بہن، بیٹے اور بیٹی، چچا اور چچی، بھتیجے اور بھتیجی ہوتے تھے جس طرح کے امریکی اور قدیم ہندوستانی ہم خاندانی کے نظام کو ضرورت تھی۔ لیکن عجیب بات ہے کہ ہم خاندانی کا جو نظام ہوائی میں رائج تھا، اس میں اور وہاں کے خاندان کے اصلی صورت میں بھی تضاد یا۔ وہاں کبھی چچیرے، پھوپھیرے، میرے اور خلیرے بھائی بہن، حقیقی بھائی بہن سمجھے جاتے تھے۔ اور وہ سب صرف اپنی ماں اور اس کی اپنی بہنوں کی مشترک اولاد تصور کئے جاتے تھے۔ چنانچہ اگر امریکہ کے ہم خاندانی نظام کی تہہ میں خاندان کی ایک زیادہ قدیم شکل تھی جو امریکہ میں تو رائج نہیں رہی لیکن ہوائی میں اب بھی پائی جاتی ہے تو ہوائی کا ہم خاندانی نظام خاندان کی ایک اور بھی قدیم شکل کی طرف اشارہ کر رہا ہے، جس کا وجود اگرچہ آج کہیں ثابت نہیں کیا جاسکتا پھر بھی کبھی نہ کبھی ضرور رہا ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم خاندانی کا وہ نظام جو اس سے مناسبت رکھتا ہے، کبھی قائم نہ ہوتا۔

مارگن کا کہنا ہے کہ "خاندان ایک زندہ اور متحرک چیز ہے۔ وہ کبھی ایک حال پر نہیں رہتا۔ جس طرح سماج نیچے سے اوپر کے طرف ترقی کرتا ہے، اسی طرح خاندان بھی نیچے سے اوپر کی طرف ترقی کرتا رہا۔ اس کے برعکس ہم خاندانی کا نظام میں کوئی بڑی تبدیلی صرف اسی وقت ہوتی ہے جب خاندان میں کوئی بری تبدیلی ہو چکی ہو۔" اس پر مارکس نے یہ اضافہ کیا کہ "یہی بات عام طور سے سیاسی، قانونی، مذہبی اور فلسفیانہ نظام جلد اور بے جان ہو جاتا ہے اور اگرچہ رسمی طور پر اس کا ڈھانچہ باقی رہتا ہے پھر بھی خاندان ترقی کر کے اس سے آگے بڑھ جاتا ہے۔ لیکن جس طرح پیرس کے قریب ایک ایسے جانور کے ڈھانچے کی ہڈیوں سے جس کے پچر رکھنے کی تھیلی ہوتی ہے، کیوئے یقین کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ ڈھانچہ پیٹ کی تھیلی میں بچے کو رکھ کر لے جانے والے کسی جانور کا ہے، اور ایسے جانور اگرچہ اب نہیں ملتے مگر اس علاقے میں ضرور کبھی رہتے ہوں گے، اسی طرح تاریخی طور پر پرانے زمانے سے ہمیں ہم خاندانی (سکوتری) کا جو نظام ملا ہے، اس سے ہم بھی اتنے ہی یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس سے مناسبت رکھنے والی خاندان کی ایک شکل کبھی رائج ہوگی جو اب مٹ چکی ہے۔"

ہم خاندانی کے وہ نظام اور خاندان کی وہ شکلیں جن کا ابھی ذکر ہوا موجودہ زمانے کے مروجہ نظاموں اور شکلوں سے مختلف ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ان میں ہر نیچے کے کئی کئی باپ اور ماں ہیں۔ ہم خاندانی کے امریکی نظام کے مطابق، جس سے ہوائی والا خاندان مناسبت رکھتا ہے، بھائی اور بہن ایک ہی نیچے کے باپ اور ماں نہیں ہو سکتے۔ اس کے برعکس ہم خاندانی کا ہوائی والا نظام جس خاندان پر مبنی ہے، اس میں یہی رواج تھا۔ ہمیں

خاندان کا ہوائی والا نظام جس خاندان پر مبنی ہے، اس میں یہی رواج تھا۔ ہمیں خاندان کی مختلف شکلیں ملتی ہیں اور یہ ان شکلوں سے بالکل مختلف ہیں جو عام طور پر مروج مانی جاتی ہیں۔ خاندان کے روایتی تصور کے ساتھ ساتھ ایک زونگی ہے جس میں کچھ مردوں کے لئے کثرت ازواج اور شاید کچھ عورتوں کے لئے کثرت شوہری کی بھی گنجائش ہے۔ لیکن اس تصور میں اس حقیقت پر چپ چاپ پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اخلاق پرست کم نظر اکثر کیا کرتے ہیں.... کہ سرکاری سماج کی عائد کی ہوئی بندشیں خاموشی اور اتنی ہی باشری کے ساتھ عمل میں توڑی جاتی ہیں۔ اس کے برعکس قدیم سماج کی تاریخ کے مطالعہ سے ہمیں ایسے حالات کا پتہ چلتا ہے جن میں مرد متعدد بیویوں سے شادی کرتے تھے اور ان کی بیویاں متعدد شوہروں سے۔ اور اس لئے ان کی اولاد سبھوں کی مشترک اولاد سمجھی جاتی تھی۔ ان حالات میں رفتہ رفتہ تبدیلی ہوتی رہی یہاں تک کہ وہ بالکل مٹ گئے اس ان کی جگہ پر ایک مرد اور ایک عورت کے بیاہ کا رواج ہوا۔ ان تبدیلیوں کی نوعیت یہ تھی کہ مشترک شادی کے تعلق کا دائرہ جو شروع میں بہت وسیع تھا اور جس میں بہت سے لوگ آسکتے تھے، رفتہ رفتہ محدود ہوتا گیا حتیٰ کہ آخر میں اس میں محض ایک عورت اور ایک مرد رہ گئے۔ چنانچہ آج کل عام طور پر اسی کا رواج ہے۔ اس طرح خاندان کی کچھلی تاریخ مرتب کرنے میں حال سے ماضی کی طرف جانے ہوئے، مارگن اپنے اکثر رفیقوں کی طرح، ایک ایسی قدیم منزل پر جا پہنچا جبکہ قبیلے کے اندر جنسی تعلقات کی مکمل آزادی تھی۔ ہر عورت ہر مرد کے لئے رواجی اور اسی طرح ہر مرد ہر عورت کے لئے۔ ایک اسی قدیم حالت کا تذکرہ گزشتہ صدی سے ہی ہوتا آ رہا ہے لیکن یہ تذکرہ نہایت عام لفظوں میں کیا جاتا تھا۔ باخون پہلا آدمی تھا جس نے اس حالت کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا اور تاریخی اور مذہبی روایات میں اس کے آثار ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ باخون نے یہ ایک نہایت گراں قدر خدمت انجام دی ہے۔ آج ہمیں معلوم ہو چکا کہ اس نے جن آثار کا پتہ لگایا وہ ہمیں آزاد جنسی تعلقات کے سماجی دور تک واپس نہیں لے جاتے بلکہ اس کے بہت بعد کے سماجی دور تک پہنچاتے ہیں جس میں گروہ دار شادی کا رواج تھا۔ اور قدیم سماجی دور اگر سچ کچھ رہا ہوگا تو اس کا تعلق اتنے قدیم زمانے سے ہے کہ ہم یہ امید نہیں کر سکتے کہ کچھڑے ہوئے دشمنوں میں، جن کی ترقی رک گئی ہے، اس کے وجود کا کوئی براہ راست ثبوت مل سکے۔ باخون کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اپنی تحقیقات میں اس سوال کو پیش پیش رکھا۔ (2)

انسان کی جنسی زندگی کے اس ابتدائی دور کو ماننے سے انکار کرنا آج کل ایک فیشن سا ہو گیا ہے۔ اس کا مقصد انسانیت کو اس "کنک" سے بچانا ہے۔ اس سلسلے میں ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اس کی کوئی براہ راست شہادت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے حیوانات کی مثال بھی پیش کی جاتی ہے۔ لیبور نیو نے حیوانی دنیا سے بہت سے واقعات جمع کر کے ("شادی اور خاندان کا ارتقاء" 1888) (3) یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حیوانوں

میں بھی پوری طرح آزاد جنسی تعلق ایک ابتدائی اور ادنیٰ سطح کی چیز ہے۔ لیکن ان تمام واقعات سے میں صرف اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جہاں تک انسان اور اس کے ابتدائی حالات زندگی کا تعلق ہے، ان سے کوئی بات ثابت نہیں ہوتی۔ ریڑھ کی ہڈی والے جانوروں میں نر اور مادہ بہت دنوں تک جوڑا بنائے رہتے ہیں.... اس کی وجہ جسمانی ہے۔ مثلاً پرندوں میں مادہ کو انڈے سینے کے زمانے میں مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن پرندوں میں جوڑوں کی وفاداری کی مثالوں سے انسانوں کے لئے کوئی بات ثابت نہیں ہوتی۔ انسان پرندوں کی نسل سے نہیں ہے۔ اور اگر ایک نر اور ایک مادہ کا جوڑا ہی تمام خوبیوں کی معراج ہے تو پھر شرافت کا سہرا کتنے پورے کے سر بندھنا چاہئے۔ اس کے جسم میں پچاس سے دو سو تک حصے ہوتے ہیں اور ہر حصے کے اندر نر اور مادہ کے پورے جنسی اعضا موجود ہوتے ہیں۔ اس کی ساری زندگی ان دو سو میں سے ہر ایک حصے میں خود اپنے ہی ساتھ جنسی عمل کرنے میں گزر جاتی ہے۔ اگر ہم دورہ پلانے والے جانوروں کو ہی دیکھیں تو ہمیں ان میں جنسی زندگی کی سبھی شکلیں ملیں گی۔ آزاد جنسی تعلق کے ساتھ ساتھ گروہ دار شادی کی طرف اشارے بھی ملتے ہیں، ایک نر کے لئے کئی مادائیں اور ایک نر اور ایک مادہ کا تعلق بھی ملتا ہے۔ لیکن ان میں ایک مادہ سے کئی نروں کا تعلق نہیں پاتا جاتا۔ یہ صرف انسانوں میں ہی ممکن تھا۔ یہاں تک کہ ہمارے سب سے قریبی رشتہ داروں یعنی چوپایوں میں بھی نر اور مادہ کے ملنے کی زیادہ سے زیادہ ممکن صورتیں پائی جاتی ہیں اور اگر ہم اس دائرے کو اور بھی محدود کر دیں اور محض چار انسان نمائندگروں کو لیں تو لینیو نے ہمیں بتائے گا کہ ان میں کہیں ایک نر اور ایک مادہ کا تعلق پایا جاتا ہے اور کہیں ایک نر کے ساتھ کئی مادائیں ہوتی ہیں۔ دوسری طرف سوسورے جس کی رائے تیرا تیلوں نے نقل کی ہے، کہتا ہے کہ وہ ایک نر اور ایک مادہ کے اصول پر عمل کرتے ہیں۔ اپنی کتاب "انسانی شادی کی تاریخ" (4) میں وِسٹر مارک نے انسان نمائندگروں میں ایک نر اور ایک مادہ کے ساتھ رہنے کے متعلق جو حال میں دعوے کئے ہیں اس سے بھی کوئی بات ثابت نہیں ہوتی۔ مختصر یہ کہ سبھی روایتیں کچھ اس قسم کی ہیں کہ غریب لینیو نے کو آخر یہ مان لینا پڑا کہ "دودھ پلانے والے جانوروں میں ذہنی ارتقا کی سطح اور جنسی تعلق کی شکل میں کوئی خاص ربط نہیں ہے۔" اور اسپناس اپنی کتاب "حیوانی سماج" (5) میں صاف کہتا ہے کہ "جانوروں میں سب سے اعلیٰ سماجی گروہ جو دیکھنے میں آتا ہے، جھنڈ یا غول ہے۔ معلوم ہوتا ہے وہ کئی خاندانوں سے مل کر بنتا ہے۔ لیکن خاندان اور غول میں شروع ہی سے تضاد ہوتا ہے۔ ان کی ترقی میں اپنی نسبت ہوتی ہے۔"

ان باتوں سے ظاہر ہے کہ آدم نمائندروں کے خاندان اور دوسری سماجی گروہ بندیوں کے بارے میں ہمیں یقینی طور پر تقریباً کچھ نہیں معلوم۔ جو باتیں معلوم بھی ہیں وہ ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ وحشی انسانوں کے قبیلوں کے بارے میں بھی ہمیں جو کچھ معلوم ہے وہ باتیں بہت متضاد ہیں اور ان

کو تنقیدی نظر سے جانچنے اور چھان بین کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ لیکن بندروں کے سماجوں کا مطالعہ انسانی سماج کے مقابلے میں اور بھی مشکل ہے۔ ان کے بارے میں جو باتیں کہی جاتی ہیں وہ بھروسے کے قابل نہیں ہے لہذا ان سے جو نتیجے نکالے جاتے ہیں انہیں فی الحال ٹھکرا دینا چاہئے۔

لیکن اسپیناس کی کتاب سے جو عبارت ابھی نقل کی گئی اس میں ہمارے لئے ایک بہت اچھا اشارہ موجود ہے۔ اعلیٰ حیوانوں میں غول اور خاندان لازم و ملزوم نہیں بلکہ ان میں آپس میں ٹکراؤ ہوتا ہے۔ اسپیناس نے بڑی خوبی سے دکھایا ہے کہ جوڑا ملنے کے زمانے میں نروں کے آپس کے رشتک و رقابت کے وجہ سے غول میں مل جل کر رہنے والوں کا شیرازہ منتشر ہونے لگتا ہے یہ کچھ عرصے کے لئے ٹوٹ جاتا ہے۔

"جہاں خاندان کی شیرازہ بندی مضبوط ہے وہاں غول شاذ و نادر ہی پائے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس جہاں آزاد جنسی تعلق یا کثرت ازدواج ہے وہاں گویا قدرتی طور پر غول بن جاتے ہیں.... غول بننے کے لئے ضروری ہے کہ خاندان کی بندشیں ڈھیلی پڑ چکی ہوں اور فرد پھر آزاد ہو گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ پرندوں میں منظم جھنڈ شاذ و نادر ہی دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے برعکس دودھ پلانے والے جانوروں میں کم و بیش منظم سماج موجود ہوں جس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں فرد خاندان کے اندر جذب نہیں ہوا ہے.... چنانچہ ابتدا میں غول کے اجتماعی احساس (ضمیر اجتماعی) کا سب سے بڑا دشمن خاندان کا اجتماعی احساس ہے ہم بلا تامل کہہ سکتے ہیں کہ اگر ایک ایسے سماجی ہیئت قائم ہو سکی ہے جو خاندان سے زیادہ اعلیٰ ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر ایسے خاندان شامل تھے جن میں بنیادی تبدیلی ہو چکی تھی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ٹھیک اسی وجہ سے یہ خاندان بعد میں اپنے آپ کو پہلے سے کہیں زیادہ موافق حالات میں نئے سرے سے منظم کر سکے۔" (اسپیناس۔ ایضاً پہلا باب) ژیراتیولوں نے اپنی کتاب "شادی اور خاندان کا آغاز" 1884 (6) میں نقل

کیا۔ صفحات 518.520

اس سے ظاہر ہے کہ حیوانی سماجوں سے بلا شک انسانی سماجوں کی بابت کچھ نتیجے نکالے جاسکتے ہیں، لیکن محض منفی اعتبار سے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے ریڑھ کی ہڈی والے اعلیٰ حیوانوں میں خاندان کی صرف دو شکلیں پائی جاتی ہیں، ایک نر کی کئی مادائیں یا ایک نر اور ایک مادہ کے جوڑے۔ دونوں شکلوں میں بالغ نر یا شوہر ایک ہی ہو سکتا ہے۔ نر کے رشتک و رقابت کا جذبہ جس سے خاندان کا بندھن اور اس کی حدود دونوں ظاہر ہوتی ہیں حیوانی خاندان اور غول میں ٹکرا پیدا کرتا ہے۔ غول جو کہ ایک اعلیٰ سماجی شکل ہے، جوڑا ملنے کے زمانے میں کہیں بالکل ناممکن ہو جاتا ہے، کہیں اس کے بندھن ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور کہیں اس کا شیرازہ بالکل منتشر ہو جاتا ہے۔ نر کے

ریشک و رقابت کی وجہ سے اس کا مسلسل ارتقا بہر حال مشکل ہو جاتا ہے۔ صرف اتنا ہی یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ حیوانی سماج اور قدیم انسانی سماج یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ حیوانی سماج اور قدیم انسانی سماج میں آپس میں تضاد ہے اور قدیم انسان جب حیوانیت کی منزل سے قدم آگے بڑھا رہا تھا تو اسے خاندان کی کوئی واقفیت نہیں تھی اور اگر تھی بھی تو ایک ایسے خاندان کی جو حیوانوں میں نہیں پایا جاتا۔ وٹمارک نے شکاریوں کی رپورٹوں کی بنیاد پر کہا ہے کہ گوریل اور شمپانزی لنگوروں میں غول پسندی کی سب سے اونچی شکل ایک نر اور ایک مادہ کا جوڑا ہے۔ اس شکل میں یعنی اکیلے بھی، وہ نہتا حیوان جو انسانیت کے عالم میں قدم رکھ رہا تھا، چھوٹی تعداد میں زندہ رہ سکتا تھا۔ حیوانیت کی منزل سے ترقی کر کے آگے بڑھنے اور فطرت میں ترقی کا یہ سب سے بڑا قدم اٹھانے کے لئے ایک اور چیز کی ضرورت تھی۔ اس کے لئے ضرورت تھی کہ دفاع اور بچاؤ کے لئے فرد کی ناکافی طاقت کی جگہ غول کی متحدہ طاقت اور مشترکہ کوشش لے لے۔ آدم نما بندر آج جن حالات میں رہتے ہیں، اس قسم کے حالات سے نکل کر انسانی منزل میں پہنچنا بالکل ناممکن ہوگا۔ ان انسان نما بندروں کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی بھٹکی ہوئی شاخ ہے جو رفتہ رفتہ مٹ چلی ہے؛ یا بہر حال جس کا زوال ہونے لگا ہے۔ یہی وجہ بہت کافی کہ ان کے اور قدیم انسان کے خاندان کی شکلوں کا آپس میں موازنہ کر کے جو نتیجے نکالے جاتے ہیں، ان کو قبول نہ کیا جائے۔ حیوانیت سے انسانیت کا ارتقا جن وسیع اور پابہیدار گروہوں کے ذریعے ممکن تھا، ان کے بننے کی پہلی شرط یہ تھی کہ بالغ نروں میں ایک دوسرے کے لئے رواداری وہ اور ریشک و رقابت کا جز نہ ختم ہو چکا ہو۔ اور سچ پوچھئے تو خاندان کی سب سے ابتدائی شکل کون سی ہے جس کا پکا ثبوت تاریخ میں ملتا ہو اور جو آج بھی کہیں دیکھنے میں آتی ہے؟ وہ گروہ دار شادی ہے جس میں مردوں کا پورا کا پورا گروہ اور عورتوں کا پورا گروہ ایک دوسرے سے تعلق رہتا ہے، جس میں ریشک و رقابت کی گنجائش کم ہی ہوتی ہے۔ اور پھر ارتقا کے ایک اور بعد کے دور میں کثرت شوہری کی منتہی صورت ملتی ہے جو ریشک و رقابت کے جذبے کے بالکل منافی ہے اور اس لئے جانوروں میں بالکل نہیں پائی جاتی۔ لیکن گروہ دار شادی کی جو شکلیں ہمیں ملتی ہیں، ان کے ساتھ ایسے پیچیدہ حالات وابستہ ہوتے ہیں کہ لازمی طور پر ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان سے پہلے جنسی تعلق کی کچھ ان سے بھی زیادہ ابتدائی اور سادہ شکلیں رہی ہوں گی۔ اور اس طرح، آخری تجربہ میں، ہم آزاد جنسی تعلق کے ایک دور میں پہنچ جاتے ہیں جو حیوانیت سے انسانیت کی طرف تغیر کا دار بھی تھا۔ جانوروں میں شادی کی شکلوں کا حوالہ دے کر ہم ایک بار پھر اسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے ہے سمجھا گیا تھا کہ ہم ہمیشہ کے لئے آگے بڑھ چکے ہیں۔

تو پھر آزاد جنسی تعلق کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب یہ کہ آج کل جنسی تعلقات پر جو پابندیاں لگی ہوئی ہیں، یا جواب سے پہلے کے زمانوں میں لگی ہوئی تھیں، وہ اس وقت نہیں تھیں۔ ہم ریشک و رقابت کی دیواروں کو

گرتے ہوئے دیکھ چکے ہیں۔ اگر کوئی بار یقینی ہے تو وہ یہ کہ رشک و رقابت کا جذبہ نسبتاً بعد کے زمانے کی پیداوار ہے۔ محرمات کے ساتھ جنسی تعلق کے تصور پر بھی یہی بات صادق آتی ہے۔ نہ صرف شروع میں بھائی بہن شوہر اور بیوی کی حیثیت سے رہتے تھے بلکہ کئی انسانی گروہوں میں آج بھی والدین اور پیشک کے ریاستوں کی نسلیں (7) "میں بتایا ہے کہ آبنائے بیرنگ کے کلویات لوگوں میں، الاسکا کے نزدیک رہنے والے کلویاک لوگوں میں، اور برطانوی شمالی امریکہ کے اندرونی علاقے کے طینہ لوگوں میں اس کا رواج اب بھی پایا جاتا ہے۔ لیتوینیوں نے بھی بتایا ہے کہ چھپو اقبیلے کے انڈین لوگوں میں، چلی کے رہنے والے کوکوس لوگوں میں، کیرے بین اور ہند چین کے کرین لوگوں میں بھی اس کا وجود پایا جاتا ہے۔ پارتھویوں، ایرانیوں، سکائی تھنوں اور ہنوں وغیرہ کے بارے میں جو روایتیں قدیم یونانیوں اور رومیوں میں ملتی تھیں ان میں بھی اس چیز کا ذکر ملتا ہے۔ اس اصول کے اختراع سے پہلے محرمات میں جنسی تعلق معیوب ہے (اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک اختراع ہے اور نہایت مفید اور اہم ہے) والدین اور ان کی اولاد کے درمیان جنسی تعلقات، الگ الگ پشتوں کے مختلف افراد کے جنسی تعلقات سے زیادہ قابل نفرت نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ مختلف پیڑھیوں کے افراد کے درمیان جنسی تعلق تو آج انتہائی تنگ نظر، اخلاق پرست ملکوں میں پایا جاتا ہے اور اس پر کسی خاص نفرت کا اظہار بھی نہیں کیا جاتا۔ بلکہ سچ پوچھئے تو ساٹھ برس سے اوپر کی "دہ شیزائیں" بھی، اگر کافی دولت مند ہوں تو تیس برس کے قریب کے نوجوانوں سے شادی کرتی ہیں۔ لیکن خاندان کی ان قدیم ترین شکلوں سے جو ہمیں معلوم ہیں، اگر ہم محرمات کے ساتھ جنسی تعلق کے تصور کو جو ان سے وابستہ ہیں (جو تصور ہمارے اپنے تصورات سے بالکل مختلف اور اکثر صورتوں میں بالکل متضاد ہیں) الگ کر دیں، تو جنسی تعلق کی ایک ایسی شکل رہ جاتی ہے جس کو آزاد جنسی تعلق کا ہی نام دیا جاسکتا ہے۔ آزاد جنسی تعلق اس لئے کہ رسم و رواج نے آگے چل کر جو پابندیاں لگائیں ان کا اس وقت کوئی وجود نہیں تھا۔ لیکن اس سے لازمی نتیجہ نہیں نکلتا کہ روز اندھا دھند آزاد جنسی تعلق کا بازار گرم رہتا تھا۔ ایک محدود مدت کے لئے الگ الگ جوڑے بنا کر رہنے کا رواج عقل یا امکان سے باہر نہیں تھا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ گروہ دار شادی میں بھی اب زیادہ تر ایسے ہی جوڑے دیکھنے میں آتے ہیں۔ وسٹر مارک نے سب سے بعد میں خاندان کی اس قدیم شکل کو ماننے سے انکار کیا ہے۔ اگر اس کی تعریف کے مطابق ہر وہ تعلق شادی ہے جس میں مرد اور عورت، بچہ پیدا ہونے تک ساتھ رہتے ہیں، تو کہا جاسکتا کہ اس طرح کی شادی آزاد جنسی تعلق کی حالتوں میں بھی ہو سکتی تھی، اور وہ آزاد جنسی تعلق، یعنی جنسی تعلق پر رسم و رواج کی لگائی ہوئی پابندیوں کے نہ ہونے کی ضد نہیں تھی۔ وسٹر مارک بلاشبہ یہ نقطہ نظر لے کر چلا ہے کہ "

"آزاد جنسی تعلق کا مطلب ہے کہ انفرادی رجحانات کو دباننا پڑتا ہے" اور اس لئے "اس کے سب

سے سچی شکل عصمت فروشی ہے۔"

اس کے برعکس میرا خیال یہ ہے کہ جب تک ہم قدیم حالات کو چکھ گھروں کی عینک سے دیکھنا بند نہیں کریں گے، تب تک ہم انہیں بالکل نہیں سمجھ سکیں گے۔ گروہ دار شادی پر غور کرتے وقت ہم اس بات کا پھر ذکر کرنے والے ہیں۔

مارگن کی رائے میں آزاد جنسی تعلق کی اس ابتدائی حالت سے، شاید بہت شروع میں ہی، یہ شکلیں پیدا ہوئیں:

1- سگوتریا ایک جدی خاندان

یہ خاندان کی پہلی منزل ہے۔ یہاں شادی پیڑھیوں کے مطابق گروہوں میں ہوتی ہے۔ خاندان کے دائرے کے اندر ابھی دادا اور دادیاں ایک دوسرے کے شوہر اور بیوی ہوتے ہیں۔ ان کے بچوں کی یعنی ماؤں اور باپوں کی بھی یہی حیثیت ہوتی ہے۔ اور ان کے بچوں سے پھر مشترک شوہروں اور بیویوں کا ایک تیسرا دائرہ تیار ہو جاتا ہے۔ ان کے بچے یعنی پہلی پیڑھی کے پڑپوتے اور پڑپوتیاں، چوتھے دائرے کے شوہر اور بیویاں بن جاتے ہیں۔ اس طرح خاندان کی اس شکل میں صرف سلف اور خلف، ماں باپ اور ان کے بچے (ہماری آج کل کی زبان میں) ایک دوسرے کے ساتھ شادی کے حقوق اور ذمہ داریاں نہیں قبول کر سکتے۔ بھائی، بہن دور اور نزدیک کے چچیرے، میسرے، پھوپھی بھائی، بہن سب ایک دوسرے کے بھائی، بہن ہوتے ہیں اور ٹھیک اسی لئے وہ سب ایک دوسرے کے شوہر اور بیوی ہوتے ہیں۔ اس منزل پر بھائی بہن کے رشتے میں یہ بات شامل ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ جنسی تعلق رکھتے ہیں اور یہ عام چلن ہوتا ہے۔ (8) ٹھیک صورت میں ایسے خاندان میں ایک جوڑے کی اولاد ہوگی اور پھر ان میں ہر پیڑھی کے اولاد، سب کی سب، ایک دوسرے کی بھائی، بہن ہوگی اور ٹھیک اسی وجہ سے وہ سب کے سب ایک دوسرے کے شوہر اور بیوی ہوں گے۔ سگوتریا خاندان بالکل مٹ چکا ہے۔ سب سے کم مہذب قوموں میں بھی، جن کا حال تاریخ میں ملتا ہے، خاندان کی اس شکل کا کوئی ثبوت نہیں ملتا جس کی جانچ کی جاسکے۔ لیکن ہوائی میں سگوتری یا ہم خاندانی کا جو نظم ملتا ہے، اور جو آج بھی پولینیزیا کے سبھی جزیروں میں پھیلا ہوا ہے، وہ ہمیں اس نتیجے پر پہنچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ خاندان کی یہ شکل کسی زمانے میں ضرور رہی ہوگی۔ اس میں

سگوتری یا ہم خاندانی کے ایسے درجے ملتے ہیں جو خاندان کی اس شکل کے اندر ہی پیدا ہو سکتے تھے۔ اور خاندان کا بعد کا تمام تر ارتقا بھی، جو کہ اس شکل کو ایک ضروری ابتدائی منزل کی حیثیت سے لازمی بنا دیتا ہے، ہمیں اسی نتیجے پر پہنچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

2۔ پونا لوان خاندان

اگر تنظیم میں ترقی کا پہلا قدم یہ تھا کہ والدین اور بچوں میں آپس میں جنسی تعلق کا سلسلہ بند ہوا، تو اس کا دوسرا قدم یہ تھا کہ بھائی بہنوں میں بھی اس تعلق کو ختم کیا گیا۔ چونکہ بھائی بہنوں کی عمر میں زیادہ فرق نہیں ہوتا اس لئے یہ قدم، پہلے کے مقابلے میں زیادہ اہم اور کہیں زیادہ مشکل تھا۔ یہ قدم رفتہ رفتہ ہی اٹھایا گیا تھا۔ پہلے شاندسگے بھائی بہنوں میں (یعنی جو ایک ماں سے ہوں) جنسی تعلق کو بند کیا گیا ہوگا۔ وہ بھی شاند شروع میں اکادکا معاملے میں ایسا کیا گیا ہوگا اور بعد میں یہ عام اصول بن گیا ہوگا۔ (ہوائی میں موجودہ صدی میں بھی اس عام اصول کے استثناء ملتے تھے)۔ اور آخر میں بڑھتے بڑھتے رشتے کے بھائی بہنوں، یا ہماری آج کل کی اصطلاح میں قریب یا دور کے چچیرے، ممبرے، خلیبرے اور پھوپھرے بھائی بہنوں کی شادی پر پابندی لگی ہوگی۔ مارگن کے الفاظ میں "قدرتی انتخاب کے اصول پر عمل درآمد کی یہ ایک اچھی مثال ہے۔"

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ جن قبیلوں میں یہ قدم اٹھا کر قریبی رشتہ داروں سے جنسی تعلق قائم کرنا اور بچے پیدا کرنا روک دیا گیا، انہوں نے ان قبیلوں کے مقابلے میں کہیں جلدی اور زیادہ مکمل ترقی کی جن میں بھائی بہنوں کی شادی کا رواج تھا اور اسے ضروری فرض سمجھ کر کیا جاتا تھا۔ اور اس قدم کا بڑا اثر بدست اثر پڑا۔ اس کا ایک ثبوت گنوں کا ادارہ ہے جو براہ راست اسی قدم کا نتیجہ تھا اور اس سے بہت دور نکل گیا تھا۔ گن کا ادارہ بربریت کے عہد میں اگر دنیا کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوموں میں سماجی نظام کی بنیاد تھا اور یونان و روم میں تو ہم اس سے براہ راست تمدن کے عہد میں داخل ہوتے ہیں۔

ہر قدیم خاندان حد سے حد چند پشتوں کے بعد بٹ جاتا تھا۔ بربریت کے درمیانی دور کے آخری حصے تک بھی، ہر جگہ بلا استثنا قدیم کمیونسٹی مشترک گھرانے میں رہنے کا رواج تھا۔ اور اس کی وجہ سے خاندانی برادری کی ایک آخری حد متعین ہو جاتی تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ کتنی بڑی ہو سکتی ہے۔ اس میں حالات کے مطابق رد و بدل ہو سکتا تھا لیکن ہر جگہ یہ بات بڑی حد تک متعین ہوتی تھی۔ جب ایک ماں کی اولاد میں جنسی تعلق معیوب سمجھا جانے لگا تو لازمی تھا کہ پرانی خاندانی برادریوں کی تقسیم پر اور نئی خاندانی برادری (Hausgemeinden) کی بنیاد پر

اس نئے تصور کا اثر پڑے (یہ کوئی ضروری نہیں کہ یہ خاندانی برادری اور خاندانی گروہ ایک ہی چیز ہو)۔ بہنوں کا ایک یا ایک سے زیادہ گروہ ایک گھرانے کے بنیادی مرکز بن جاتے تھے اور ان کے سگے بھائی دوسرے گھرانے کے۔ اس طریقے سے یا اس ملتے جلتے کسی اور طریقے سے، سگوتری یعنی یک جدی خاندان سے ترقی کر کے خاندان کی وہ شکل پیدا ہوئی جس کو مارگن پونا لوان خاندان کہتا ہے۔ جزیرہ ہوائی کے رواج کے مطابق بہت سی بہنوں کے ... خواہ وہ سگی بہنیں ہوں یا وہ تین درجے تک کی ہم جدی بہنیں ... مشترک شوہر ہوتے تھے جن کی وہ مشترک بیویاں ہوتی تھیں۔ لیکن ان کے بھائیوں کو اس رشتے سے الگ رکھا جاتا تھا۔ وہ اب ان کے شوہر نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ شوہر لوگ اب ایک دوسرے کو بھائی نہیں کہتے تھے اور سچ پوچھے تو اب ان کا آپس میں بھائی ہونا ضروری بھی نہیں تھا۔ وہ ایک دوسرے کو "پونا لوان" یعنی سگھی کہا کرتی تھیں۔ خاندان کی بناوٹ کی یہی قدیم کلاسیکی صورت (Familienformation) تھی جس میں آگے چل کر متعدد تہذیبیں ہوئیں۔ اس کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ خاندان کے ایک مخصوص دائرے کے اندر سبھی شوہر اور سبھی بیویاں مشترک ہوتے تھیں لیکن بیویوں کے بھائی ... ابتدا میں سگے بھائی اور آگے چل کر ہم جدی بھائی بھی ... اس دائرے سے الگ رکھے جاتے تھے۔ اور اسی طرح دوسری طرف شوہروں کی بہنیں بھی اس دائرے سے الگ رکھی جاتی تھیں۔

رشتے ناتوں کے وہ سبھی مدارج جن کا اظہار امریکی نظام میں ہوتا ہے، خاندان کی اس شکل میں ہمیں پوری صحت کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ میری ماں کی بہنوں کے بچے میرے باپ کے بھی بچے ہوتے ہیں۔ اور وہ سب میرے بھائی بہن ہوتے ہیں۔ لیکن میری ماں کے بھائیوں کے بچے اب اس کے بھتیجے بھتیجیاں کہلاتے ہیں اور میرے باپ کی بہنوں کے بچے، اس کے بھانجے بھانجیاں۔ اور وہ سب میرے میرے پھوپھی بھائی بہن ہیں کیونکہ میری ماں کی بہنوں کے شوہر اس کے بھی شوہر ہوتے ہیں اور میرے باپ کے بھائیوں کی بیویاں اس کی بھی بیویاں ہیں ... اگر عملاً ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا تو اصولاً تو اس کو مانا جاتا ہے ... پھر بھی بھائیوں اور بہنوں میں جنسی تعلق کی سماجی ممانعت کی وجہ سے اب رشتے کے بھائی بہن جو اب تک بلا امتیاز اپنے بھائی بہن سمجھے جاتے تھے، اب وہ درجوں میں بٹ جاتے ہیں کچھ تو پہلے کی طرح ہم جدی بھائی بہن رہتے ہیں باقی کو یعنی ایک طرف بھائیوں کی اولاد کو اور دوسری طرف بہنوں کی اولاد کو اب آپس میں بھائی بہن نہیں کہا جاسکتا۔ ان کے والدین یا ماں باپ میں سے کوئی ایک یا دونوں مشترک ہو سکتے اور اس لئے پہلی باہر ضروری ہوا کہ بھانجے بھانجیوں، بھتیجے بھتیجیوں اور میرے، پھوپھی بھائی بہنوں کا امتیاز قائم کیا جائے جو پہلے کے خاندانی نظام میں بے معنی ہوتا۔ سگوتری یا ہم خاندانی کا امریکی نظام، خاندان کی ہر اس شکل میں جس کی بنیاد انفرادی شادی پر ہو، نہایت مہمل اور بے معنی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن پونا لوان خاندان کی بنیاد پر اس نظام کی ایک ایک بات معقول اور فطری ثابت ہوتی ہے۔ جس حد

تک سگوتری یا ہم خاندانی کے اس نظام کا رواج تھا، کم سے کم اسی حد تک، پونا لووان خاندان کا یا اس سے ملتی جلتی کسی اور شکل کا رواج رہا ہوگا۔

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ خاندان کی یہ شکل ہوائی میں موجود تھی اور اگر امریکہ میں اسپین سے گئے ہوئے سابقہ ہسپانوی راہبوں کی طرح کے دھرماتما پادری ان غیر مسیحی رشتوں کو صرف "بدکاری" (9) نہ سمجھتے تو غالباً سارے پولینیز یا میں خاندان کی یہی شکل موجود ہوتی۔ سیزر کے زمانے میں برطانیہ والے بربریت کی درمیانی منزل سے گزر رہے تھے۔ اور جب سیزران کے بارے میں کہتا ہے کہ "دس اور بارہ بارہ کے گروہوں میں وہ لوگ مشترک بیویاں رکھتے تھے اور زیادہ تر بھائی بھائی مشترک بیویاں رکھتے تھے اور باپ اور بیٹے ساتھ ساتھ" تو ظاہر ہے کہ یہ بات گروہ دار شادی پر ہی صادق آسکتی ہے۔ عہد بربریت کی ماؤں کے دس یا بارہ بیٹے اتنے بڑے نہیں ہو سکتے تھے کہ وہ مشترک بیویاں رکھ سکیں۔ لیکن امریکہ میں پائے جانے والے سگوتری نظام میں جو کہ پونا لووان خاندان سے مطابقت رکھتا ہے، بھائیوں کی تعداد بہت بڑی ہوتی ہے کیونکہ ایک آدمی کے دور و نزدیک کے رشتے کے سبھی بھائی سگے بھائی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سیزر کا یہ فقرہ "باپ اور بیٹے ساتھ ساتھ" شاید غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ لیکن اس نظام میں یہ ناممکن نہیں ہے کہ باپ اور بیٹے یا ماں اور بیٹی شادی کے ایک ہی گروہ میں ہوں، اگرچہ باپ اور بیٹی یا ماں اور بیٹے ایک ہی گروہ میں نہیں ہو سکتے تھے۔ اسی طرح ہیر وڈوٹس اور دوسرے قدیم مصنفوں نے وحشی اور بربر لوگوں میں بیویوں کے مشترک ہونے کے بارے میں جو باتیں لکھی ہیں، وہ بھی گروہ دار شادی کی اس شکل یا اس سے ملتی جلتی کسی اور شکل کے بنیاد پر یہ آسانی سے سمجھی جاسکتی ہیں۔ واٹسن اور کئے نے اپنی کتاب "ہندوستان کے باشندے" (10) میں دریائے گنگا کے شمال میں رہنے والے اودھ کے ٹھاکروں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس پر بھی یہی بات صادق آتی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ

"وہ بڑی تعداد میں تقریباً بغیر کسی فرق اور امتیاز کے" (یعنی جنسی مفہوم میں) "ساتھ رہتے ہیں اور جب دو آدمیوں کی شادی ہوتی ہے تو یہ رشتہ محض برائے نام ہوتا ہے۔"

زیادہ تر صورتوں میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گن کے ادارے کے ابتدا براہ راست پونا لووان خاندان سے ہوئی۔ اس میں شک نہیں کہ آسٹریلیا کا شادی کا طبقہ بھی اس کا نقطہ آغاز ہو سکتا تھا (9)۔ آسٹریلیا کے باشندوں میں گن موجود ہیں لیکن ان میں پونا لووان خاندان کا وجود نہیں ہے۔ ان کے یہاں گروہ دار شادی کے ایک اور زیادہ بھونڈی شکل ملتی ہے۔

گروہ دار خاندان کی سبھی شکلوں میں جہاں یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتے ہے کہ بچے کی ماں کون ہے وہاں کہیں بھی اس کا یقین نہیں ہوتا کہ اس کا باپ کون ہے۔ اگرچہ عورت اپنے پورے خاندان کے سبھی بچوں کو اپنا کہتی

ہے اور سب کے ساتھ ماں کا سا برتاؤ کرتی ہے، پھر بھی وہ یہ جانتی ہے کہ کون اس کے اپنے بطن سے ہے اور کون نہیں۔ اس لئے ظاہر ہے کہ جہاں کہیں گروہ دارشادیوں کا رواج ہوتا ہے وہاں صرف ماں کی اولاد کا پتہ چلتا ہے اس لئے نسل صرف ماں سے چلتی ہے۔ سبھی وحشی قوموں میں اور ان قوموں میں بھی جو بربریت کے ابتدائی دور میں ہیں یہی بات پائی جاتی ہے۔ باخون کا دوسرا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اسی نے پہلے پہل یہ بات دریافت کی۔ محض ماں کی جانب سے نسل کا سلسلہ اور وقت کے ساتھ ساتھ اس کی بنیاد پر وراثت کے جو رشتے قائم ہوئے، ان کو وہ مادری حق کا نام دیتا ہے۔ اختصار کی خاطر میں اسی اصطلاح کو برقرار رکھنا چاہتا ہوں حالانکہ یہ لفظ بہت موزوں نہیں کیونکہ سماج کی ترقی کے اس منزل پر قانونی مفہوم میں حقوق کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

اگر پونا لووان خاندان کے دو مخصوص گروہوں میں سے ہم ایک گروہ کو لے لیں یعنی اس گروہ کو جس میں کئی ماں جائیاں اور رشتے کی بہنیں ہوتی ہیں (یعنی وہ جو سگی بہنوں کی اولاد ہیں، پہلی، دوسری پشت اور آگے تک) اور جس میں ان کے ساتھ ان کے بچے اور ماں کی طرف سے ان کے سگے اور رشتے کے بھائی بھی شامل ہوتے ہیں (جو ہمارے مفروضے کے مطابق ان کے شوہر نہیں ہو سکتے) تو یہ انہیں اشخاص کا دائرہ ہوگا جو گن کی ابتدائی شکل میں اس ادارے کے رکن ہوتے ہیں۔ ان سبھوں کی مشترک مورث اعلیٰ ایک عورت ہوتی ہے۔ اس کے کنبے کی لڑکیاں اس کی اولاد ہونے کی وجہ سے ہر پشت میں ایک دوسرے کی بہنیں ہوتی ہیں لیکن ان بہنوں کے شوہر اب ان کے بھائی نہیں ہو سکتے یعنی وہ اس مورث اعلیٰ عورت کی اولاد نہیں ہو سکتے اور اس لئے وہ اس سگوتری گروہ میں جو آگے چل کر گن بنا، شامل نہیں ہو سکتے۔ لیکن ان کے بچے اس گروہ میں شامل ہیں کیونکہ ماں کی نسل ہی فیصلہ کن ہے اور یہ اس لئے کہ صرف اسی کا یقین ہے۔ جب ایک مرتبہ سبھی ماں جائے بھائیوں اور بہنوں میں اور ان میں بھی جو ماں کی طرف سے دور کے رشتے کے بھائی بہن ہیں، جنسی تعلقات پر روک لگا دی جاتی ہے تو یہی گروہ گن میں بدل جاتا ہے..... یعنی ماں کی جانب سے رشتہ داروں کا ایک نہایت محدود حلقہ بن جاتا ہے جنہیں آپس میں شادی کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اور اس وقت سے یہ دوسرے عام سماجی اور مذہبی اداروں سے اپنے آپ کو برابر تقویت پہنچاتا رہتا ہے اور اپنے قبیلے کے دوسرے گنوں سے اپنے کو علیحدہ کرتا جاتا ہے۔ آگے چل کر ہم اس پر زیادہ تفصیل سے غور کریں گے۔ لیکن جب ہم پاتے ہیں کہ پونا لووان خاندان سے گن کا ارتقا محض منطقی ضرورت کے طور پر ہی ثابت نہیں بلکہ ظاہر بھی ہے تو پھر تقریباً پورے وثوق کے ساتھ یہ کہنے کی بنیاد مل جاتی ہے کہ ان تمام قوموں میں جن میں گن کا سراغ ملتا ہے یعنی تقریباً سبھی غیر متہدن اور متہدن قوموں میں پہلے خاندان کی یہ شکل موجود تھی۔

جس وقت مارگن نے اپنی کتاب لکھی تھی اس وقت تک گروہ دارشادی کے بارے میں ہماری واقفیت بہت کم

تھی۔ اس وقت آسٹریلیا کے باشندوں میں، جو طبقوں میں بٹے ہوئے تھے، گروہ دارشادی کے رواج کے بارے میں کچھ باتیں معلوم تھیں۔ اس کے علاوہ مارگن نے 1871 میں وہ ساری چیزیں شائع کر دی تھیں جو اسے ہوائی کے پونا لوان خاندان کے بارے میں معلوم ہو سکیں۔ پانا لوان خاندان سے ایک طرف تو امریکی انڈینوں میں پایا جانے والا سگوتری یا ہم خاندانی کا نظام پوری طرح سمجھ میں آ جاتا تھا اور اسی نظام سے مارگن کی تمام چھان بین کی ابتدا ہوئی تھی۔ دوسری طرف اس سے مادری حق والے گن کے ارتقا کی پہلی کڑی مل جاتی تھی۔ اور آخر میں، وہ آسٹریلیا کے طبقوں کے مقابلے میں ارتقا کی زیادہ اونچی منزل کی نمائندگی کرتا تھا۔ اس لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ مارگن نے کیوں پانا لوان خاندان کو، جوڑا خاندان سے پہلے کی، ارتقا کی ایک ضروری منزل قرار دیا۔ اور یہ بھی مان لیا کہ پہلے زمانے میں اس کا عام رواج تھا۔ اس کے بعد ہمیں گروہ دارشادی کی اور بھی کئی شکلوں کا پتہ چلا ہے اور اب ہم جانتے ہیں کہ اس معاملے میں مارگن حد سے زیادہ آگے بڑھ گیا تھا۔ پھر بھی خوش قسمتی سے اس کو اپنے پونا لوان خاندان میں گروہ دارشادی کی اعلیٰ ترین اور بنیادی (کلاسیکی) شکل مل گئی جس سے ایک زیادہ اونچی منزل کی طرف خاندان کے ارتقا کو زیادہ آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔

گروہ دارشادی کے متعلق ہم اپنی معلومات میں سب سے زیادہ بنیادی اضافے کی لئے ایک انگریز پادری لاریر فینسون کے احسان مند ہیں۔ اس نے برسوں شادی کی اس شکل کا مطالعہ اس کے اصلی وطن آسٹریلیا میں رہ کر کیا تھا۔ اسے جنوبی آسٹریلیا میں ماؤنٹ گمیر کے علاقے میں رہنے والے حبشیوں میں اس کے ارتقا کا سب سے ابتدائی دور ملا تھا۔ وہاں پورا قبیلہ دو بڑے طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔ ایک کا نام تھا گرو کی اور دوسرے کا کوماٹ۔ ان میں سے ہر طبقے کی ہر عورت کا پیدائشی شوہر اور وہ اس کی پیدائشی بیوی ہوتی تھی۔ افراد کا نہیں بلکہ پوری کی پوری جماعت کا، پورے کے پورے طبقے کا، ایک دوسرے کے ساتھ بیاہ ہوتا تھا۔ اور یہ خیال رہے کہ یہاں عمر کے فرق یا کسی خاص خونی رشتے کی وجہ سے کوئی پابندی نہیں لگتی تھی۔ پابندی صرف ایک ہی تھی اور وہ یہ کہ اپنے طبقے کے اندر کسی کے ساتھ جنسی تعلق نہیں ہو سکتا تھا۔ کوماٹ طبقے کی ہر عورت کرو کی طبقے کے ہر مرد کی بیوی تھی اور چونکہ مادری حق کی رو سے کوماٹ عورت کے لطن سے پیدا ہونے والی لڑکی بھی کوماٹ تھی، اس لئے وہ لڑکی بھی کرو کی طبقے کی ہر مرد کی، جس میں اس کا باپ بھی شامل تھا، پیدائشی بیوی تھی۔ بہر حال اس طبقاتی تنظیم نے، جیسا کہ ہم اس کو جانتے ہیں، یہاں اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ اس لئے یہ تنظیم یا تو ایک ایسے زمانے میں قائم ہوئی ہوگی جبکہ بہتر قریبی رشتہ داروں کے ساتھ جنسی تعلق پر پابندی لگانے کی تمام تر دھندلی خواہشات کے باوجود ماں باپ اور بچوں کے جنسی تعلق کو بہت زیادہ معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا.... اور ایسی صورت میں یہ طبقاتی نظام براہ راست آزاد جنسی تعلق کی حالت سے پیدا ہوا ہوگا.... اور یا پھر طبقوں کے قائم ہونے سے پہلے ہی ماں باپ اور بچوں کے جنسی

تعلق پر رسم و رواج نے پابندی لگا رکھی ہوگی اور ایسی صورت میں موجودہ حالت اس کے بعد ارتقا کی پہلی منزل تھی۔ وہ دوسرا مفروضہ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے آسٹریلیا میں والدین اور اولاد کے درمیان جنسی تعلق کی کوئی مثال نہیں ملی ہے۔ عام طور پر گوت باہر شادی کی بعد کی شکل، یعنی مادری حق والے گن کے وجود کے لئے یہ لازمی شرط ہے کہ ایسے تعلقات کی جو ممانعت تھی وہ اس کے قائم ہونے سے پہلے سے موجود ہے۔ جنوبی آسٹریلیا کے ماؤنٹ گمبیر کے علاوہ یہ دو طبقے والا نظام اس سے اور زیادہ مشرق میں دریائے ڈارلنگ کے کنارے اور شمال مشرق میں کونسل لینڈ میں بھی پایا جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ نظام دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اس نظام میں صرف ماں جائے بھائی بہنوں میں، بھائیوں کی اولاد میں اور ماں کی طرف سے بہنوں کی اولاد میں شادی کرنا منع ہے کیونکہ یہ سب ایک ہی طبقے میں شامل ہیں۔ اس کے برعکس بھائی بہن کے بچوں میں شادی کی اجازت ہے۔ بہت قریبی رشتہ داروں میں شادی کرنے اور بچے پیدا کرنے پر پابندی لگانے کے لئے، دریائے دارلنگ کے ساحل پر نیوسائڈ تھ و بیلز میں کیلاروئی قبیلے میں اور بھی کئی قدم اٹھائے گئے تھے۔ وہاں پرانے دو طبقے بٹ کر چار چار ہو گئے تھے اور ان چار طبقوں میں سے ہر طبقے کی شادی دوسرے کے ایک طبقے کے ساتھ ہوتی تھی۔ پہلے دو طبقے پیدا شدہ طور پر ایک دوسرے کے شوہر اور بیوی ہوتے تھے۔ ان کے بچے تیسرے یا چوتھے طبقے میں شامل ہو جاتے جس کا انحصار اس بات پر تھا کہ ماں کا تعلق پہلے طبقے سے ہے یا دوسرے سے۔ اسی طرح تیسرے اور چوتھے طبقے کی شادی ایک دوسرے کے ساتھ ہوتی تھی اور ان کی اولاد پھر پہلے یا دوسرے طبقے میں شامل ہوتی۔ اس طرح ایک پشت کے لوگ ہمیشہ پہلے اور دوسرے طبقے میں ہوتے تھے اور دوسری پشت کے لوگ ہمیشہ تیسرے اور چوتھے میں۔ اور اس کے بعد کی پشت کے لوگ پھر پہلے یا دوسرے طبقے میں ہوتے تھے۔ اس نظام میں ماں کی جانب سے (یعنی میرے، خلیرے) بھائیوں اور بہنوں کے بیٹے بیٹیوں میں شادی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس کے پوتوں میں ہو سکتی ہے۔ یہ ایک عجیب پیچیدہ نظام ہے جس کی پیچیدگی اس وجہ سے اور بڑھ جاتی ہے کہ اس پر، بہ صورت آگے چل کر، مادری حق والے گن کا بیوند لگا دیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں ہم اس تفصیل میں نہیں جائیں گے۔ مختصر یہ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت قریبی رشتہ داروں میں شادی کرنے اور بچے پیدا کرنے کے رواج پر پابندی لگانے کا جذبہ بار بار اثر انداز ہوتا رہا ہے لیکن مقصد کا واضح احساس نہ ہونے کی وجہ سے وہ آپ ہی آپ گویا اندھیرے میں راستہ ٹٹولتے ہوئے آگے بڑھتا ہے۔

گروہ دار شادی آسٹریلیا میں اب بھی طبقہ دار شادی ہے، جس میں مردوں کے پورے طبقے کی جو اکثر اس براعظم کے طول و عرض میں بکھرا ہوا ہوتا ہے، عورتوں کے ایک پورے طبقے سے جو اسی طرح بکھرا ہوا ہے، شادی ہوتی ہے۔ یہ گروہ دار شادی زیادہ نزدیک سے دیکھنے پر اتنی بھیانک اور قابل نفرت نہیں معلوم ہوگی جتنی ان کم

ظرفوں کو معلوم ہوتی ہے جن کے خیالات چمکھ گھروں کے تصور سے داغدار ہو چکے ہیں۔ اس کے برعکس کتنے ہی برس گزر گئے تھے مگر کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ گروہ دار شادی جیسی کوئی چیز ہے۔ اور سچ پوچھے تو ابھی حال میں پھر اس کے وجود کو ماننے سے انکار کیا گیا ہے۔ سطحی نظر سے دیکھنے پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک قسم کی ڈھیلی ڈھالی کڑوہنگی ہے اور کہیں کہیں کثرت ازواج ہے جس میں کبھی کبھار بے وفائی بھی کی جاتی ہے۔ ان ازدواجی تعلقات کو متعین کرنے والے قانون کا پتہ لگانے کے لئے برسوں مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے جیسا کہ فیسون اور ہاٹ نے کیا تھا (11) (اپنی عملی شکل میں تو ان تعلقات میں ایک عام یورپین کو وہی چیز نظر آتی ہے جو خود اس کے اپنے ملک میں رائج ہے) جس قانون کے مطابق آسٹریلیا کا ایک حبشی جب ایک خیمے سے دوسرے خیمے میں اور ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے میں گھومتا ہوا اپنے وطن سے ہزاروں میل دور، اجنبی لوگوں میں پہنچ جاتا ہے، جن کی زبان بھی وہ نہیں سمجھ سکتا تو وہاں اسے اکثر ایسی عورتیں مل جاتی ہیں، اور جس قانون کے مطابق ایک شخص جس کی کئی بیویاں ہوں، اپنی ایک بیوی کو رات میں اپنے مہمان کے پاس بھیج دیتا ہے۔ جہاں یورپ والوں کو محض بدکرداری اور بے راہ روی اور بے قانونی نظر آتی ہے، وہاں دراصل قانون کی پوری فرماں روائی ہے۔ وہ عورتیں اس اجنبی مرد کے ازدواجی طریقے سے تعلق رکھتی ہیں اور اس لئے اس کی پیدائشی بیویاں ہیں وہی اخلاقی قانون جو ان کو ایک دوسرے کے لئے جائز کرتا ہے وہی قانون ازدواجی طبقے سے باہر جنسی تعلقات پر پابندی لگاتا ہے اور اس کی خلاف ورزی پر ذات برادری اور قبیلے سے باہر کرنے کی سزا دیتا ہے۔ جب کبھی عورتوں کو انغوا کیا جاتا ہے، جیسا بعض جگہ اکثر ہوتا ہے اور بعض علاقوں میں ہمیشہ ہی ہوتا ہے، تو اس میں بھی سختی کے ساتھ اس طبقہ داری قانون کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

یہاں عورتوں کے انغوا سے یہ ظاہر ہونے لگتا ہے کہ انفرادی شادی کے طرف قدم اٹھایا جا چکا ہے۔ کم سے کم جوڑا شادی کی صورت میں تو یہاں اس کی ایک جھلک ملتی ہی ہے۔ ایک نوجوان مرد جب خود یا اپنے دوستوں کی مدد سے لڑکی کو انغوا کر کے لے جاتا ہے تو یکے بعد دیگرے وہ سب اس کے ساتھ ہم بستری کرتے ہیں۔ لیکن بیوی وہ اسی نوجوان کی سمجھی جاتی ہے جس نے اس کو انغوا کیا ہے۔ اور اس کے برعکس اگر وہ انغوا کی ہوئی عورت اس مرد کے پاس سے بھاگ جائے اور دوسرے مرد کے ہاتھوں میں پڑ جائے تو وہ اس دوسرے کی بیوی ہو جائے گی اور پہلے مرد کا حق ختم ہو جائے گا۔ غرضیکہ گروہ دار شادی کے نظام میں، جو عام طور پر ابھی تک قائم ہے، اس کے پہلو بہ پہلو اور اس کے اندر انفرادی رشتے، زیادہ یا کم عرصے کے لئے جوڑا بنا کر رہنے اور کئی کئی بیویاں رکھنے کا رواج بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ گروہ دار شادی کا نظام یہاں بھی رفتہ رفتہ مٹ رہا ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ یورپ کے اثر کی وجہ سے پہلے کون مٹ گا... گروہ دار شادی کا نظام یا آسٹریلیا کے حبشیوں کی وہ نسل جس میں اس کا رواج ہے۔

بہر حال، پورے کے پورے طبقوں کی شادی، جس کا رواج آسٹریلیا میں پایا جاتا ہے، گروہ دار شادی کی سب سے ادنیٰ اور ابتدائی شکل ہے اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے پونا لووان خاندان اس کے ارتقا کی سب سے اعلیٰ شکل ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی شکل کا تعلق خانہ بدوش وحشیوں کی سماجی حالت سے ہے اور دوسری کے لئے قدیم کمیونسٹی برادر یوں کی کم و بیش مستقل بستیاں ضروری تھیں۔ اور اس کے بعد ہم براہ راست ارتقا کی دوسری اور اس سے اعلیٰ منزل میں پہنچ جاتے ہیں۔ بلاشبہ ان دونوں کے بیچ کئی ارتقا کی چند درمیانی منزلیں بھی ملیں گی لیکن ابھی تو ہم نے تحقیق و تفتیش کا دروازہ کھولا ہی ہے۔

3۔ جوڑا خاندان

کم یا زیادہ عرصے کے لئے جوڑا بنا کر رہنے کا رواج گروہ دار شادی کے دنوں میں ہی یا اس سے کچھ پہلے شروع ہو چکا تھا۔ مرد کی کئی کئی بیویاں ہوتی تھیں جن میں ایک خاص بیوی ہوتی تھی (جس کو سب سے چھوٹی بیوی کہنا دشوار ہوگا) اور عورت کے متعدد شوہروں میں وہ اس کا خاص شوہر ہوتا تھا۔ یہ بھی ایک وجہ تھی جس سے پادریوں کو بڑی الجھن ہوئی۔ انہیں گروہ دار شادی میں کبھی بیویوں کی عام ساجھے داری اور آزاد جنسی تعلق دکھائی دیا اور کبھی محض زنا کاری نظر آئی۔ لیکن جیسے جیسے گن کی ترقی ہوئی اور ایسے "بھائیوں" اور "بہنوں" کے طبقے بڑھتے گئے جن میں شادی نہیں ہو سکتی تھی ویسے ویسے لوگوں کی جوڑوں میں رہنے کی عادت بھی لازمی طور پر بڑھتی گئی۔ گن نے خون کے رشتہ داروں میں شادی کو روکنے کے رجحان کو تقویت دے کر، اس چیز کو اور آگے بڑھایا۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ایروکو اس اور امریکہ کے اکثر دوسرے انڈین قبیلوں میں جو بربریت کے ابتدائی دور میں ہیں، ان سبھی رشتہ داروں میں شادی کی ممانعت ہے جن کو ان کا نظام رشتہ دار مانتا ہے۔ اور ایسے رشتہ داروں کی کئی سو قسمیں ہیں۔ شادی پر پابندیوں کی اس بڑھتی ہوئی پیچیدگی نے گروہ دار شادی کو زیادہ سے زیادہ ناممکن بنا دیا۔ اس کی جگہ جوڑا بنا کر رہنے والا خاندان آیا۔ اس میں ایک مرد اور ایک عورت ساتھ رہتے ہیں۔ لیکن مرد کو کئی بیویاں کرنے اور گاہے بگا ہے بے وفائی کرنے کا حق رہتا ہے۔ حالانکہ یہ صحیح ہے کہ معاشی وجوہوں سے کئی شادیوں کے حق سے بہت کم مرد فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دوسری طرف عورت جب تک ساتھ رہتی ہے، اس سے پوری وفاداری کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اسے زنا کاری کی نہایت سخت سزا دی جاتی ہے۔ لیکن مرد عورت جب چاہیں آسانی سے شادی کے اس رشتے کو توڑ سکتے ہیں اور بچے پہلے کی طرح اب بھی صرف ماں کے ہوں گے۔

خون کے رشتہ داروں میں آپس میں شادی پر پابندیاں برابر بڑھتی جا رہی تھیں۔ اور اس میں قدرتی انتخاب کا اصول بھی اپنا اثر دکھا رہا تھا۔ مارگن کے لفظوں میں

"سگوتری باہر گنوں میں شادی کی وجہ سے جسمانی اور ذہنی اعتبار سے زیادہ تومند اور قوی نسل پیدا ہوئی۔"

جب دو ترقی پزیر قبیلے مل کر ایک ہوتے ہیں تو ایک نئی کھوپڑی اور دماغ کی نشوونما ہوتی ہے جس کی لمبائی اور چوڑائی دونوں کی صلاحیتوں کے برابر ہوتی ہے۔ (12)

چنانچہ گن کی بنیاد پر جو قبیلے قائم ہوئے انہوں نے اپنے سے زیادہ پسماندہ قبیلوں پر فوقیت حاصل کر لی یا اپنی مثال کے زور سے انہیں اپنے نقش قدم پر چلنے کے لئے مجبور کر دیا۔

غرضیکہ ماقبل تاریخی زمانے میں خاندان کے ارتقا کی صورت یہ تھی کہ وہ دائرہ جس کے اندر مرد اور عورت کو آپس میں شادی کرنے کی آزادی تھی، روز بروز محدود ہوتا جا رہا تھا۔ شروع میں پورا قبیلہ اس دائرے میں آ جاتا تھا۔ لیکن آگے چل کر پہلے قریبی اور پھر دور کے رشتہ دار اس دائرے سے نکال دیئے گئے اور آخر میں تو لوگ بھی اس دائرے سے خارج کر دیئے گئے جن سے محض شادی کا رشتہ تھا، یہاں تک کہ عملاً ہر قسم کی گروہ دار شادی ناممکن ہو گئی۔ اور آخر میں صرف ایک چیز رہ گئی، ایک عورت اور ایک مرد کا جوڑا بنا کر ہنا۔ ان میں اس وقت بہت ہی ڈھیلا ڈھالا تعلق ہوتا تھا۔ یہ گویا ایک یونٹ رہ گیا تھا جس کے منتشر ہونے پر سرے سے شادی ہی مٹ جاتی۔ اسی ایک بات سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جب تک زوجگی کی ابتدا ہوئی تو موجودہ مفہوم میں انفرادی جنسی محبت کو اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ اس دور کے لوگوں کا رویہ دیکھئے تو یہ بات اور بھی پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے۔ خاندان کی پہلے کی شکلوں میں مردوں کو کبھی عورتوں کی کمی نہیں ہوئی تھی بلکہ ضرورت سے زیادہ عورتیں ہوتی تھیں۔ لیکن اب اس کے برعکس عورتوں کی کمی ہو گئی اور ان کی جستجو ہونے لگی۔ اس لئے جوڑا بنانے کے رواج کے ساتھ ساتھ عورتوں کو اغوا کرنے اور ان کو خریدنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ باتیں اپنے سے کہیں زیادہ گہری تبدیلی کا پتہ دے رہی تھیں۔ لیکن اس علامت سے زیادہ ان کے اور کوئی اہمیت نہیں تھی۔ لیکن ان علامتوں کو، عورتوں کو حاصل کرنے کے ان مختلف طریقوں کو، اسکاٹ لینڈ کے ایک کٹھ ملا میکلیین نے مختلف قسم کے خاندانوں کی حیثیت دے دی۔ ان کو اس نے "اغوا کے ذریعہ شادی" اور "خرید و فروخت کے ذریعہ شادی" کا نام دیا۔ اس کے علاوہ امریکہ کے انڈینوں اور کچھ اور قبیلوں میں بھی (جو ارتقا کے اسی دور میں ہیں) شادی طے کرنا ان دونوں طریقوں کا کام نہیں جن کی شادی ہوتی ہے بلکہ ان کی رائے تو اکثر پوچھی تک نہیں جاتی۔ یہ کام ان دونوں کی ماؤں کا ہے۔ چنانچہ اس طرح اکثر ایسے لوگوں کی منگنی کر دی جاتی ہے جو ایک دوسرے کے لئے بالکل اجنبی ہوتے ہیں اور جنہیں اپنی شادی کی خبر اس وقت ہوتی ہے جب اس کی دن نزدیک آ جاتے ہیں۔ شادی سے پہلے دوہا کی طرف سے ڈہن کے رشتہ داروں کو (یعنی اس کی ماں کی طرف کے رشتہ داروں کو، اس کے باپ یا اس کے رشتہ داروں کو نہیں) خنفعہ دیئے جاتے تھے۔ یہ خنفعہ دراصل اس لڑکی کی قیمت ہوتی ہے۔ شوہر اور بیوی دونوں میں سے کوئی بھی اپنے مرضی سے شادی کو توڑ سکتا ہے۔ لیکن متعدد قبیلوں میں، مثال کے طور پر ایرو کو اس قبیلوں میں لوگ عام طور پر شادی کے بعد علیحدگی کو ناپسندیدگی کی

نظر سے دیکھتے ہیں۔ اگر کسی بات پر جھگڑا ہوتا ہے تو گن کی بنیاد پر جو فریقین کے رشتہ دار ہوتے ہیں وہ بیچ بچاؤ کرتے اور دونوں کو پھر سے ملانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جب ان کوششوں میں کسی طرح کامیابی نہیں ہوتی تب کہیں شادی کا رشتہ توڑا جاتا ہے۔ ایسا ہونے پر بچے ماں کے ساتھ رہتے ہیں اور فریقین میں سے ہر ایک کو دوبارہ شادی کی اجازت ہوتی ہے۔

جوڑا بنا کر رہنے والا خاندان اتنا کمزور اور غیر مستقل ہوتا تھا کہ الگ خانہ داری کی اس کو کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ وہ اس کے لئے کوئی مفید چیز بھی نہیں تھی۔ لہذا قدیم زمانے سے جو کمیونٹی گھرانے میں گھر کے اندر عورت کا بول بولا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے محض سگی ماں کا پتہ ہونے اور باپ کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہ کہہ سکنے کی وجہ سے عورت یعنی ماں کی قدر اور عزت بہت زیادہ کی جاتی تھی۔ یہ بالکل بے بنیاد خیال ہے کہ جب سماج کی ابتدا ہوئی اس وقت عورت مرد کی غلام تھی۔ یہ خیال ہمیں اٹھارویں صدی کے "عہد روشن خیالی" سے وراثت میں ملا ہے۔ عہد وحشت اور عہد بربریت کے ابتدائی اور درمیانی ادوار کے اور ایک حد تک آخری دور کے لوگوں میں بھی عورتیں نہ صرف یہ کہ آزاد تھیں بلکہ ان کو ایک بڑی باعزت حیثیت حاصل تھی۔ اشرار اٹنے، جو کئی برس تک ایرو کو اس لوگوں کے سبز کا قبیلے میں پادری تھا، اس بات کی تصدیق کی جاتی ہے کہ اس وقت تک جوڑا خاندان میں عورت کا رتبہ بہت اونچا تھا۔

"جہاں تک ان کے خاندانی نظام کا تعلق ہے، جب یہ لوگ پرانے لمبے گھروں میں رہتے تھے" (یہ کمیونٹی گھرانے تھے جن میں متعدد خاندان شامل تھے) "تو غالباً ان میں کسی ایک جرگی (گن) کا غلبہ ہوتا تھا۔ عورتیں دوسرے جرگوں (گنوں) کے لوگوں کو شوہر بناتی تھیں۔ گھر میں عموماً عورتوں کی حکمرانی تھی۔ مال اسباب مشترک ہوتا تھا۔ لیکن اگر کوئی بد نصیب شوہر یا عاشق اتنا نالائق ہوتا کہ اپنے حصے کا کام نہ کر سکتا تو اس بے چارے کی شامت آ جاتی تھی۔ پھر چاہے اس کے کتنے ہی بچے ہوں اور گھر میں اس کا کتنا ہی سامان پڑا ہو، اس کو کسی وقت بھی بوریا بستہ باندھ کر گھر سے نکل جانے کا حکم دیا جاسکتا تھا۔ اور ایک مرتبہ حکم مل جانے پر اس کی خلاف ورزی کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ گھر اس کے لئے جہنم کا نمونہ بن جاتا اور ایسے مجبور ہو کر خود اپنے جرگی (گن) میں واپس ہو جانا پڑتا تھا یا..... جیسا کہ اکثر ہوتا تھا..... کسی اور جرگے میں جا کر پھر شادی کی کوشش کرنی پڑتی تھی۔ اور سبھی جگہوں کی طرح جرگوں (گنوں) کے اندر بھی عورتوں کا بڑا اقتدار تھا۔ جب کبھی ضرورت ہوتی وہ بلا پس و پیش سردار کو معزول کر کے عام سپاہیوں کی صف میں بھیج دیتی تھیں، یا اس زمانے کی اصطلاح میں، اس کے سینگ توڑ دیتی تھیں۔" (13)

قدیم زمانے میں عام طور پر عورتوں کا بول بالا تھا۔ ان کی مادی بنیاد یہی کمیونسٹی گھرانے تھے۔ جس کی زیادہ تر عورتیں اور کبھی کبھی تو سبھی عورتیں ایک گن کی ہوتی تھیں اور مرد دوسرے مختلف گنوں کے ہوتے تھے۔ اس چیز کی دریافت کا سہرا بھی باخون کے سر ہے۔ یہ اس کا تیسرا بڑا کارنامہ ہے۔ اسی کے ساتھ میں یہ بھی کہہ دوں کہ سیاحوں اور پادریوں نے جو رپورٹیں دی ہیں کہ وحشی اور بربر قوموں میں عورتوں کو بڑی محنت مشقت کرنی پڑتی ہے تو اس سے مذکورہ بالا حقائق کی تردید نہیں ہوتی۔ جن اسباب کی بنیاد پر عورتوں اور مردوں میں کام کی تقسیم ہوتی ہے وہ ان اسباب سے بالکل مختلف ہیں جن سے سماج میں عورتوں کا رتبہ طے ہوتا ہے۔ ان قوموں میں، جن کی عورتیں اس سے کہیں زیادہ محنت و مشقت کرتی ہیں جتنی ہم یورپ والے مناسب سمجھتے ہیں، عورتوں کی کہیں زیادہ سچی عزت ہوتی ہے۔ تمدن کے عہد کی وہ ناز پروردہ خواتین جن کی زندگی جھوٹی ناز برداری کے ماحول میں بسر ہوتی ہے اور جنہیں سچ سچ کام کاج سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، ان کا سماجی رتبہ عہد بربریت کی عورتوں کو ان کی جاتیوں کے مرد سچ سچ مالکن (مالکن - laddy, frowa, Frau) سمجھتے تھے اور سماج میں دراصل یہی ان کی حیثیت بھی تھی۔

امریکہ میں اب گروہ داری شادی کی جگہ جوڑا بیاہ مکمل طور پر رائج ہو چکا ہے یا نہیں، اس کا فیصلہ کرنے کے لئے شمال مغربی اور خاص کر جنوبی امریکہ کے قوموں کے حالات کا زیادہ گہرا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ سب تو میں ابھی تک عہد وحشت کے آخری دور میں ہیں۔ جنوبی امریکہ کی قوموں میں جنسی آزادی کی اتنی مثالیں ملتی ہیں کہ ان کو دیکھتے ہوئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ گروہ دار شادی بالکل مٹ چکی ہے۔ اس کے سارے اثرات تو بقینا نہیں مٹے ہیں۔ شمالی امریکہ کے کم سے کم چالیس قبیلوں میں یہ رواج ہے کہ جو شخص کسی خاندان کی سب سے بڑی لڑی سے شادی کرتا ہے اس کا حق سبھی بہنوں پر ہو جاتا ہے۔ بالغ ہونے پر انہیں بھی وہ اپنی بیوی بنا سکتا ہے۔ یہ اس دور کی بچی کچی نشانی ہے جب سبھی بہنوں کے شوہر مشترک ہوتے تھے۔ اور بائکر افٹ بناتا ہے کہ جزیرہ نما کیلی فورنیا کے قبیلوں میں (جو عہد وحشت کے آخری دور سے گزر رہے ہیں) کچھ ایسے تیوہار منائے جاتے ہیں جن کے موقع پر متعدد "قبیلے" بلا کسی تفریق و امتیاز کے مجامعت کی غرض سے اکٹھا ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ دراصل وہ گن ہیں جن کے یہ تیوہار ان بھولے بسرے دنوں کی یاد دلاتے ہیں جب کہ ایک گن کی سبھی عورتیں دوسرے گن کے سبھی مردوں کی مشترک بیویاں اور ایک گن کے سبھی مرد دوسرے گن کی عورتوں کے مشترک شوہر ہوا کرتے تھے۔ آسٹریلیا میں آج بھی اس کا رواج ہے۔ کچھ قوموں میں یہ ہوتا ہے کہ بڑے بوڑھے، سردار اور کاہن پجاری مشترک بیویوں کے رسم سے فائدہ اٹھا کر خود اپنا الو سیدھا کرتے ہیں اور زیادہ تر عورتوں کو اپنے لئے مخصوص کر لیتے ہیں لیکن ان کو بھی بعض خاص تیوہاروں اور تقریبوں کے موقع پر پرانی جنسی سا جھے داری کو قوتی طور پر زندہ کرنے کی اجازت دینی پڑتی ہے اور اپنی بیویوں کو یہ موقع دینا ہوتا ہے کہ وہ نوجوانوں کے ساتھ داد عیش دیں۔ و سٹر مارک نے

(اپنی کتاب کے صفحات 28، 29 پر) عیش و نشاط کی ایسی تقریبوں Saturnalia (10) کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں جبکہ مختصر عرصے کے لئے پھر جنسی تعلق کی پرانی آزادی قائم ہو جاتی ہے۔ مثال کے لئے اس نے بتایا ہے کہ ایسی تقریبات ہندوستان کی "ہو" جاتی کے لوگوں میں، سنھتا لوں میں، پنجا اور کوتار جاتیوں کے لوگوں میں اور افریقہ کی کچھ قوموں میں ہوتی ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ وسٹر ماک ان تقریبوں کو گروہ دار شادی کی پچی کچی نشانی نہیں مانتا۔ اس خیال کو تو وہ سرے سے ٹھکرا دیتا ہے۔ ان کو وہ جوڑا ملنے کو موسم کا اثر مانتا ہے جو قدیم انسان اور دوسرے حیوانوں دونوں میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔

اب ہم باخون کی چوتھی بڑی دریافت کو لیتے ہیں اور وہ ہے گروہ دار شادی سے جوڑا بیاہ کے تغیر کی عام صورت۔ جس چیز کو باخون دیوتاؤں کے قدیم احکام کے خلاف ورزی کرنے کا کفارہ یا پراشچت بتاتا ہے، جو عورت نے اپنی عفت و عصمت کا حق حاصل کرنے کے لئے ادا کیا تھا، وہ دراصل اس کفارے کی ڈھکی چھپی صورت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے جس کی قیمت ادا کر کے عورت نے مشترک شوہروں کے پرانے رواج سے چھٹکارا پایا اور اپنے آپ کو صرف ایک ہی مرد کے سپرد کرنے کا حق حاصل کیا تھا۔ یہ کفارہ محدود سپردگی کی شکل میں ادا کیا جاتا ہے۔ باہل کی عورتوں کو سال میں ایک مرتبہ میلنا کے مندر میں اپنے آپ کو دینا پڑتا تھا۔ مشرق قریب کی دوسری قوموں کے لوگ اپنی لڑکیوں کو کئی برس کے لئے اناطیس کے مندر میں بھیج دیا کرتے تھے جہاں انہیں شادی کرنے کی اجازت مل سکتی تھی۔ بحیرہ روم سے لے کر دریائے گنگا تک تقریباً سبھی ایشیائی قوموں میں اس طرح کے ریت رواج پائے جاتے ہیں جن پر مذہب کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا نجات کے لئے کفارے کی قربانی ہلکی ہوتی گئی۔ جیسا کہ باخون لکھتا ہے۔"

"پہلے ہر سال قربانی دینی پڑتی تھی۔ اب ایک ہی مرتبہ یہ رسم ادا کرنے سے کام چل جاتا

ہے۔ پہلے بیاہی عورتوں سے عام جنسی تعلق کا رواج تھا، اب صرف کنواریوں کے ساتھ ایسا کیا

جاتا ہے پہلے ازدواجی زندگی کے دوران میں یہ کرنا پڑتا تھا، اب شادی کے پہلے تک اس پر عمل کرنا

کافی ہوتا ہے۔ پہلے بلا فرق و امتیاز ہر کسی کی آغوش میں اپنے آپ کو دینا پڑتا تھا، اب صرف چند

مخصوص لوگوں کی آغوش میں دینا پڑتا ہے" ("مادری حق" صفحہ 19)۔ (14)

دوسری قوموں میں تو یہ مذہبی پردہ بھی نہیں۔ مثلاً قدیم زمانے میں تھریشیا کے باشندوں میں کیلٹ لوگوں میں اور ہندوستان کے بہت سے آدمی باسیوں میں اور بہت سے امریکی انڈینوں امریکہ کے تقریباً ہر علاقے میں یہی صورت ہے۔ اگر کوئی شخص ملک کے اندرونی حصے میں کسی حد تک بھی گیا ہے تو وہ اس کی تصدیق کرے گا۔ مثال کے طور پر اگاسینر نے (برازیل کی سیاحت" مطبوعہ بوٹن اور نیویارک۔ 1886 صفحہ 266) (15) انڈین نسل

کے ایک دولت مند خاندان کے بارے میں لکھا ہے کہ جب خاندان کی ایک لڑکی سے اس کا تعارف کرایا گیا اور اس نے اس لڑکی کے باپ کے بارے میں پوچھا جو اس کے خیال میں لڑکی کی ماں کا شوہر تھا اور پیرا گوائے کے خلاف جنگ میں ایک فوجی افسر کی حیثیت سے حصہ لے رہا تھا، تو لڑکی کی ماں نے مسکرائے ہوئے جواب دیا کہ اس کا کوئی باپ نہیں یہ ایک اتفاق کی پیدائش ہے (nao tem pai, e filha da fortuna)

"انڈین یا دوغلی نسل کی عورتیں اپنے ناجائز بچوں کا ذکر ہمیشہ اسی طرح کرتی ہیں اور ایسا کرتے ہوئے انہیں احساس تک نہیں ہوتا کہ یہ کوئی غلط یا شرم کی بات ہے۔ اور یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں بلکہ معاملہ اس کا الٹ ہے۔ (اکثر) بچے (صرف) اپنی ماؤں کو جانتے ہیں کیونکہ ان کی پرورش کی ساری ذمہ داری ماں پر ہوتی ہے۔ وہ اپنے باپ کو بالکل نہیں جانتے اور شاید عورت کو کبھی یہ خیال بھی نہیں آتا کہ اس کی یا اس کے بچوں کی کوئی ذمہ داری باپ پر ہے۔"

ایک متمدن آدمی کو جو بات اتنی عجیب معلوم ہوگی وہ دراصل مادری حق اور اور گروہ دار یا شادی میں آئے ہوئے دوسرے مہمان پرانے روایتی حق کے مطابق پہلے دلہن کے ساتھ ہمبستی کرتے ہیں اور دولہا کی باری سب سے آخر میں آتی ہے۔ مثال کے طور پر قدیم زمانے میں بالیری جزیروں میں اور افریقہ کے آگیلا لوگوں میں اور موجودہ زمانے میں حبشہ کے باریا لوگوں میں بھی اس کا رواج پایا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ دوسری قوموں میں یہ رواج ہے کہ ایک سرکاری آدمی، قبیلے یا گن کا سردار، کاسیک، شان، پروہت، پرنس یا جو بھی اس کا خطاب ہو پوری برادری کی نمائندگی کرتا ہے اور دلہن کے ساتھ پہلی رات کا حق ادا کرتا ہے۔ اس رواج کو کتنے ہی خوش رنگ پردوں سے ڈھانکنے کی کوشش کی جائے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلی شب کا حق (jus primae noctis) الازکا علاقے کے زیادہ تر باشندوں میں (دیکھئے اینٹرافٹ کی کتاب "دیسی نسلیں" پہلا حصہ، صفحہ 81) شمالی میکسیکو کے تارہ لوگوں میں (ایضاً صفحہ 584) اور کچھ اور جاتیوں میں گروہ دار شادی کی ایک بچی کچھی نشانی کے طور پر آج تک چلا آتا ہے۔ اور زمانہ وسطی میں کم از کم ان ملکوں میں جہاں قدیم کیلٹ جاتی کے لوگ رہتے تھے، اس کا برابر رواج رہا۔ ان میں یہ رسم براہ راست گروہ دار شادی سے نکلی تھی۔ اس کی ایک مثال آراگان کا علاقہ ہے۔ کیسٹیل میں کسان کبھی زرعی غلام نہیں رہے مگر آراگان میں بدترین قسم کی زرعی غلامی قائم تھی اور وہ اس وقت تک رہی جب تک کہ 1486 میں فرڈیننڈ کیٹھولک نے ایک فرمان کے ذریعے اس کو ختم نہ کر دیا۔ اس فرمان میں کہا گیا ہے کہ "ہم فیصلہ دیتے اور اعلان کرتے ہیں کہ اگر کوئی کسان شادی کرتا ہے تو اوپر جن لارڈوں (snyors, barons) کا ذکر کیا گیا، وہ پہلی رات اس کی دلہن کے ساتھ نہیں سوئیں گے اور نہ شادی کی رات کو جب عورت سو رہی ہو تو اپنے اقتدار کی نشانی کے طور پر اس عزت اور اس کے بستر کو روندیں گے۔ اور نہ ہی یہ لارڈ کسانوں کے بیٹے اور بیٹیوں

سے ان کی مرضی کے خلاف اجرت پر یا اجرت کے بغیر کام لیں گے۔" (سوگن ہائیم کی کتاب "زرعی غلامی" میں اصلی کیسے ہونین زبان ہی میں اقتباس دیا گیا ہے۔ سینٹ پریٹس برگ، 1861 صفحہ 355)۔ (16)

باخون نے برابر یہ کیا ہے کہ اس نظام کو جس کو وہ "پیناٹرازم" یا "Sumpfung" (کئی عورتیں رکھے کارواج) کے نام سے یاد کرتا ہے، بدلنے میں عورتوں کا بڑا دخل رہا ہے۔ اس نظام کے بدلے یک زوجگی یعنی ایک مرد ایک عورت کی شادی کارواج اصل میں عورتوں کی کوششوں سے ہوا۔ اور اس کی یہ رائے بالکل صحیح ہے۔ زندگی کی اقتصادی حالتوں کی نشوونما کی وجہ سے یونی قدیم کمیونزم کے زوال اور آبادی کے زیادہ سے زیادہ گنجان ہونے کے ساتھ ساتھ پرانے روایتی جنسی تعلقات کی ابتدائی سادگی اور بھولا پن اور اس کا قدیم جنگلی کردار مٹا گیا اور اتنا ہی زیادہ وہ جنسی تعلق عورتوں کو بہت کم آمیز اور ظالمانہ معلوم ہونے لگا۔ قدرتان کے دل میں اس خواہش نے زور پکڑا ہوگا کہ کسی طرح انہیں عفت اور پاکیزگی کی زندگی بسر کرنے کا حق ملے، کوئی ایسی صورت پیدا ہو کہ وہ اس مصیبت سے نجات پائیں اور ایک وقت میں صرف ایک مرد سے عارضی یا مستقل شادی کر سکیں۔ مردوں سے یہ امید نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اس تبدیلی کو لانے میں پیش قدمی سے کام لیں گے۔ اگر اور باتوں سے ہم آنکھیں بند بھی کر لیں تو بھی مردوں کے ایسا نہ کر سکنے کی کم از کم ایک وجہ یہ ہے کہ آج تک وہ عملاً گروہ دار شادی کی لذتوں سے دست بردار ہونے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ نہیں کر سکے ہیں۔ جب عورتوں نے تبدیلی کرا کے جوڑا بیاہ کر وراج دے دیا تب ہی مردوں نے سختی سے یک زوجگی کے اصول پر عمل شروع کیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس اصول کو انہوں نے محض عورتوں پر ہی لاگو کیا۔

جوڑا خاندان:

جوڑا خاندان کی ابتدا اس زمانے میں ہوئی جب عہد وحشت اور عہد بربریت مل رہے تھے یعنی اس کی ابتدا عہد وحشت کے آخری دور میں اور کہیں کہیں تو بربریت کے پہلے دور میں ہوئی۔ خاندان کی یہ شکل عہد بربریت کی خصوصیت ہے اسی طرح جیسے گروہ دار شادی عہد وحشت کی اور یک زوجگی کا اصول تمدن کے عہد کی خصوصیت ہے۔ اس جوڑا خاندان کو ترقی کر کے پانڈاریک زوجگی تک پہنچنا تھا۔ لیکن اس کے لئے ضروری تھا کہ ابھی تک جو اسباب کام کر رہے تھے، ان سے مختلف اسباب میدان میں آئیں۔ جوڑا بیاہ میں گروہ گھٹتے گھٹتے اپنی آخری اکائی تک یعنی ایک مرد اور ایک عورت ان دو جوہروں سے مرکب ایک سالمہ تک پہنچ گیا۔ قدرتی انتخاب کے اصول نے گروہ دار شادی کے دائرے کو محدود کرتے کرتے اپنا کام پورا کر دیا۔ اب اس سلسلے میں اس کو کچھ اور نہیں کرنا تھا۔ اب اگر نئی سماجی قوتیں روح رواں بن کر میدان میں نہ آتیں تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ جوڑا خاندان سے خاندان کی کوئی نئی شکل جنم

لیتی۔ لیکن ان سماجی قوتوں کا عمل شروع ہو چکا تھا۔

اب ہم جوڑا خاندان کے کلاسیکی وطن امریکہ سے رخصت ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس یہ سوچنے کی کوئی بنیاد نہیں ہے کہ امریکہ میں خاندان کی اس کے علاوہ کوئی اور ترقی یافتہ شکل قائم ہوئی تھی یا یہ کہ امریکہ کی دریافت سے اور اس پر یورپ والوں کے قبضے سے پہلے وہاں کسی جگہ بھی سخت قسم کی یک زوگی قائم ہوئی تھی۔ لیکن پرانی دنیا میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔

وہاں جانور پالنے اور مویشیوں کی نسل بڑھانے سے دولت کا ایک نیا سوتا کھل گیا جس کا پہلے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس کی وجہ سے بالکل نئے سماجی رشتے قائم ہونے لگے تھے۔ عہد بربریت کے ابتدائی دور تک غیر منقولہ دولت میں صرف مکان، کپڑے، بھدے قسم کے زیور اور غذا حاصل کرنے اور پکانے کے سامان، کشتیاں، ہتھیار اور بہت معمولی قسم کے گھر کے برتن تھے۔ غذا ہر روز نئے سرے سے حاصل کرنی ہوتی تھی۔ لیکن اب گھوڑوں، اونٹوں، گدھوں، بیلوں، بھیڑ بکریوں اور سوروں کی شکل میں گلہ بانی کی زندگی بسر کرنے والی ترقی پذیر قوموں کو..... پنجاب اور وادی گنگا کے آریوں کو، اس زمانے کے نسبتاً بہت زیادہ سیراب، آمو دریا اور سیر دریا کے ہرے بھرے گھاس کے میدانوں میں رہنے والے آریوں کو اور دجلہ و فرات کے کنارے رہنے والے سامیوں کو، اتنی کثیر دولت مل گئی تھی جس کی محض دیکھ بھال اور معمولی نگرانی سے کام چل جاتا تھا۔ یہ دولت دن دوئی رات چوگنی ہو رہی تھی اور اس سے انہیں دودھ اور گوشت کی صورت میں نہایت عمدہ اور صحت بخش غذائیں بھی تھیں۔ غذا حاصل کرنے کے پہلے کے سبھی طریقے اب پیچھے چھوٹ گئے تھے۔ شکار کرنا جو پہلے ایک ضروری کام تھا اب محض شوق کی چیز رہ گیا۔

لیکن یہ نئی دولت کس کی تھی؟ ظاہر ہے کہ شروع میں اس پر پورے گن کا قبضہ تھا۔ لیکن مویشیوں کے ریوڑوں پر بہت پرانے زمانے میں ہی ذاتی ملکیت قائم ہو چکی ہوگی۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ موسیٰ کے نام سے جو پہلی کتاب موسوم ہے اس کے مصنف نے بابا ابراہیم کو جب اپنے گلوں اور مویشیوں کے مالک کی حیثیت سے دیکھا تو وہ اپنے کنبے کے بزرگ ہونے کے ناطے اپنی ذاتی حیثیت سے اس کے مالک تھے یا ایک گن کے موروثی سردار کی حیثیت سے۔ لیکن ایک بات صاف ہے اور وہ یہ کہ ہم ابراہیم کو موجودہ زمانے کے مفہوم میں ملکیت کا مالک نہیں کہہ سکتے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی یقینی ہے کہ مستند تاریخ کی ابتدا میں ہمیں ہر جگہ یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ مویشیوں کے ریوڑ خاندان کے سرداروں کی اسی طرح علیحدہ ملکیت ہوتے تھے جس طرح بربریت کے عہد کی فنی پیداوار، دھات کے برتن، عیش و عشرت کے سامان اور آخر میں انسانی مویشی یعنی غلام، خاندان کے سرداروں کی الگ الگ ملکیت ہوا کرتے تھے۔

اب چونکہ غلامی کا بھی رواج ہو چکا تھا۔ عہد بربریت کے ابتدائی دور کے لوگوں کے لئے غلام کارآمد نہیں ہو سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ امریکہ کے انڈین لوگ اپنے جنگ کے دشمنوں سے جو سلوک کرنے تھے وہ اس سے بہت مختلف تھا جو بربریت کے آخری دور میں ان سے کیا جاتا تھا۔ مرد یا تو قتل کر دیئے جانے یا بھائی بنا کر فاتحوں کے قبیلے میں شامل کر لئے جاتے تھے۔ عورتوں سے یا تو شادی کر لی جاتی تھی یا انہیں اس کے بچوں سمیت قتل ہونے سے بچ گئے تھے، قبیلے میں شامل کر لیا جاتا تھا۔ اس دور میں ابھی انسان کی قوت محنت سے اتنا نہیں پیدا ہوتا تھا کہ محنت کرنے والوں کا اپنا خرچ پورا کرنے کے بعد اس میں سے کچھ بچ سکے۔ لیکن جب مویشی پالے جانے لگے اور ان کی نسل بڑھائی جانے لگی، دھاتوں سے کام لیا جانے لگا، کپڑے کی کتائی بنائی ہونے لگی اور پھر جب کھیت بنا کر کھیتی کی جانے لگی تو یہ حالت بدل گئی۔ جس طرح پہلے بیویاں بڑی آسانی سے مل جاتی تھیں مگر بعد میں ان میں قدر تبادلہ پیدا ہو گئی تھی اور وہ خریدی جانے لگی تھیں، اسی طرح بعد میں، خاص کر جانوروں کے ریوڑوں کے خاندانی ملکیت بن جانے کے بعد، انسان کی قوت محنت بھی خریدی جانے لگی خاندان اتنی تیزی سے نہیں بڑھتا تھا جتنی تیزی سے مویشی کے ریوڑ بڑھتے تھے۔ ریوڑ کی دیکھ بھال کے لئے زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہونے لگی۔ جنگ کے قیدیوں سے یہ کام بہت اچھی طرح لیا جاسکتا تھا اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ مویشی کی طرح خود ان کی نسل بھی بڑھاتی جاسکتی تھی۔

اس طرح کی دولت جب ایک مرتبہ الگ الگ خاندانوں کی نجی ملکیت بن گئی اور اس میں تیزی سے اضافہ ہوا تو اس نے اس سماج پر جو خاندان اور مادری حق والے گن کی بنیاد پر قائم تھا، کاری چوٹ لگائی۔ جوڑا بیاباہ سے خاندان میں ایک نئے عنصر کا اضافہ ہو گیا تھا۔ سگی ماں کے ساتھ ساتھ اب ایک مستند سگاباب بھی موجود تھا جو آج کل کے کتنے ہی "باپوں" سے زیادہ مستند تھا۔ خاندان کے اندر اس زمانے میں جو تقسیم محنت رائج ہو چکی تھی، اس کے مطابق غذا حاصل کرنا اور اس کے لئے ضروری اوزار تیار کرنا مرد کا کام تھا اور اس لئے ان پر ملکیت بھی مرد کی تھی۔ میاں بیوی الگ ہوتے تو جس طرح گھر داری کا سامان عورت کے پاس رہ جاتا، اسی طرح مرد ان اوزاروں کو اپنے ساتھ لے جاتا۔ چنانچہ اس زمانے کے سماجی رسم و رواج کے مطابق مرد غذا حاصل کرنے کے لئے نئے ذرائع یعنی مویشیوں کا اور کچھ دنوں کے بعد محنت کے نئے آلات یعنی غلاموں کا بھی مالک ہو گیا۔ لیکن اسی سماج کے رسم و رواج کے مطابق اس کا ترکہ اس کی اولاد کو نہیں مل سکتا تھا۔ کیونکہ اس معاملے میں اصل صورت حال یوں تھی:

مادری حق کی رو سے، یعنی جب تک نسل محض عورت سے چلتی تھی اس وقت تک اور گنوں میں وراثت کے ابتدائی رسم و رواج کے مطابق، گن کے کسی رکن کے مرنے پر اس کا ترکہ پہلے اس کے گن کے رشتہ داروں کو ملتا

تھا۔ اصول یہ تھا کہ جائیداد گن کے اندر رہے۔ شروع میں، زیر بحث اشیائے منقولہ کی کوئی خاص اہمیت نہ ہونے کی وجہ سے یہ ممکن ہے کہ عملاً وہ گن کے سب سے قریبی رشتہ داروں کو یعنی ماں کی جانب سے خون کے رشتہ داروں کو بل جاتی ہو۔ لیکن مرنے والے کے بیچے اس کے گن کے بیچے نہیں بلکہ اپنی ماں کے گن کے بیچے ہوتے تھے۔ شروع میں ماں کے اور سہمی رشتہ داروں کے ساتھ بچوں کو بھی ماں کی جائیداد کا ترکہ ملتا تھا اور شاید آگے چل کر اس پران کا سب سے پہلا حق مان لیا گیا تھا۔ لیکن انہیں اپنے باپ سے کوئی ترکہ نہیں ملتا تھا کیونکہ وہ اس کے گن کے نہیں تھے اور باپ کی ساری دولت کا اس کے گن میں رہنا ضروری تھا۔ لہذا مومویشیوں کے گلے کے مالک کے مرنے پر اس کا گلہ سب سے پہلے اس کے بھائیوں اور بہنوں کو اور اس کی بہنوں کی اولاد کو یا اس کی ماں کی بہنوں کی اولاد کو ملتا تھا۔ اس کی اپنی اولاد اس سے محروم رہی تھی۔

اس طرح جیسے جیسے دولت بڑھتی گئی، ویسے ویسے اس کی وجہ سے ایک طرف خاندان کے اندر عورت کے مقابلے میں مرد کی اہمیت اور اس کا رتبہ زیادہ اونچا ہوتا گیا اور دوسری طرف مرد کے دل میں یہ خواہش زور پکڑتی گئی کہ وہ اپنی طاقت سے فائدہ اٹھا کر وراثت کے پرانے طریقے کو الٹ دے تاکہ اس کے اپنے بیچے حق دار ہو سکیں۔ لیکن جب تک نسل ماں سے چلتی تھی تب تک یہ ناممکن تھا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ مادری حق کو ختم کر دیا جائے۔ اور یہی کیا گیا۔ اور اس میں اتنی مشکل نہیں ہوئی جتنی آج معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس انقلاب سے جو کہ بنی نوع انسان کے لئے ایک نہایت ہی فیصلہ کن انقلاب تھا، گن کے کسی ایک بھی زندہ رکن کی زندگی میں کوئی خلل نہیں پڑا۔ سبھی لوگ جیسے پہلے تھے ویسے ہی رہے۔ صرف اتنا فیصلہ کافی تھا کہ آئندہ گن کے مردوں کی اولاد گن میں رہے گی اور عورتوں کی اولاد ان کے گن سے الگ کر کے اپنے باپ کے گن میں شامل کر دی جائے گی۔ اس طرح عورتوں سے نسل کا سلسلہ اور ماں سے وراثت پانے کا حق ختم ہو گیا۔ اور اس کے بدلے مردوں سے نسل کا سلسلہ اور باپ سے وراثت پانے کا حق قائم ہوا۔ متمدن قوموں میں یہ انقلاب کب اور کس طرح آیا اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔ یہ بالکل ماقبل تاریخ کے زمانے کی بات ہے۔ لیکن یہ انقلاب ہوا ضرور تھا۔ اور اس کا بہت کافی ثبوت موجود ہے۔ ہمیں جگہ جگہ مادری حق کے کتنے ہی بیچے بچائے آثار ملے ہیں۔ ان میں خصوصیت کے ساتھ وہ قابل ذکر ہیں جنہیں باخون نے جمع کیا ہے۔ یہ انقلاب کتنی آسانی سے ہو جاتا تھا، یہ بات امریکہ کے متعدد انڈین قبیلوں سے ظاہر ہو جاتی ہے، جن کے درمیان یہ انقلاب ابھی حال میں آیا ہے اور آج بھی چل رہا ہے۔ یہاں یہ انقلاب کسی حد تک بڑھتی ہوئی دولت اور زندگی کے بدلے ہوئے حالات (جنگلوں سے آ کر میدانوں میں بس جانے) کے زیر اثر، اور کسی حد تک تمدن اور پادریوں کے اخلاقی اثر کے تحت ہو رہا ہے۔ دریائے مسوری کے آٹھ قبیلوں میں سے چھ میں مردوں کی طرف سے نسل اور وراثت کا سلسلہ قائم ہو گیا ہے۔ لیکن دو میں آج بھی عورتوں

سے نسل چلتی ہے اور تزکہ ماں سے ملتا ہے۔ شامی، میامی اور ڈیلا ویر قبیلوں میں یہ رسم ہے کہ اولاد کو باپ کے گن کے ناموں میں سے کوئی ایک نام دے کر اس گن میں شامل کر دیا جاتا ہے تاکہ انہیں اپنے باپ کی وراثت مل سکے۔

"تغیر پسندی کی یہ انسانی خاصیت ہے کہ چیزوں کا نام بدل کر وہ سمجھتا ہے کہ اس نے ان کی خاصیت بدل دی اور جب کبھی اپنی کسی غرض کو پورا کرنے کے لئے مصلحت کا تقاضا ہوا تو اس نے رسم و رواج کی بندشوں کو توڑ کر باہر نکلنے کا بہانہ خود اسی رسم و رواج کے اندر ڈھونڈ نکالا!" (مارکس) (17) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سخت افراتفری اور گڑبڑی کی حالت پیدا ہو گئی۔ حالات کو سدھارنے کا صرف ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ مادری حق کی جگہ پدری حق کا رواج ہوا اور اسی طرح کسی حد تک یہ افراتفری دور بھی کی گئی۔ "بحیثیت مجموعی یہ ایک نہایت ہی قدرتی تبدیلی معلوم ہوتی ہے" (مارکس) (18) باقی رہا یہ سوال کہ یہ تبدیلی قدیم دنیا کی متمدن قوموں میں کس طرح اور کن ذریعوں سے عمل میں آئی اور اس کے بارے میں تقابلی قانون کے ماہروں کی رائے، جو کہ تقریباً محض مفروضات پر مبنی ہے، کیا ہے تو کولینسکی کی کتاب "خاندان اور ملکیت کے آغاز اور ارتقا کا ایک خاکہ" (19) پڑھنی چاہئے یہ کتاب استاک ہوم سے 1890 میں چھپی تھی۔

مادری حق کا خاتمہ عورتوں کی ایک عالمگیر تاریخی شکست تھی۔ مرد نے گھر کے اندر بھی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں سنبھال لی۔ عورت اپنے رتبے سے گر گئی۔ اس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے گئے۔ اسے مرد کی شہوت کا غلام بنا لیا گیا اور محض بچے پیدا کرنے کا ایک ذریعہ سمجھ لیا گیا۔ عورت کا یہ گرا ہوا مرتبہ سورمانی عہد کے اور اس سے بھی زیادہ کلاسیکی عہد کے یونانیوں میں خاص طور سے دیکھنے میں آتا ہے۔ رفتہ رفتہ اسے طرح طرح کے خوش نما پردوں سے ڈھانک کر اور سجا کر اور ایک حد تک اس کی سختی کو کم کر کے پیش کیا گیا۔ لیکن اسے مٹایا کبھی نہیں گیا۔

اب محض مردوں کی جو حکومت قائم ہوئی اس کا پہلا اثر خاندان کی ایک درمیانی شکل میں ظاہر ہوا... یعنی پدری خاندان کا جنم ہوا۔ اس کی اصل خصوصیت یہ نہیں تھی کہ ایک ایک مرد کی بیویاں ہوتی تھیں۔ اس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ پدری خاندان کی اصل خصوصیت یہ تھی کہ

"متعدد افراد جن میں غلام بھی ہوتے تھے اور آزاد لوگ بھی، خاندان کے بزرگ کے پدرانہ اقتدار کے سایے میں منظم ہوتے تھے۔ سامی لوگوں میں اس بزرگ خاندان کی کئی کئی بیویاں ہوتی تھیں۔ غلام کی ایک بیوی اور بچے ہوتے تھے۔ اور ساری تنظیم کا مقصد ایک محدود علاقے میں مویشیوں کے گلوں اور ریوڑوں کی دیکھ بھال کرنا تھا۔" (11)

خاندان کی اس شکل کی اصلی خصوصیت یہ تھی کہ غلاموں کو خاندان، میں شامل کر لیا گیا تھا اور بزرگ خاندان کا اقتدار مانا جاتا تھا۔ چنانچہ اس طرح کے خاندان کا مکمل نمونہ رومن خاندان میں ملتا ہے۔ لفظ familia کا مطلب

ابتدا میں وہ نہیں تھا جو آج کل کے کم نظروں کا آدرش ہے اور جو کہ جذباتیت اور گھریلو کشیدگی سے مرکب ہوتا ہے۔ رومنوں میں شروع میں یہ لفظ شادی شدہ جوڑے اور ان کے بچوں کے لئے استعمال ہی نہیں ہوتا تھا۔ اس کا اطلاق صرف غلاموں پر ہوتا تھا۔ Famulus کا مطلب تھا گھریلو غلام، اور familia کا لفظ جمہوری طور پر ایک شخص کے سبھی غلاموں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ گیوس کے زمانے میں بھی لوگ، fakilia, isd est patimonium (یعنی بطور ترکہ) اپنے وارثوں کے لئے چھوڑ جایا کرتے تھے۔ رومنوں نے ایک نئے سماجی ادارے کے لئے یہ اصطلاح بنائی تھی۔ اس ادارے میں اس کے سردار کے تحت اس کی بیوی اور بچے اور متعدد غلام ہوتے تھے اور رومن پدری اقتدار کے تحت سردار کو ان کی زندگی اور موت پر اختیار ہوتا تھا۔

"لہذا یہ اصطلاح لاطینی قبیلوں کے اس آہنی خاندانی نظام سے زیادہ پرانی نہیں تھی جو کھیت بنا کر کھیتی کرنے کا طریقہ شروع ہونے، غلامی کے قانونی ہو جانے اور ساتھ ہی یونانیوں اور (آریائی) اطالویوں کے علیحدہ ہونے کے بھی بعد قائم ہوا تھا۔" (12)

مارکس نے اس پر اپنا اضافہ اور کیا ہے: "موجودہ خاندان میں ایک ادھوری شکل میں نہ صرف غلامی (servitus) بلکہ زرعی غلامی بھی شامل ہے کیونکہ خاندان کا تعلق شروع ہی سے کھیتی باڑی کے کام سے رہا ہے۔ بہت چھوٹے پیمانے پر اس کے اندر وہ سارے تضاد موجود ہیں جو آگے چل کر سماج اور اس کی ریاست کے اندر بڑے پیمانے پر پھیل جاتے ہیں۔" (20)

خاندان کی اس طرح کی شکل اس امر کا اظہار کرتی ہے کہ جوڑا خاندان یک زوجگی میں تبدیل ہو گیا۔ بیوی کی عصمت یعنی بچوں کی ولایت کا تحفظ کرنے کے لئے عورت کو مرد کے مطابق اقتدار کے سپرد کر دیا گیا۔ اگر وہ اس کو قتل ہی کرتا ہے تو اپنے حق سے کام لیتا ہے۔

پدری خاندان کے ساتھ ہم لکھی ہوئی تاریخ کے دور میں قدم رکھتے ہیں، یہ ایک ایسا ہم بہت کچھ آگے بڑھتے ہیں۔ ہم میکسم کوٹسکی کے احسان مند ہیں کہ اس نے (اپنی کتاب "خاندان اور ملکیت کے آغاز اور ارتقا کا ایک خاکہ" میں جو 1890 میں اسٹاک ہوم سے شائع ہوئی ہے، صفحات 100-60) یہ ثابت کر دیا کہ پدری گھرانے کی برادری (patriarchalische Hausgenossenschaft) جس کی مثال ہمیں آج بھی سر بیا اور بلغاریہ کے باشندوں میں "زدروگا" (جس کا مطلب برادری سے ملتا جلتا ہے) یا "برائستوا" (برادری) کے نام سے ملتی ہے اور جو کسی قدر بدلی ہوئی صورت میں مشرق کی قوموں میں بھی پائی جاتی ہے، وہ برادری اس تغیری دور کی چیز ہے جو گروہ دار شادی سے ترقی کر کے قائم ہونے والے مادری حق کے خاندان اور موجودہ زمانے کے انفرادی خاندان کے درمیان کا دور تھا۔ کم از کم جہاں تک دنیائے قدیم کی متدن قوموں،

آریوں اور سامیوں، کا تعلق ہے یہ بات ثابت معلوم ہوتی ہے۔

اس طرح کی خاندانی برادری کی سب سے عمدہ مثال ہمیں آج کل جنوبی سلاف لوگوں کی "زدروگا" میں ملتی ہے۔ اس کی اندر ایک باپ کی اولاد کی کئی پشتیں اور ان سب کی بیویاں شامل ہوتی ہیں۔ اور یہ سب لوگ ساتھ ایک گھر میں رہتے ہیں، بل جل کر کھیتی کرتے ہیں ایک مشترک ذخیرے سے اپنی کھانے اور کپڑے کی ضرورت پوری کرتے ہیں اور استعمال کے بعد جو کچھ بچ رہتا ہے اس کے سب اجتماعی مالک ہوتے ہیں۔ اس برادری کا انتظام گھر کے مالک، دو ماچین (domaicin) کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ بیرونی معاملوں میں وہی اس کی نمائندگی کرتا ہے۔ چھوٹی موٹی چیزیں الگ کرتا ہے۔ گھر کی آمد و خرچ کا انتظام کرتا ہے۔ گھر کے حساب کتاب کی اور کام کاج کو ٹھیک سے چلانے کی ذمہ داری اسی پر ہوتی ہے۔ گھر کے مالک کا انتخاب ہوتا ہے اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ وہ عمر میں سب سے برا ہو۔ گھر کی عورتوں اور ان کی کام کی نگرانی گھر کی مالک، دو ماچیا (domacia) کرتی ہے۔ وہ عموماً دو ماچین کی بیوی ہوتی ہے۔ برادری کی لڑکیوں کے لئے شوہر چننے میں اس کے رائے اہم اور اکثر فیصلہ کن سمجھی جاتی ہے۔ لیکن پھر بھی آخری فیصلے کا اختیار خاندانی کونسل کو ہے جس میں تمام بالغ مرد اور عورتیں شامل ہوتی ہیں۔ گھر کا مالک اپنا حساب اسی کونسل کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اسی کونسل میں سارے اہم فیصلے کئے جاتے ہیں۔ وہی خاندان کے افراد کے درمیان انصاف کرتی ہے۔ اسی میں اہم چیزوں کا، خاص کر زمین کی خرید و فروخت وغیرہ کا معاملہ طے کیا جاتا ہے۔

ابھی صرف دس برس پہلے کی بات ہے کہ اتنی بڑی بڑی خاندانی برادریوں کا وجود روس میں بھی ثابت ہوا (13)۔ اب یہ بات عام طور سے مان لی گئی ہے کہ روسیوں کے عام رسم و رواج میں اس کی جڑیں اتنی ہی مضبوطی سے پیوست ہیں جتنی "آبش چینا" یعنی دیہی برادری کی۔ روس کے سب سے پرانے مجموعہ قوانین ... یا روسلاف کے "پراودا" میں ان برادریوں کا ذکر اسی نام (ویرو) سے آتا ہے جس نام سے دال میٹھین قوانین میں (14)۔ پولستانی اور چک لوگوں کی تاریخی دستاویزوں میں بھی ان برادریوں کا ذکر ملتا ہے۔

ہیوزلر کے کہنے کے مطابق (دیکھئے اس کی کتاب "جرمن نظام اختیارات") (21) جرمنوں میں بھی اقتصادی اکائی، موجودہ مفہوم میں انفرادی خاندان نہیں تھا بلکہ گھریلو برادری (hausgenossenschaft) تھی جس میں کئی پشت کے لوگ یا کئی انفرادی خاندان اور اکثر بہت سے غلام بھی شامل ہوتے تھے۔ دیکھا گیا ہے کہ رومن خاندان کی جڑیں بھی اسی نوع کی گھریلو برادری سے جا ملتی ہیں اور اس وجہ سے آج کل بڑے زوروں پر یہ سوال اٹھ کھڑا ہوا ہے کہ کیا خاندان میں اقتدار مطلق ہمیشہ گھر کے مالک کے ہاتھ میں تھا اور اس کے مقابلے میں خاندان کے باقی افراد حقوق سے بالکل محروم ہوتے تھے۔ کچھ لوگوں کا

خیال ہے کہ آئر لینڈ کے کیلٹ لوگوں میں بھی اس قسم کی خاندانی برادریاں موجود تھیں۔ فران کے نیویرنائی علاقے میں پارسوں نیری (parconneries) کے نام سے انقلاب فرانس تک ان کا وجود قائم تھا۔ اور فرانٹے کو مٹ میں تو وہ آج تک نہیں مٹیں۔ لوهان (ساوے لوار) کے ضلع میں اب تک کسانوں کے بڑے بڑے گھر دیکھنے میں آتے ہیں جن میں ایک نہایت اونچا سا مشترک ہال ہوتا ہے جس کی دیواریں سب سے اوپری چھت تک جاپنچتی ہیں، جس کے چاروں طرف سونے کے کمرے ہوتے ہیں اور جن تک پہنچنے کے لئے چھ سے آٹھ تک سیڑھیاں بنی ہوتی ہیں۔ ان میں ایک خاندان کی کئی کئی پشت کے لوگ رہتے ہیں۔

ہندوستان میں سکندر اعظم کے زمانے میں ہی نیارکس نے گھریلو برادریوں کا ذکر کیا ہے جو مشترک کھیتی کرتے تھے اور اس علاقے میں یعنی پنجاب میں اور ہندوستان کے سارے شمال مغربی حصے میں اس طرح کی گھریلو برادریاں آج بھی پائی جاتی ہیں۔ کوالیفیکسی خود بھی قفقاز میں اس طرح کی برادریوں کے وجود کی شہادت دے چکا ہے۔ الجیریا کے کابیلوں میں یہ آج تک پائی جاتی ہے کہا جاتا ہے کہ امریکہ میں بھی ان کا وجود تھا۔ یہ بھی ثابت کرنے کے کوشش کی جا رہی ہے کہ زوریتا نے قدیم میکسیکو میں کالپولیس (calpallis) (15) کا جو ذکر کیا ہے وہ اسی قسم کی گھریلو برادری تھی۔ دوسری طرف کونوف نے ("Ayskabd" (16) 1890 کے 42 سے 44 تک کے شماروں میں) کافی وضاحت سے یہ ثابت کیا ہے کہ جس زمانے میں یورپ والوں نے پیرو کو فتح کیا تو وہاں قدیم جرمن لوگوں کے مارک نظام سے ملتا جلتا ایک دستور موجود تھا (اور عجیب بات یہ ہے کہ جرمنوں کی طرح پیرو کے لوگ، ہی دیہاتی برادری کی زمین مارک کو marca کہتے تھے)۔ ان میں کھیتی کی زمین کو وقتاً فوقتاً برادری کے لوگوں میں نئے سرے سے بانٹ دیا جاتا تھا یعنی لوگ کھیتی الگ الگ کرتے تھے۔

بہر حال اتنی بات تو ظاہر ہے کہ پدری گھرانے کی برادری جو زمین کی مشترک ملکیت اور مشترک کھیتی کی بنیاد پر قائم تھی، اب پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ اہم حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ پرانی دنیا کی متمدن اور دوسری قوموں میں اس پدری گھرانے کی برادری نے مادری حق والے خاندان سے یک زوجگی کے خاندان تک ایک درمیانی عبوری منزل کی حیثیت سے اہم تاریخی خدمت انجام دی ہے۔ کوالیفیکسی نے اس سے مزید جو نتیجہ نکالا اس کی طرف ہم بعد میں لوٹیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسی عبوری منزل سے اس دیہی یا مارک برادری کا ارتقا بھی ہوا تھا جس میں لوگ کھیتی الگ الگ کرتے تھے اور قابل کاشت اور چراگاہ کی زمینیں پہلے وقتاً فوقتاً اور پھر مستقل طور پر لوگوں میں بانٹ دی جاتی تھیں۔

جہاں تک ان گھرانوں کے اندر خاندانی زندگی کا تعلق ہے ہمیں یہ بات دھیان میں رکھنی چاہئے کہ کم از کم روس میں گھر کے مالک کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ نوجوان عورتوں اور خاص کر اپنی بہوؤں کے سلسلے میں اپنی

حیثیت سے بہت ناجائز فائدہ اٹھاتا تھا، اور اکثر وہ انہیں ایک حرم کی سی شکل دے دیتا تھا۔ روس کے عوامی گیتوں میں ان حالتوں کی بڑی پرزور ترجمانی کی گئی ہے۔

مادری حق کے خاتمے کے بعد یک زوجگی کے نظام نے بڑی تیزی سے ترقی کی۔ لیکن اس کا ذکر کرنے سے پہلے ہم شادی کی ان شکلوں کے بارے میں کچھ کہنا چاہتے ہیں جس میں ایک شوہر کی کئی بیویاں یا ایک بیوی کے کئی شوہر ہوتے تھے۔ شادی کی یہ دونوں شکلیں اگر کسی ملک میں ساتھ ساتھ ملیں تو اور بات ہے.... گوجیسا کہ سب کو معلوم ہے وہ ساتھ ساتھ نہیں ملتیں ورنہ ظاہر ہے کہ وہ صرف گویا مستثنیٰ حیثیت سے تاریخ کی تفریحی پیداوار کی حیثیت سے ہی پائی جاتی ہیں۔ سماجی اداروں سے قطع نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مردوں اور عورتوں کی تعداد بحیثیت مجموعی ہمیشہ برابر رہی ہے۔ اور اس لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ کثرت ازواج یعنی ایک شوہر کی متعدد بیویوں کے نظام میں جو مرد اکیلے بیٹے رہے ہوں وہ ان عورتوں سے مطمئن ہو جائیں جو کثرت شوہری یعنی ایک عورت کے متعدد شوہروں کے نظام میں اکیلی بیٹے رہی ہوں۔ اس لئے ظاہر ہے مرد کی متعدد بیویوں کا دستور دراصل غلامی کے نظام کی پیداوار تھی اور محض ایک مستثنیٰ حیثیت رکھتی تھی۔ سامیوں کے پدیری خاندان میں محض سردار خاندان اور زیادہ سے زیادہ اس کے دو ایک بیٹوں کی متعدد بیویاں ہوتی تھیں۔ خاندان کے باقی لوگوں کو ایک ہی بیوی پر قناعت کرنی پڑتی تھی۔ آج بھی تمام مشرقی ملکوں میں یہی حال ہے۔ کئی کئی بیویاں رکھنا دو تینوں اور کچھ نوابوں کے ٹھانڈے کی بات ہے۔ وہ باندیاں خرید کر گھر میں ڈال لیا کرتے ہیں۔ عام لوگ ایک ہی شادی کرتے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان اور تبت میں ایک عورت کے متعدد شوہروں کا دستور مستثنیٰ حیثیت رکھتا ہے۔ یہ یقیناً ایک دلچسپ سوال ہے کہ گروہ دار شادی سے اس کی ابتدا کیسے ہوئی۔ ابھی اس موضوع کا اور زیادہ گہرا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ چیز مسلمانوں کے حرم کے مقابلے میں جہاں رشک و رقابت کا دور دورہ تھا، کہیں زیادہ قابل برداشت تھی۔ کم از کم ہندوستان کے نائز لوگوں میں تو یقیناً تین، چار یا زیادہ مردوں میں ایک بیوی مشترک ہوتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی ان میں سے ہر مرد کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو دوسرے تین چار مردوں کے ساتھ ایک اور بیوی رکھے اور اسی طرح اوروں کے ساتھ مل کر تیسری اور پھر چوتھی بیوی رکھے اور اس طرح اپنی بیویوں کی تعداد بڑھاتا رہے۔ تعجب کی بات ہے کہ ان شادی کلبوں یہ بیاہ منڈلیوں کو دیکھ کر جن میں ایک مرد بیک وقت کئی منڈلیوں کا رکن ہو سکتا تھا، اور جن کا حال خود میکینین نے بیان کیا ہے، میکینین نے ایک نئی قسم کی شادی... کلب شادی.... نہیں دریافت کر لی۔ لیکن یہ شادی کلب صحیح معنی میں کثرت شوہری نہیں ہے۔ اس کے برعکس جیسا کہ ژیرا تپولوں نے لکھا ہے یہ گروہ دار شادی کی ایک مخصوص شکل ہے جس میں مرد بھی کئی شادیاں کرتے ہیں اور عورتیں بھی۔

4- یک زوجگی کا خاندان

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ یہ خاندان بربریت کے درمیانی اور آخری دور کے بچے کے عبوری زمانے میں جوڑا خاندان سے پیدا ہوا۔ اور اس کی مکمل فتح اس بات کی علامت تھی کہ تمدن کا عہد شروع ہو چکا ہے۔ یک زوجگی کی بنیاد مرد کی فوقیت پر ہے۔ اس کا اعلانیہ مقصد ایسے بچے پیدا کرنا ہے جن کی ولایت کے بارے میں کوئی شبہ نہ ہو۔ اس کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ وقت آنے پر بچے اپنے باپ کے اصلی وارث کی حیثیت سے اس کی دولت کا ترکہ پائیں۔ یک زوجگی اور جوڑا بیاہ میں فرق ہے۔ یک زوجگی میں شادی کا رشتہ کہیں زیادہ مضبوط ہوتا ہے اور فریقین میں سے کوئی بھی جب چاہے اس کو توڑ نہیں سکتا۔ عام طور سے اب صرف مرد ہی کو یہ رشتہ منقطع کرنے اور بیوی کو چھوڑنے کا اختیار ہوتا ہے۔ اب بھی اس کو اپنی بیوی سے بے وفائی کرنے کا حق حاصل ہے۔ کم از کم رسم و رواج نے تو اس پر اپنی مہر لگا ہی دی ہے۔ (22) Code Napoleon میں شوہر کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو داہنہ رکھ سکتا ہے بشرطیکہ اسے گھر کے اندر نہ لائے (17)۔ جیسے جیسے سماج کی نشوونما ہوتی ہے مرد اس حق سے زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ لیکن اگر بیوی پرانے جنسی رواج کو یاد کر کے ان پر عمل کرنا چاہے تو اسے پہلے سے بھی زیادہ سخت سزا ملتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ یونانیوں میں خاندان کی اس نئی شکل پر بڑی سختی کے ساتھ عمل کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ مارکس نے بتایا ہے۔ (23) یونانی دیومالا میں دیویوں کی جو حیثیت ہے، وہ ایک پرانے دور کی ترجمانی کرتی ہے جب عورتوں کو زیادہ آزادی حاصل تھی اور ان کی زیادہ عزت کی جاتی تھی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سورمائی عہد میں مردوں کے غلبے اور غلام عورتوں کے مقابلے کی وجہ سے عورتیں اپنے بلند مرتبے سے گر گئیں۔ "اوڈیسی" میں آپ پڑھیں گے کہ تیلی ماکس اپنی ماں کو ڈانٹ کر خاموش کر دیتا ہے۔ (24) ہومر کی نظموں میں ہم پڑھتے ہیں کہ جب کبھی جنگ میں نوجوان عورتیں پکڑی گئیں، ان کو جنسی لذت کشی کا زریعہ بنایا گیا۔ فوج کے افسر اپنے اپنے درجے کے مطابق ایک کے بعد ایک آتے ہیں اور سب سے خوبصورت عورتوں کو اپنے لئے چن لیتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ "ایلیڈ" کی پوری داستان اس ایک واقعے کے گرد گھومتی ہے کہ اکیلیس اور ایگاممنون میں ایک ایسی غلام لڑکی کے بارے میں جھگڑا ہو گیا ہے۔ ہومر کی نظموں میں ہراہم ہیرو کے ساتھ ایک غلام لڑکی ضرور ہوتی ہے جو اس کے خیمے میں رہتی ہے اور جس کے ساتھ وہ ہمہستر ہوتا ہے۔ اس لڑکیوں کو ان کے مالک اپنے ساتھ گھر لے جاتے ہیں جہاں ان کی بیویاں ہوتی ہیں۔ اسیکلیس کے یہاں اسی طرح ایگاممنون کیسندر کو اپنے گھر لایا گیا تھا۔ (25) ان باندیوں سے جو بیٹے پیدا ہوتے ہیں انہیں باپ کی جائیداد کا چھوٹا سا حصہ ملتا ہے اور انہیں آزاد سمجھا جاتا

ہے۔ تیلامون کا ایک ایسا ہی ناجائز بیٹا تھو کر اس تھا جسے اپنے باپ کا نام اختیار کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ بیاتہ بیوی سے امید کی جاتی تھی کہ وہ یہ سب کچھ خاموشی کے ساتھ برداشت کر لے گی اور خود شوہر کی پوری طرح وفادار رہے گی۔ یہ صحیح ہے کہ تمدن کے عہد کے مقابلے میں سورمائی دور میں یونانی بیوی کی زیادہ عزت کی جاتی تھی۔ لیکن شوہر کی نظروں میں اس کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں تھی کہ وہ اس کے جائز وارثوں کی ماں ہے، اس کے گھر کی دیکھ بھال کرتی ہے اور اس کی باندیوں کی نگرانی کرتی ہے جنہیں وہ جب چاہے داشتہ بنا سکتا ہے اور اکثر وہ ایسا کرتا بھی ہے۔ یک زوجگی کے ساتھ چونکہ برابر غلامی کا رواج رہا اور خوبصورت نوجوان باندیوں کا وجود رہا جو ہمیشہ مردوں کی پوری پوری ملکیت ہوتی تھیں، اس لئے شروع ہی سے یک زوجگی پر اس کا اثر پڑا۔ اور اس کی وجہ سے یک زوجگی کا یہ مخصوص کردار ہو گیا کہ عورتوں کے لئے تو ایک شوہر کی پابندی ہے مگر مردوں کے لئے یک زوجگی نہیں ہے۔ اور آج بھی یہی حالت چلی آرہی ہے۔

جہاں تک سورمائی عہد کے بعد کے یونانیوں کا تعلق ہے ہمیں ڈورین اور ایونین لوگوں میں فرق کرنا چاہئے۔ ڈورین لوگوں کی سب سے اچھی اور نمایاں مثال اسپارٹا میں ملتی ہے۔ ان میں شادی کے ایسے رشتے ملتے ہیں جو کئی باتوں میں ہومر کے بتائے ہوئے رشتوں سے بھی زیادہ قدیم ہیں۔ اسپارٹا میں ہمیں جوڑا بیاہ کی ایک شکل بھی ملتی ہے جسے وہاں کی ریاست نے مروجہ خیالات کے مطابق کسی قدر بدل دیا تھا۔ جوڑا بیاہ کی یہ ایک ایسی شکل تھی جس میں اس وقت تک گروہ دار شادی کے اثرات بھی موجود تھے۔ جس شادی سے بچے نہیں ہوتے تھے، اسے منقطع کر دیا جاتا تھا۔ بادشاہ اسکندر ریدس (تقریباً 560 ق۔م) کی پہلی بیوی لاولد تھی۔ اس لئے اس نے دوسری شادی کی اور دو گھر بسائے۔ اسی زمانے کا ایک اور بادشاہ ارسطونس ہے۔ اس کی دو بیویاں لاولد تھیں۔ اس نے ایک کوچھوڑ دیا اور تیسری شادی کی۔ دوسری طرف کئی بھائی مل کر ایک بیوی رکھ سکتے تھے۔ اگر کسی شخص کو اپنے دوست کی بیوی پسند آ جاتی تو وہ اس کا حصہ دار بن سکتا تھا۔ اور جیسا کہ بسمارک کہے گا، اگر کہیں کوئی مضبوط "سائڈ" ہو، چاہے وہ شخص شہری نہ وہ، تو بھی اپنی بیوی کو اس کے سپرد کرنا مناسب سمجھا جاتا تھا۔ پلو تارک کی ایک کتاب میں ایک جگہ یہ تذکرہ ہے کہ ایک اسپارٹن عورت نے اپنے ایک عاشق کو، جو بہت دنوں سے اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا، اپنے شوہر کے پاس بھیج دیا۔ شوہر نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ ان دنوں جنسی آزادی زیادہ تھی۔ زنا کاری یعنی شوہر کے پیچھے بیوی کا اس سے بیوفائی کرنا، ان دنوں سننے میں بھی نہیں آتا تھا۔ دوسری طرف، اسپارٹا میں، کم از کم اس کے عروج کے زمانے میں گھریلو غلامی نہیں تھی۔ زرعی غلام ایلوٹ، الگ جاگیروں پر رہتے اور اس لئے اسپارٹا میں (18) کو ان کی عورتوں سے ہمہسزگی کی ترغیب کم ہی ملتی تھی۔ ان حالات میں یہ قدرتی بات تھی کہ دوسری تمام یونانی عورتوں کے مقابلے میں اسپارٹا کی عورتوں کی زیادہ عزت ہوتی تھی۔ قدیم زمانے کے مصنفوں نے یونانی

عورتوں میں صرف اسپارٹا کی عورتوں اور ایتھنز کی ہیستری عورتوں کے سب سے اونچے حصے کا ذکر ادب اور احترام کے ساتھ کیا ہے اور ان کے اقوال کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے۔

ایونی لوگوں میں جن کی نمایاں مثال ایتھنز کے لوگ ہیں، حالات کچھ اور تھے۔ وہاں لڑکیاں صرف چرخہ کاٹنا، کپڑا بنانا اور سینا پر ونا سیکھتی تھیں۔ بہت ہوا تو کچھ لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا۔ مردوں سے انہیں بالکل الگ رکھا جاتا تھا۔ وہ صرف عورتوں سے ہی مل سکتی تھیں۔ عورتیں گھر کے ایک علیحدہ حصے یعنی خلوت میں رہتی تھیں۔ یہ حصہ عام طور پر اوپر کی منزل پر یا مکان کے پیچھے کی طرف ہوتا تھا، جہاں مردوں کا اور خاص کر کسی اجنبی مرد کا گزر آزادی سے نہیں ہو سکتا تھا۔ اور مرد مہمانوں کے آنے پر یہاں وہاں چلی جاتی تھیں۔ یہاں صرف کسی باندی کو ساتھ لے کر ہی باہر جاسکتی تھیں ورنہ نہیں، گھر کے اندران پر پہرہ سارہتا تھا۔ اریسطو فینس لکھتا ہے (19) کہ بدکاروں کو دور رکھنے کے لئے مولوسین کتے پالے جاتے تھے۔ ایشیائی شہروں میں عورتوں پر پہرہ دینے کے لئے خواجہ سرا رکھے جاتے تھے۔ ہور وڈوئس کے زمانے میں بھی جزیرہ کیوس میں غلاموں کو آختہ کر کے خواجہ سرا تیار کئے جاتے تھے اور ان کا بیوپار کیا جاتا تھا۔ اور واکس متھ کا کہنا ہے کہ وہ صرف بربریوں کے لئے نہیں ہوتے تھے۔ یورپاڈیز کے ڈراموں میں بیوی کو اونیکوریم (oikurema) کہا گیا ہے (26) جس کے معنی ہیں گھر کی نگہداشت کرنے والی چیز (یہ لفظ بے جنس کا ہے) اور ایتھنز کے لوگوں کی نظر میں بیوی کا کام بچے پیدا کرنے کے علاوہ اگر کچھ تھا تو صرف یہ کہ وہ گھر کی سب سے بڑی ملازمہ تھی۔ شوہر اکھاڑے میں کسرت اور ورزش کرتا تھا، شہری معاملات میں حصہ لیتا تھا۔ بیوی کو ان سب سے علیحدہ رکھا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ شوہر کے پاس اکثر لونڈیاں باندیاں ہوتی تھیں اور ایتھنز کے عروج کے زمانے میں کثرت سے طوائفیں تھیں، بڑے پیمانے پر عصمت فروشی ہوتی تھی اور حکومت اگر کچھ اور نہیں تو اس کو پسندیدگی کی نظر سے تو دیکھتی ہی تھی۔ یونان میں جتنی عورتوں نے بھی امتیاز حاصل کیا وہ اسی عصمت فروشی کی بنیاد پر۔ وہ اپنی زندہ دلی اور خوش گوئی اور فنون لطیفہ کے اعلیٰ ذوق کی بدولت قدیم نساہیت کی عام سطح سے اسی قدر بلند تھیں جس قدر اسپارٹا کی عورتیں اپنے کردار کی بدولت۔ ایتھنز کے خاندانی نظام کی پستی کا اس سے بڑا کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا کہ عورت کو اپنا مرتبہ حاصل کرنے کے لئے پہلے طوائف بننا پڑتا تھا۔

رفتہ رفتہ ایتھنز کا یہ خاندان ایک نمونہ بن گیا اور صرف ایونی کے باقی لوگ ہی نہیں بلکہ خاص یونان اور اس کی نوآبادیات کے سارے یونانی لوگ بھی اپنے خاندانی تعلقات کو زیادہ سے زیادہ اسی سانچے میں ڈھالنے لگے۔ لیکن اس تمام علیحدگی اور نگرانی کے باوجود یونان کی عورتیں اکثر اپنے شوہروں کو دھوکہ دینے کے مواقع نکال ہی لیتی تھیں۔ ان کے شوہر جنہیں اپنی بیوی سے محبت کا اظہار کرنے میں شرم محسوس ہوتی تھی، طوائفوں اور داشتہ عورتوں کے ساتھ جی کھول کر داد عیش دیا کرتے اور طرح طرح سے محبت کے مزے لوٹتے تھے۔ لیکن عورتوں کی یہ گراؤٹ

مردوں کو بھی متاثر کئے بغیر نہ رہی۔ اس نے انہیں بھی اخلاقی پستی کے گڑھے میں گرا دیا یہاں تک کہ وہ لڑکوں سے محبت کے جنسی مرض میں مبتلا ہو گئے اور گینی مید کا قصہ گھڑ کر انہوں نے خود کو اور اپنے خداؤں کو رسوا کیا۔

قدیم زمانے کی سب سے متمدن اور ترقی یافتہ قوم میں جہاں تک ہم پتہ لگا سکے ہیں، یک زوجگی کی ابتدا اسی طرح ہوئی۔ کسی اعتبار سے بھی یہ انفرادی جنسی محبت کا نتیجہ نہیں تھی۔ اس سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا کیونکہ شادیاں پہلے کی طرح اب بھی مصلحت کی بنا پر کی جاتی تھیں۔ یہ خاندان کی وہ پہلی شکل تھی جس کی بنیاد قدرتی نہیں بلکہ اقتصادی حالات پر تھی... یعنی ابتدائی مشترکہ ملکیت پر، جس کی نشوونما قدرتی طور پر ہوئی تھی۔ ذاتی ملکیت کی فتح، یہی اس کی بنیاد تھی۔ یونان والے اعلان یہ کہتے تھے کہ یک زوجگی کا واحد مقصد یہ ہے کہ خاندان کے اندر مرد کی حکمرانی ہو، ایسے بچے پیدا ہوں جو صرف اس کے نطفے سے ہوں اور جو اس کے وارث بنیں۔ ان باتوں سے قطع نظر، شادی ایک باتھی، خدا، ریاست اور اپنے آباؤ اجداد کا عائد کیا ہوا فریضہ تھی جس کو کسی طرح ادا کرنا تھا۔ ایجنٹ میں قانونی شادی کو لازمی قرار دیا تھا۔ اور اتنا ہی نہیں۔ مرد پر کم از کم کچھ فرائض شوہری بھی عائد کر دیئے گئے تھے جن کو پورا کرنا ضروری تھا۔

چنانچہ تاریخ میں یک زوجگی نہ تو مرد اور عورت کی کسی مصالحت کا نتیجہ تھی اور نہ شادی کی کوئی اعلیٰ شکل۔ اس کے برعکس وہ عورتوں پر مردوں کے تسلط کا اظہار تھا۔ دونوں جنسوں کے درمیان ایک ایسے تضاد اور اختلاف کا اعلان تھا جس کی مثال ماقبل تاریخی زمانے میں کہیں نہیں ملتی۔ میں نے اور مارکس نے مل کر 1856 میں ایک کتاب لکھی تھی جو ابھی تک غیر مطبوعی (27) ہے۔ اس پرانے غیر مطبوعی مسودے میں مجھے ایک فقرہ ملا کہ "محنت کی سب سے پہلی تقسیم مردوں اور عورتوں میں بچہ پالنے کے لئے ہوئی۔" اور آج میں اس پر یہ اضافہ کر سکتا ہوں کہ تاریخ میں پہلا طبقاتی اختلاف یک زوجگی کے نظام کے اندر مردوں اور عورتوں کے اختلاف کے ابھرنے کے ساتھ ساتھ نمودار ہوتا ہے۔ اور پہلا طبقاتی ظلم عورتوں پر مردوں کے ظلم کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ یک زوجگی کا نظام تاریخی حیثیت سے ترقی کا ایک بڑا قدم تھا لیکن اسی کے ساتھ وہ ایک ایسا قدم تھا جس نے غلامی اور انفرادی دولت کے ساتھ اس دور کا آگاز کیا جو آج تک قائم ہے اور جس میں ہر قدم جو اٹھتا ہے وہ ایک اعتبار سے پیچھے بھی لے جاتا ہے، جس میں ایک گروہ کی خوش حالی اور ترقی دوسرے گروہ پر مصیبت اور ظلم ڈھا کر حاصل کی جاتی ہے۔ یک زوجگی متمدن سماج کی وہ بالکل ابتدائی صورت ہے جس کے اندر ہم ابھی سے ان تمام اختلافوں اور تضادوں کی نوعیت کا مطالعہ کر سکتے ہیں جو متمدن سماج میں پوری طرح بڑھ کر سامنے آتے ہیں۔

جوڑا خاندان یا خود یک زوجگی کے بعد بھی جنسی تعلق کی پرانی نسبتی آزادی کا بالکل خاتمہ نہیں ہوا۔

"ترقی پزیر خاندان کو اب بھی شادی کا وہی پرانا نظام گھیرے ہوئے تھا جو پونا لو ان گروہوں کے

رفتہ رفتہ ختم ہو جانے کی وجہ سے اب ایک چھوٹے سے دائرے کے اندر محدود ہو گیا تھا اور اول الذکر کے پیچھے پیچھے وہ نظام تمدن کے دور تک جا پہنچتا ہے... آخر میں وہ پیتا نرازم کے نئے نظام میں گم ہو جاتا ہے جو آج بھی تمدن کے دور میں خاندان کے ساتھ لگے ہوئے ایک تاریک سائے کی طرح انسانیت کا چھپا کر رہی ہے۔"

پیتا نرازم سے مارگن کی مراد شادی کے رشتے کے باہر مردوں اور بن بیاہی عورتوں کا وہ جنسی تعلق ہے جو یک زوجگی کے نظام کے ساتھ ساتھ قائم رہتا ہے اور جیسا کہ سبھی جانتے ہیں تمدن کے پورے عہد میں مختلف صورتوں میں پھلتا پھولتا رہا ہے اور برابر اعلانیہ عصمت فروشی کی صورت اختیار کرتا جاتا ہے۔ پیتا نرازم کا براہ راست تعلق گروہ دارشادی سے ہے اس کا تعلق قربانی کے طور پر عورتوں کی سپردگی کی رسم سے ہے جو یہ قیمت ادا کر کے اپنے عصمت و پاک دائمی کا حق خرید کرتے تھیں۔ روپیہ لے کر اپنے آپ کو مردوں کی آغوش میں دے دینا شروع میں ایک مذہبی کام تھا جس کو محبت کی دیوی کے مندر میں انجام دیا جاتا تھا اور وہ روپیہ مندر کے خزانے میں داخل کر دیا جاتا تھا۔ آرمینیا میں انا لیلٹس کے مندر اور کورنٹھ میں ایفر وڈاٹ کے مندر کی ہائرسٹریپول (20) اور ہندوستان کے مندروں کی دیو داسیاں، جنہیں بیادیر بھی کہا جاتا ہے (یہ پرتگلی زبان کے لفظ "bailadeira" کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کا مطلب ناچنے والی لڑکی ہوتا ہے).... یہ تاریخ کی پہلی طوائفیں تھیں۔ قربانی کے طور پر سپردگی کی یہ رسم ادا کرنا پہلے سبھی عورتوں کے لئے ضروری تھا۔ بعد میں مندروں کی یہ پجاریں ہی سب عورتوں کی طرف سے یہ خدمتیں انجام دینے لگیں۔ دوسرے قوموں سے پیتا نرازم کی ابتدا جنسی تعلق کی اس آزادی سے ہوئی جو لڑکیوں کو شادی سے پہلے حاصل تھی۔ یہ بھی گروہ دارشادی کے اثرات میں سے ہے جو ہم تک ایک دوسرے راستے سے ہو کر پہنچی ہے۔ ملکیت کا اختلاف اور امتیاز پیدا ہونے پر.... جو بربریت کیا آخری دور میں ہی ہو چکا تھا... غلاموں کی محنت کے علاوہ کہیں کہیں مزدوری پر بھی کام ہونے لگا تھا۔ اور اسی کے ساتھ اس کے لازمی جزو کی حیثیت سے لونڈیوں باندیوں کے ساتھ زبردستی زنا کاری کے علاوہ آزاد عورتوں کی پیشہ ور عصمت فروشی کا بھی آغاز ہو۔ جس طرح تمدن سے پیدا ہونے والی ہر چیز دو موٹھی اور دورخی ہوتی ہے اور اس کے اندر تضاد اور اختلاف کے پہلو پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح گروہ دارشادی سے تمدن کو جو وراثت ملی، اس کے بھی دو پہلو ہوتے ہیں: ایک طرف یک زوجگی ہے اور دوسری طرف پیتا نرازم، جس میں اس کی انتہائی عصمت فروشی بھی شامل ہے۔ دوسرے اداروں کی طرح، پیتا نرازم، بھی ایک سماجی ادارہ ہے۔ یہ قدیم جنسی آزادی کی ہی ایک صورت ہے مگر اب یہ آزادی صرف مردوں کے لئے رہ گئی ہے اور اگرچہ حقیقت میں لوگ نہ صرف یہ کہ اس کو برداشت کرتے ہیں بلکہ بڑے جوش و خروش سے اس پر عمل کرتے ہیں، لیکن زبان سے، خاص طور پر حکمراں طبقے

کے لوگ، اس کی مذمت کرتے ہیں۔ پستائری نظام کی اس لعنت ملامت سے مردوں کو، جو اس آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہیں دراصل کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اس کے چوٹ صرف عورتوں پر پڑتی ہے۔ ان سے سماجی طور پر قطع تعلق سا کر کے انہیں سماج باہر کر دیا جاتا ہے تاکہ ایک بار پھر عورت پر مردوں کے کامل اقتدار کا اعلان کیا جاسکے اور یہ بتایا جاسکے کہ یہی سماج کا بنیادی قانون ہے۔

لیکن اس سے خود یک زوجگی کے اندر ایک اور تضاد نمودار ہوتا ہے۔ شوہر تو پستائری نرازم کے مزے لوٹ کر اپنی زندگی کو رنگین بنا لیتا ہے لیکن بیوی اکیلی پڑی اپنی قسمت کو روٹی ہے اور جس طرح آدھا سیب کھا لینے کے بعد ہاتھ میں پورا سیب نہیں رہے گا، اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ تضاد کا ایک پہلو ہو اور دوسرا نہ ہو۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو جب تک اپنی بیویوں سے سبق نہیں ملا، وہ یہ نہیں سوچتے تھے۔ یک زوجگی کے ساتھ دونی شخصیتیں مستقل طور پر سماج کے پردے پر ابھرتی ہیں، جن کا پہلے کوئی وجود نہ تھا۔ ایک تو بیوی کا آشنا اور دوسرا قریبی مساق یعنی غیر مردوں سے آشنائی کرنے والی عورت کا شوہر۔ مردوں نے عورتوں پر فتح پالی تھی مگر فاتح کے سر پر تاج رکھنے کا کام مفتوح نے نہایت فراخ دلی سے اپنی ہاتھوں میں لے لیا۔ یک زوجگی اور پستائری نرازم کے ساتھ ساتھ زانا کاری بھی سماج کا ایک ناگزیر دستور بن گئی۔ اسے ناجائز قرار دیا گیا، اس کے لئے سخت سزائیں دی گئیں، مگر اس کو مٹایا نہیں جا سکا۔ اپنے بچوں کی ولدیت کے بارے میں باپ کا یقین پہلے کی طرح اب بھی محض اخلاقی اعتماد پر مبنی تھا اور یہ تضاد جو کسی طرح حل نہیں ہوتا تھا، اس کو حل کرنے کی غرض سے ضابطہ نیولین کی دفعہ 312 میں اعلان کیا گیا:

"L, enfant concu pendant le mariage a pour pere le mari"

"شادی شدہ زندگی کے دوران جس بچے کا حمل قرار پائے گا، اس کا باپ شوہر کو سمجھا جائے گا۔"

تین ہزار برس میں یک زوجگی کے نظام کا حاصل بس اتنا ہی ہے۔

غرضیکہ یک زوجگی کے خاندان کے اندر، اس کی ان شکلوں میں جن میں اس کی تاریخی ابتدا کی صحیح تصویر ملتی ہے اور جو مرد اور عورت کی اس شدید کشمکش کو جو مردوں کے واحد غلبے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، صاف طور پر سامنے لے آتی ہیں، ہمیں مختصر پیمانے پر وہی اختلاف اور تضاد دکھائی دیتا ہے جن میں سے ہو کر یہ سماج جو تمدن کی ابتدا سے ہی مختلف طبقاتوں میں بنا ہوا ہے، آگے بڑھتا ہے اور جن تضادوں کو وہ نہ تو حل کر سکتا ہے اور نہ دور کر پاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ میں یہاں یک زوجگی کی صرف ان صورتوں کا ذکر کر رہا ہوں جن میں شادی شدہ زندگی صحیح معنی میں ان اصولوں پر چلتی ہے جن سے اس پورے رواج کی ابتدائی نوعیت متعین ہوتی تھی، لیکن جن میں بیوی شوہر کے غلبے کے خلاف بغاوت پر کمر بستہ ہو جاتی ہے۔ لیکن سچی شادیوں میں ایسا نہیں ہوتا۔ اور یہ بات جرمنی کے ان کم نظروں سے زیادہ بہتر اور کون سمجھ سکتا ہے جو نگہ میں حکومت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ ملک میں اور اس لئے جن

کی بیویاں پورے جواز کے ساتھ اس منصب کو قبول کرتی ہیں جس کے لئے ان کے شوہر نااہل ثابت ہو چکے ہیں۔ لیکن وہ یہ سوچ کر اپنے آپ کو تسلی دے لیتے ہیں کہ اپنی مصیبت کے فرانسسی ساتھیوں سے ان کی حالت کہیں زیادہ اچھی ہے۔ ان بے چاروں کی حالت تو اور بھی بدتر ہوتی ہے۔

لیکن یک زوجگی کا خاندان ہمیشہ اور ہر جگہ اتنی سخت صورت لے کر نہیں آیا جتنی سخت صورت میں وہ یونان میں ظاہر ہوا تھا۔ رومنوں میں، جو کہ دنیا کے آئندہ فاتحوں کی حیثیت سے اگر یونانیوں سے شائستگی میں کم تھے تو دور اندیشی میں بڑھے ہوئے، عورت کو زیادہ آزادی تھی اور اس کی زیادہ عزت کی جاتی تھی۔ رومن مرد یہ سمجھتا تھا کہ چونکہ اسے اپنے بیوی پر زندگی اور موت کا اختیار حاصل ہے، اس لئے اس کی عصمت پوری طرح محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ شوہر کی طرح بیوی کو بھی اختیار تھا کہ جب چاہے اپنی مرضی سے شادی کا رشتہ توڑ دے۔ لیکن یک زوجگی کے نظام میں سب سے بڑی ترقی اس وقت ہوئی جب جرمنوں نے تاریخ کے دائرے میں قدم رکھا کیونکہ غالباً ان کے افلاس کی وجہ سے ان میں اس وقت تک جوڑا بیاہ سے یک زوجگی پوری طرح ابھرنے نہیں پائی تھی۔ ہم اس نتیجے پر تین باتوں سے پہنچتے ہیں جن کا تذکرہ تاسیت نے کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ اگرچہ انہیں شادی کے تقدس کا پورا احترام تھا..... "ہر مرد ایک بیوی سے مطمئن ہے اور عورتیں عفت و پاکدامنی کے بندھنوں سے بندھی رہتی ہیں۔" اونچے درجے کے مردوں اور قبیلوں کے سرداروں میں کئی بیویاں رکھنے کا رواج تھا۔ یعنی یہاں بھی امریکوں کی سی حالت تھی، جن میں جوڑا بیاہ کا رواج تھا۔ دوسری بات یہ کہ ان لوگوں میں مادری حق کی جگہ پدری حق کچھ دن پہلے ہی قائم ہوا تھا کیونکہ ماں کے بھائی کو، جو کہ مادری حق کے مطابق گن کے اندر سب سے قریبی رشتہ دار ہوتا تھا، اب بھی باپ کے مقابلے میں زیادہ قریبی رشتہ دار سمجھا جاتا تھا۔ یہ بات بھی امریکی انڈینوں کی نقطہ نظر سے ملتی ہے جن میں مارکس نے، جیسا کہ وہ اکثر کہا کرتا تھا، ہمارے ماضی کے ماقبل تاریخی زمانے کو سمجھنے کی کنجی پائی تھی۔ اور تیسری بات یہ کہ جرمنوں میں عورتوں کی بڑی عزت کی جاتی تھی اور امور عامہ میں بھی ان کا اثر تھا۔ یہ بات بھی مرد کے غلبے کے خلاف ہے جو یک زوجگی کی خصوصیت ہے۔ تقریباً سبھی باتیں ایسی ہیں جن پر جرمنوں اور اسپارٹا والوں میں اتفاق ہے۔ جرمنوں کی طرح ان میں بھی جوڑا بیاہ پوری طرح نہیں مناس تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں بھی جرمنوں کے عروج کے ساتھ ایک بالکل نئی چیز نے عالمگیر غلبہ حاصل کر لیا۔ رومنوں کی دنیا کی کھنڈروں پر مختلف نسلوں کی آمیزش سے یک زوجگی کا جو نیا نظام رائج ہوا اس نے مردوں کے تسلط کو کسی قدر نرم شکل میں پیش کیا اور عورت کو باہری دکھاوے کے لئے ہی سہی، کلاسیکی قدیم زمانے سے کہیں زیادہ آزادی اور عزت عطا کی۔ اس کی وجہ سے پہلی بار یہ ممکن ہوا کہ اخلاقی ترقی کا وہ سب سے بڑا قدم اٹھایا جائے جو یک زوجگی کی بنیاد پر اور اس کے بدولت آج تک اٹھایا جا۔ کا ہے یہ ترقی کہیں یک زوجگی کے اندر ہے، کہیں اس کے متوازی ہے اور کہیں اس کے خلاف بھی ہے..... اور وہ ہے جدید

انفرادی جنسی محبت، جو اس سے پہلے دنیا میں کہیں نہیں دیکھی گئی تھی۔

لیکن یہ ترقی بھینا اس بات کا نتیجہ تھی کہ جرمنی کے لوگ اس وقت تک جوڑا بنا کر رہتے تھے اور اس میں عورت کی جو حیثیت تھی، اسی کو انہوں نے یک زوجگی کے نظام پر چسپاں کر دیا۔ اور یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ جرمنوں کے مزاج کی شہرہ آفاق اور حیرت انگیز اخلاقی پاکیزگی اس ترقی کا باعث ہوئی۔ جرمنوں کی اخلاقی پاکیزگی بس اسی قدر تھی کہ جوڑا خاندان میں عملاً وہ نمایاں اخلاقی تضاد نہیں ابھرے تھے جو یک زوجگی میں نمودار ہوئے۔ واقعہ دراصل یہ ہے کہ جرمن لوگ اپنی خانہ بدوشی میں اور خاص کر جنوب مشرق میں بحیرہ اسود کے ساحلوں پر گھاس کے میدانون میں رہنے والے خانہ بدوشوں کے پاس پہنچ کر، اخلاقی اعتبار سے بہت گر گئے تھے۔ انہوں نے ان خانہ بدوشوں سے گھوڑ سواری کے علاوہ ان کی غیر فطری اخلاقی برائیاں بھی سیکھ لی تھیں۔ اس کی تصدیق امیانس نے تانقالی کے بارے میں اور پروکو پاس نے ہیروولی کے بارے میں پوری صفائی کے ساتھ کر دی ہے۔

اگرچہ یک زوجگی ہی خاندان کی ایک ایسی شکل ہے جس سے جدید جنسی محبت کو فروغ ہو سکتا تھا۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اس خاندان کے اندر یہ محبت محض یا بڑی حد تک شوہر اور بیوی کی باہمی محبت بن کر بڑھی۔ مرد کے غلبے کے تحت یک زوجگی کے سخت اور بے لوج نظام کی فطرت ہی کچھ ایسی تھی کہ اس محبت کی نشوونما کا امکان نہیں رہا تھا۔ ان سبھی طبقوں میں جو تاریخی طور پر سرگرم عمل رہے ہیں، یعنی سبھی حکمران طبقوں میں شادی کی وہی حیثیت تھی جو جوڑا بیاہ کے زمانے سے چلی آرہی تھی..... یعنی یہ مصلحت کا معاملہ تھا جس کو والدین طے کیا کرتے تھے۔ اور جنسی محبت کی پہلی صورت جو عشق بن کر اٹھی، ایک ایسا عشق جس میں جتلا ہونے کا حق ہر شخص کو (کم از کم حکمران طبقے کے ہر شخص کو) تھا اور جو جذبہ جنسی کی اعلیٰ ترین شکل سمجھی جاتی تھی.... اور یہی اس کی اصلی خصوصیت بھی تھی..... یہ پہلی صورت، عہد وسطیٰ کے سو ماؤں کے یہ سرفروشانہ محبت ازدواجی محبت ہرگز نہیں تھی۔ اس کے برعکس فرانس کے پرووانسال لوگوں میں جہاں سو ماؤں کے اس عشق کی اصلی شکل ملتی ہے، یہ عشق بیابنا عورت کے ساتھ اعلانیہ زنا کاری کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ان کے شاعر اسی کے گیت گاتے تھے۔ آلبا گیت (albas) جرمن میں ٹاگیلینڈر (Tageliender) (یعنی نعمات سحر) پرووانسال لوگوں کی عشقیہ شاعری کا سب سے شاداب پھول ہے۔ ان گیتوں میں بڑی رنگینی کے ساتھ یہ داستان سنائی گئی ہے کہ عاشق اپنی محبوبہ کے ساتھ جو کسی اور کی بیوی ہے، سو رہا ہے اور دربان جو باہر کھڑا پہرہ دے رہا ہے، سحر کی پہلی مدھم کرن (alba) کے پھوٹے ہی عاشق کو آواز دیتا ہے کہ وہ چپ چاپ نکل چلے۔ اور تب جدائی کی گھڑی آتی ہے جو پوری قصے کا نقطہ عروج ہے۔ شمالی فرانس کے لوگوں نے اور قابل قدر جرمنوں نے بھی سو ماؤں کے عشق کے ان طور طریقوں کے ساتھ ساتھ شاعری کا یہ طرز بھی جو اس عشق کے لئے بہت موزوں تھا، اختیار کر لیا۔ اور ہمارے اپنے والفرام فان

اشن باخ نے اس موضوع پر تین نغمات سحر لکھے ہیں جو بہر خوبصورت ہیں اور جو مجھے اس کی تینوں طویل رجزیہ نظموں سے زیادہ پسند ہیں۔

خود ہمارے زمانے کی بورژواشادی دو طرح کی ہوتی ہے۔ کیتھولک ملکوں میں والدین پہلے کی طرح اب بھی اپنے نوجوان بورژوا بیٹے کے لئے موزوں سی بیوی ڈھونڈ لاتے ہیں اور لازمی طور پر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یک زوہگی میں جو تضاد موجود ہے وہ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ شوہر بیٹا نرازم کا راستہ لیتا ہے اور بیوی دل کھول کر زنا کاری کرتی ہے۔ کیتھولک کلیسا نے بلاشبہ طلاق کو صرف اس لئے مٹایا تھا کہ اس کو یقین تھا کہ موت کی طرح زنا کاری کا بھی کوئی علاج نہیں ہے۔ اس کے برعکس پروٹسٹنٹ ملکوں میں یہ قاعدہ ہے کہ بورژوا بیٹے کو اپنے طبقے کے اندر سے کم و بیش آزادی کے ساتھ اپنے لئے بیوی چن لانے کی اجازت ہوتی ہے۔ اس لئے ان ملکوں میں شادی کی بنیاد کسی حد تک محنت پر ہو سکتی ہے۔ اور پروٹسٹنٹ منافقت کے مطابق دکھاوے کے لئے ہمیشہ یہ فرض کر ہی لیا جاتا ہے کہ میاں بیوی میں محبت ہے۔ یہاں مرد کسبیوں اور دانشمندیوں کے پیچھے اتنا زیادہ نہیں دوڑتے اور نہ عورتوں میں زنا کاری کا اتنا زیادہ رواج ہوتا ہے۔ شادی کی چاہے کوئی شکل ہو، لوگ شادی کے بعد بھی وہی رہتے ہیں جو پہلے تھے اور چونکہ پروٹسٹنٹ ملکوں کے شہری زیادہ تر کم نظر ہوتے ہیں اس لئے اگر ہم پروٹسٹنٹ ملکوں میں بھی بہترین مثالوں کا اوسط نکالیں تو دیکھیں گے کہ یک زوہگی میں میاں بیوی ایک دوسرے سے اکتا جاتے ہیں۔ زندگی اجیرن ہو جاتی ہے اور اسی کو ازدواجی مسرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دونوں قسم کی شادی کی تصویر اور جرمن ناولوں میں پروٹسٹنٹ قسم کی شادیوں کی۔ دونوں میں مرد پالیتا ہے۔ "جرمن ناول میں نوجوان مرد لڑکی پالیتا ہے اور فرانسیسی ناول میں شوہر قمر مساتی کا تمغہ۔ ان دونوں میں کس کی حالت زیادہ قابل رحم ہے، یہ کہنا ہمیشہ آسان نہیں ہوتا۔ جرمن ناوہ کاٹھس پن فرانسیسی بورژواؤں میں کراہیت کا وہی احساس پیدا کرتا ہے جو فرانسیسی ناولوں میں بیٹا نرازم اور زنا کاری کا ذکر، جو سب کو معلوم ہے کہ عرصے سے وہاں موجود تھی کھل کر زیادہ دلیری کے ساتھ ہونے لگا ہے۔

دونوں صورتوں میں شادی فریقین کی طبقاتی حیثیت پر منحصر ہوتی ہے اور اس حد تک وہ ہمیشہ مصلحت کی شادی ہوتی ہے۔ پھر دونوں ہی صورتوں میں مصلحت کی یہ شادی اکثر نہایت بے حیائی سے عصمت فروشی کا جامہ پہن لیتی ہے۔ کبھی کبھی دونوں فریقوں پر، لیکن عموماً بیویوں پر یہ بات زیادہ صادق آتی ہے ایک بازاری طوائف اور اس قسم کی بیوی میں فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اجرت پر کام کرنے والے مزدور کی طرح اپنے جسم کو تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے کرایہ پر نہیں دیتی بلکہ اسے ہمیشہ کے لئے غلامی میں فروخت کر دیتی ہے۔ اور فوراً کے الفاظ مصلحت کی ان کبھی شادیوں پر صادق آتے ہیں۔

"جس طرح قواعد میں دو منفی سے مل کر ایک مثبت بنتا ہے اسی طرح شادی کے اخلاقیات میں دو عصمت فروشیوں (بدچلندیوں) سے مل کر ایک عصمت (نیک چلنی) بنتی ہے۔"

شوہر اور بیوی کے رشتے میں جنسی محبت کا قاعدہ صرف مظلوم طبقوں میں یعنی آج کل کے مزدور طبقے میں ہو سکتا ہے اور سچ پوچھے تو انہیں میں ہوتا بھی ہے، چاہے ان کے شوہر اور بیوی کے رشتے کو باقاعدہ یہ حیثیت حاصل ہو یا نہ ہو.... لیکن ان میں کلاسیکی یک زوجگی کی تمام بنیادیں گر جاتی ہیں کیونکہ ان میں ملکیت کا سرے سے کوئی وجود نہیں جس کی حفاظت کرنے اور جسے اپنے بچوں کو وراثت میں دینے کے لئے یک زوجگی کا نظام اور اس کے ساتھ مردوں کا تسلط قائم کیا گیا تھا۔ اسی لئے مزدور طبقے کے اندر مردوں کا غلبہ قائم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ پھر اسی وجہ سے اس غلبے کو قائم کرنے کے ذرائع بھی ان کے یہاں نہیں پائے جاتے۔ بورژوا قانون جو اس غلبے کو قائم رکھتا ہے، صرف ملکیت والوں کے لئے اور ان کی طرف سے مزدور طبقے کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے ہے۔ اس قانون سے فائدہ اٹھانے کے لئے روپے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس لئے جہاں تک مزدور کا تعلق ہے وہ اپنے افلاس کی وجہ سے اپنی بیوی کے معاملے میں اس قانون سے کوئی کام نہیں لے سکتا۔ یہاں فیصلہ کن حیثیت بالکل مختلف قسم کے شخصی اور سماجی رشتوں کی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بڑے پیمانے کی صنعت نے عورت کو گھر کی چار دیواری سے نکال کر محنت کی منڈی میں، کارخانے میں پہنچا دیا ہے۔ اکثر عورت ہی خاندان کی روزی کمانے والی ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مزدوروں کے گھرانوں میں مردوں کے غلبے کی کوئی بنیاد باقی نہیں رہی۔ اگر کچھ رہ گئی ہے تو شاید عورتوں کے ساتھ بے رحمی سے پیش آنے کی عادت ہے جو یک زوجگی کے قائم ہونے کے بعد سے پوری طرح جڑ پکڑ چکی ہے۔ چنانچہ پرولتاری خاندان کو صحیح معنی میں اب یک زوجگی کا خاندان نہیں کہہ سکتے اور یہ بات ان حالتوں میں بھی صحیح ہے جبکہ فریقین ایک دوسرے سے بڑی گہری محبت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ پوری وفاداری برتتے ہیں اور جہاں انہوں نے شادی کے موقع پر دینی اور دنیاوی ساری رسمیں ادا کر لی ہوں۔ یک زوجگی کے دو لوازمات ہیں جو مستقل طور پر اس کے ساتھ لگے رہتے ہیں، ایک زنا کاری اور دوسرے پست نرازم۔ اور مزدور کی زندگی میں ان دونوں کے لئے تقریباً کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ عورت کو علیحدہ ہونے کا حق عملاً پھر سے حاصل ہو چکا ہے اور جب مرد عورت میں نباہ نہیں ہو سکتا تو وہ الگ ہو جانے کو بہتر سمجھتے ہیں۔ مختصر یہ کہ مزدوروں کی شادی لفظی اعتبار سے تو یقیناً یک زوجگی کی شادی ہے لیکن تاریخی طور پر قطعاً نہیں ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے علم قانون کے ماہروں کا دعویٰ ہے کہ قانون سازی میں جوں جوں ترقی ہوئی ہے عورتوں کی شکایت کے اسباب کم ہوتے جا رہے ہیں۔ موجودہ زمانے کے نظام قانون اس بات کو زیادہ سے زیادہ ماننے لگے ہیں کہ شادی تبھی کامیاب ہو سکتی ہے جب اس کی بنیاد دونوں فریقوں کی رضا مندی پر ہو اور

دوسرے یہ کہ ازدواجی زندگی کے دوران میں بھی دونوں فریقوں پر یکساں حقوق اور ذمہ داریاں ہونی چاہئیں۔ لیکن اگر ان دونوں باتوں پر پوری طرح عمل کیا جائے تو عورتیں جو کچھ چاہتی ہیں، وہ انہیں حاصل ہو جائے گا۔ یہ خاص و کیلاناہ دلیل بالکل وہی ہے جس کے ذریعے ریڈیکل، جمہوریت پسند بورژوا، مزدوروں کو ٹال دیتے ہیں۔ مزدوروں کے بارے میں بھی تو یہی کہا جاتا ہے کہ کارخانے میں کام کرانے کا معاہدہ سرمایہ دار اور مزدور دونوں اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ لیکن دونوں کی اپنی مرضی کا مطلب صرف یہ ہے کہ قانون نے دونوں کو کاغذ پر برابر مان لیا ہے۔ ایک فریق کو اپنی مخصوص طبقاتی حیثیت کی وجہ سے جو اختیار حاصل ہے اور دوسرے فریق پر وہ جتنا باؤ ڈال سکتا ہے یعنی دونوں کی صحیح اقتصادی حالت، یہ سب قانون کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی اور پھر یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ کام کرنے کا معاہدہ جتنی مدت کے لئے کیا گیا ہے اس کے دوران میں دونوں فریقوں کے حقوق مساوی ہونے چاہئیں اور یہ حقوق اس وقت تک رہیں جب تک کوئی فریق انہیں باضابطہ ختم نہ کر دے۔ قانون کو اس سے کوئی مطلب نہیں کہ ٹھوس اقتصادی حالت سے مجبور ہو کر مزدور کو ان مساوی حقوق سے اس طرح دست بردار ہونا پڑتا ہے کہ ان کا شائبہ تک نہیں رہنے پاتا۔

جہاں تک شادی کا تعلق ہے، جیسے ہی فریقین اپنی مرضی سے شادی کرنے کے خواہش باقاعدہ ظاہر کرتے ہیں بڑے سے بڑا ترقی پسند قانون بھی بالکل مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ لیکن قانون کے پردے کے پیچھے کیا کچھ ہوتا ہے، جہاں زندگی کے حقیقی واقعات عمل میں آتے ہیں، یہ رضامندی حاصل کیونکر کی جاتی ہے، ان باتوں سے قانون اور قانون بنانے والوں کو کوئی مطلب نہیں۔ اور یہ قانون بنانے والے اگر قانونوں کا محض معمولی ساموازند بھی کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ رضامندی حقیقت میں ہے کیا۔ ان ملکوں میں جہاں اولاد کو اپنے والدین کی جائیداد میں قانونی حق ہے اور انہیں وراثت سے محروم نہیں کیا جاسکتا، جیسے جرمنی میں اور ان ملکوں میں جہاں فرانسیسی قانون رائج ہے اور دوسرے ملکوں میں، اولاد کو شادی کے معاملے میں والدین کی منظوری یعنی پڑتی ہے۔ ان ملکوں میں جہاں انگریزی قانون چلتا ہے، جہاں شادی کے لئے والدین کی منظوری قانونی طور پر ضروری نہیں ہے، وہاں والدین کو اپنی جائیداد کے بارے میں وصیت کر جانے کا پورا اختیار ہے اور وہ چاہیں تو اپنے بچوں کو ایک ایک پیسہ سے محروم کر سکتے ہیں چنانچہ یہ ظاہر ہے کہ اس کے باوجود یا شاید اسی وجہ سے انگریز اور امریکہ میں بھی ان سبھی طبقوں میں جن کے پاس وراثت میں چھوڑ جانے کے لئے تھوڑی بہت دولت ہوتی ہے، شادی کرنے کی آزادی فرانس یا جرمنی سے زیادہ نہیں ہے۔

جہاں تک ازدواجی زندگی میں مرد اور عورت کی قانونی برابری کا سوال ہے، وہاں بھی یہی حال ہے۔ قانون کی نظر میں دونوں کی نا برابری جو کہ دراصل گزشتہ سماجی حالات کا اثر ہے، عورتوں پر اقتصادی ظلم کا سبب نہیں بلکہ

اس کا نتیجہ ہے۔ قدیم کمیونسٹی گھرانوں میں جن میں متعدد جوڑے اور ان کے بچے رہتے تھے، گھر کا انتظام عورتوں کے ذمے ہوتا تھا۔ اور یہ گھر کا نظم و نسق اتنا ہی عوامی اور سماجی طور پر ضروری کام تھا، جتنا مرد کا غذا فراہم کرنا۔ پدری خاندان کے قائم ہونے پر یہ حالت نہیں رہی۔ یک زوجگی کے انفرادی خاندان کے بعد تو حالت اور بھی بدل گئی۔ گھر کے انتظام کی عمومی حیثیت ختم ہو گئی۔ سماج کو اس سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ یہ ایک نئی خدمت ہو گئی۔ سماجی پیداوار کے دائرے سے الگ کر دیئے جانے کے بعد بیوی گھر کی پہلی خادمہ بنی۔ یہ صرف موجودہ زمانے کی بڑے پیمانے کی صنعت کا اثر تھا کہ سماجی پیداوار کے دروازے عورتوں کے لئے کھل گئے۔ لیکن یہ صرف مزدور طبقے کی عورتوں کے لئے تھا۔ تاہم ان کا بھی یہ حال ہے کہ جب وہ اپنے گھر کا کام کاج کرتی ہیں تو سماجی پیداوار کے دائرے سے باہر ہو جاتی ہیں اور انہیں اس کام کا کوئی معاوضہ نہیں ملتا۔ اور اگر وہ صنعت و حرفت میں حصہ لینا چاہتی ہیں اور آپ اپنے پیروں پر کھڑی ہو کر اپنی روزی کمانے کی کوشش کرتی ہیں تو اپنے گھر کی ذمہ داریاں نہیں نبھ سکتیں۔ کارخانے میں کام کرنے والی عورتوں کے بارے میں جو کچھ کہا گیا وہی ان عورتوں پر بھی صادق آتا ہے جو دوسرے پیشوں میں حتیٰ کہ ڈاکٹری اور وکالت میں حصہ لیتی ہیں۔ جدید انفرادی خاندان عورت کی گھریلو غلامی پر مبنی ہے چاہے وہ کھلی غلامی ہو یا پوشیدہ۔ اور موجودہ سماج انہیں انفرادی خاندانوں کے سالموں (یونٹوں) سے مرکب ہے۔ آج کل زیادہ تر حال یہ ہے کہ مرد کما تا ہے اور اپنے گھر والوں کی پرورش کرتا ہے۔ کم از کم ملکیت والے طبقوں میں یہی ہوتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے مرد کو ایک غالب حیثیت حاصل ہو جاتی ہے جس کے لئے کسی مخصوص قانونی حقوق کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خاندان کے اندر شوہر بورژوا ہے اور بیوی مزدور۔ لیکن صنعت و حرفت کی دنیا میں مزدور طبقہ کے کندھوں پر اقتصادی لوٹ اور ظلم و ستم کا جو جو رکھا ہوا ہے اس کی ساری خصوصیات اسی وقت پوری طرح نمایاں ہوتی ہیں جب سرمایہ دار طبقے کے مخصوص قانونی اختیارات کا پردہ ہٹا دیا جاتا ہے اور دونوں طبقوں میں مکمل قانونی مساوات قائم کر دی جاتی ہے۔ جمہوری ریپبلک میں دونوں طبقوں کا اختلاف ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے برعکس ایسی ریپبلک اس اختلاف کے لئے میدان کارزار مہیا کرتی ہے۔ اسی طرح جدید خاندان میں عورت پر مرد کے غلبے کی مخصوص نوعیت اور مرد عورت میں صحیح معنی میں سماجی مساوات قائم کرنے کی ضرورت اور اس کا طریقہ صرف اسی وقت واضح طور پر سامنے آئے گا جب قانون کی نظر میں دونوں کو مکمل مساوات حاصل ہو جائے گی۔ تب ہی یہ حقیقت عیاں ہوگی کہ عورتوں کی آزادی کی پہلی شرط یہ ہے کہ تمام عورتوں کو صنعت و حرفت کے میدان میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ انفرادی طور پر خاندان کی یہ حیثیت کہ وہ سماج کی اقتصادی اکائی ہے، ختم کر دی جائے۔

اب تک ہم نے یہ دیکھا کہ شادی کی تین اہم شکلیں ہیں اور یہ تینوں انسانی ارتقاء کی تین خاص منزلوں سے

تعلق رکھتی ہیں۔ وحشت کے عہد میں گروہ وارشادی، بربریت کے عہد میں جوڑا بیاہ اور تمدن کے عہد میں یک زوجگی، جس کے ساتھ لازم و ملزوم کے طور پر زنا کاری اور عصمت فروشی لگی ہوتی ہے۔ بربریت کے آخری دور میں جوڑا بیاہ اور ایک زوجگی کے درمیان ایک دور آتا ہے جبکہ مردوں کا غلام عورتوں پر تسلط قائم ہوتا ہے اور کثرت ازواج یعنی کئی بیویاں رکھنے کا رواج ہوتا ہے۔

ہم نے ابھی تک جو کچھ بیان کیا ہے اس سے یہ بات صاف ہو چکی ہے کہ اس سلسلے میں جو قدم اٹھائے گئے ہیں وہ اس عجیب و غریب حقیقت سے وابستہ ہیں کہ جہاں عورتیں گروہ وارشادی کی جنسی آزادی سے زیادہ سے زیادہ محروم ہوتی گئیں، وہاں مرد نہیں ہوئے۔ سچ پوچھئے تو مردوں کے لئے آج بھی گروہ وارشادی موجود ہے۔ عورت کے لئے جو چیز حرم ہے، جس کے لئے اسے قانونی اور سماجی ہر قسم کی سزا بھگتنی پڑتی ہے، وہ چیز مرد کے لئے قابل فخر ہے اور بہت ہوا تو اس کے دامن پر بد چلنی کا ہلکا ساداغ پڑ جاتا جسے وہ خوشی سے گوارا کر لیتا ہے۔ ہمارے زمانے میں سرمایہ دارانہ جنس تبادلہ کی پیداوار کی وجہ سے پرانے پتہ نرازم میں جتنی زیادہ تبدیلی ہوتی ہے اور جس قدر وہ اپنے آپ کو اس پیداوار کے سانچے میں ڈھالتی ہے اسی قدر وہ کھلم کھلا عصمت فروشی کی صورت اختیار کرتی جاتی ہے اور اس کا اثر اتنا ہی زیادہ خراب اور تباہ کن ہوتا جاتا ہے۔ اور اس کے اثر سے عورتوں سے کہیں زیادہ مردوں کے اخلاق پست ہوتے ہیں۔ عورتوں میں عصمت فروشی صرف ان بد نصیبوں کو خراب کرتی ہے جو اس کے چنگل میں پھنستی ہیں اور پھر وہ بھی اتنی خراب نہیں ہوتیں جتنا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس مردوں میں تو شروع سے آخر تک سب کا اخلاق بگڑ جاتا ہے۔ چنانچہ دس میں سے نو صورتوں میں لمبے عرصے کا تعلق دراصل ایک ایسی تربیت گاہ کا کام دیتا ہے، جہاں ازدواجی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ بے وفائی کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔

اب ہم ایک ایسے سماجی انقلاب کی طرف بڑھ رہے ہیں جس میں یک زوجگی کے موجودہ نظام کی اقتصادی بنیادیں ختم ہو جائیں گی اور اسی کے ساتھ عصمت فروشی کی بنیاد بھی مٹ جائے گی کیونکہ عصمت فروشی اور زوجگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یک زوجگی کی بنیاد یہ ہے کہ ایک ایک آدمی کے پاس، اور وہ بھی مرد کے پاس، کثیر دولت جمع ہو جاتی ہے جس کو وہ صرف اپنے بچوں کے لئے چھوڑ جانا چاہتا ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ کسی اور مرد کے بچے اس کی دولت کے وارث ہوں۔ اس لئے یہ ضروری ہوا کہ عورت ایک ہے مرد سے شادی کرے۔ لیکن مرد کے لئے ایک عورت ست شادی کرنا کوئی ضروری نہیں تھا۔ چنانچہ یہی ہوا..... عورت کے لئے ایک شوہر کا دستور بنا اور یہ دستور مردوں کو کھلم کھلا یا چوری چھپے کئی بیویاں رکھنے سے نہیں روک سکا۔ لیکن آنے والے سماجی انقلاب اس مستقل دولت کے بڑے حصے کو جو آج وراثت میں باپ سے بیٹے کو ملتی ہے، یعنی ذرائع پیداوار کو، سماج کی ملکیت بنا دے

گا، اور اس لئے یہ فکر کہ میرے بعد میری وراثت کس کو ملے گی بہت کم رہ جائے گی۔ تو کیا ان اقتصادی اسباب کے مٹنے پر ایک زوجگی جو ان کا نتیجہ تھی، خود بھی مٹ جائے گی؟

اس سوال کے جواب میں یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ ختم ہونے کے بدلے ایک زوجگی کی تکمیل ہونے لگے گی۔ کیونکہ ذرائع پیداوار جب سماج کی ملکیت بن جائیں گے تو اجرتی محنت اور اجرت پر کام کرنے والا طبقہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اور ساتھ ساتھ، اس بات کی ضرورت بھی نہیں رہے گی کہ کچھ عورتیں جن کی تعداد کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اپنے آپ کو پیسے کی خاطر مردوں کے حوالے کریں۔ عصمت فروشی مٹ جائے گی۔ ایک زوجگی کا زوال نہیں ہوگا۔ وہ آخر کار ایک حقیقت بن جائے گی۔ ایک ایسی حقیقت جو مردوں کے لئے بھی ہوگی۔

اس سے بہر حال مردوں کی حالت بہت بدل جائے گی۔ لیکن عورتوں کی حالت میں بھی اور سبھی عورتوں کی حالت میں اہم تبدیلیاں ہوں گی۔ ذرائع پیداوار مشترکہ ملکیت بن جائیں گے تو ایک ایک خاندان سماج کی اقتصادی اکائی نہیں رہے گا۔ ذاتی خانہ داری بڑھ کر ایک سماجی صنعت کی صورت اختیار کرے گی۔ بچوں کی نگہداشت اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سماج کے اوپر ہوگی سماج سبھی بچوں کی نگہداشت ایک طرح سے کرے گا۔ بچوں میں یہ فرق نہیں کیا جائے گا کہ کون شادی کے بعد پیدا ہوا ہے اور کون شادی کے بغیر۔ اس طرح "نتاج" کی فکر جو آج اخلاقی اور اقتصادی دونوں اعتبار سے بڑی سماجی اہمیت رکھتی ہے، جو آج ایک لڑکی کو اجازت نہیں دیتے کہ وہ جس مرد سے محبت کرتی ہے اس کی ہور ہے، وہ فکر ختم ہو جائے گی۔ لیکن کیا اس کا نتیجہ یہ نہیں ہوگا کہ جنسی تعلقات زیادہ بے لگام ہو جائیں گے اور کیا اسی کے ساتھ عورتوں کی عصمت و عفت اور شرم و حیا کے سوال پر بھی رائے عامہ زیادہ فرائض دلی کا رویہ اختیار نہیں کرے گی؟ اور کیا ہم نے یہ نہیں دیکھا کہ موجودہ زمانے میں ایک زوجگی اور عصمت فروشی میں تضاد ہوتے ہوئے بھی چولی دامن کا ساتھ ہے، دونوں ایک ہی سماجی حالت کے درخ ہیں؟ کیا عصمت فروشی اپنے ساتھ ایک زوجگی کو مٹائے بغیر ختم ہو سکتی ہے؟

یہاں ایک نئی چیز سامنے آتی ہے اور وہ ہے انفرادی جنسی محبت۔ ایک زوجگی کی جب ابتدا ہوتی اس وقت یہ انفرادی جنسی محبت زیادہ سے زیادہ محض ایک بیچ کی صورت میں رہی ہوگی۔

عہد وسطیٰ سے پہلے انفرادی جنسی محبت جیسی کوئی چیز نہیں تھی۔ ظاہر ہے کہ جسمانی حسن، گہرے تعلقات، مزاج کی یکسانی وغیرہ ایسی باتیں ہیں جن سے مردوں عورتوں میں جنسی تعلق کی خواہش بیدار ہوتی ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ مرد اور عورت، دونوں میں کوئی اس بات سے بے خبر یا بے نیاز نہیں رہتا کہ اتنا گہرا تعلق کس آدمی کے ساتھ قائم ہو رہا ہے۔

لیکن یہ تمام باتیں مل کر بھی ہمارے زمانے کی جنسی محبت سے بہت پیچھے ہیں۔ قدیم زمانے میں ہر جگہ شادی

ماں باپ کرتے تھے۔ فریقین چپ چاپ ان کی باتوں کو مان لیتے تھے۔ قدیم زمانے میں زن و شوہر کی محبت اگر کہیں کچھ تھی تو وہ کوئی داخلی میلان نہیں بلکہ ایک خارجی فرض کی ادائیگی تھی۔ وہ شادی کا سبب نہیں بلکہ اس کا ایک نتیجہ تھی۔ موجودہ زمانے میں سرکاری سماج کے باہر ہوتی تھیں۔ وہ چرواہے جن کی محبت اور خوشی اور غم کے گیت تھیو کریٹس اور موس چس نے گائے ہیں یا لانگس نے "دافنی اور کلونی" میں جن لوگوں کی داستان سنائی ہے وہ محض غلام تھے، جن کا ریاست میں جو آزاد شہریوں کی چیز تھی، کوئی حصہ نہیں تھا۔ غلاموں کے علاوہ اگر محبت کہیں ملتی ہے تو وہ نتیجہ ہے قدیم دنیا کے زوال کا، جب اس کا شیرازہ منتشر ہونے لگا تھا۔ اور یہ محبت بھی ایسی عورتوں کے ساتھ کی جاتی تھی جو سماج کے اصلی دائرے سے باہر تھیں یعنی پینتاری سے کی جاتی تھی جو یا تو اجنبی عورتیں تھیں یا غلامی سے آزادی کی ہوئی عورتیں تھیں۔ ایتھنز میں اس کے زمانہ زوال کی ابتدا سے لے کر بعد تک اور روم میں شہنشاہوں کے عہد میں اسی قسم کی محبت پائی جاتی تھی۔ آزاد مرد اور عورت شہریوں میں اگر واقعی کبھی محبت ہوتی تھی تو وہ زنا کاری کی صورت میں ہوتی تھی۔ اور جنسی محبت کا جو مفہوم ہمارے یہاں ہے وہ قدیم زمانے کے مشہور عشقیہ شاعر اناکریون کے لئے اتنا بے معنی تھا کہ اسے اس بات سے بھی کوئی مطلب نہیں تھا کہ اس کا محبوب عورت ہے یا مرد۔

ہماری جنسی محبت قدیم زمانے کے لوگوں کی محض جنسی شہوت سے، ان کی "ایراس" سے بہت مختلف ہے۔ جنسی محبت کے لئے ضروری ہے کہ مرد و عورت ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں۔ اس اعتبار سے عورت کا وہی درجہ ہے جو مرد کا۔ اس کے برخلاف قدیم زمانے کے "ایراس" میں عورت کی مرضی کا ہمہ خیال بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ دوسرے، جنسی محبت میں اب اتنی شدت اور پائیداری آگئی ہے کہ دونوں فریق جدائی اور فراق کو اگر سب سے بڑی نہیں تو بہت بڑی مصیبت ضرور سمجھتے ہیں ایک دوسرے کا وصال حاصل کرنے کے لئے وہ کیا کیا خطرے مول لیتے ہیں، جان جو کھم میں ڈالتے ہیں۔ قدیم زمانے میں اگر کبھی ایسا ہوتا بھی تھا تو محض زنا کاری کے لئے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جنسیت تعلق کے محاسبے کے لئے ایک نیا اخلاقی معیار قائم ہو رہا ہے۔ اب سوال صرف یہ نہیں کہ جنسی تعلق جائز تھا یا ناجائز بلکہ یہ بھی ہے کہ اس کی بنیاد باہمی محبت پر تھی یا نہیں۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ جاگیری یا بورژوا سماج میں اس نئے معیار کا بھی عملاً وہی حشر ہو رہا ہے جو اور کبھی اخلاقی معیاروں کا ہوا..... یعنی اسے بھی محض نظر انداز کر دیا گیا۔ لیکن اس کا حشر ان سبھوں سے زیادہ برا بھی نہیں ہوا۔ اور معیاروں کی طرح اسے بھی محض نظری طور پر، کاغذی طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اور سر دست اس سے زیادہ کوئی امید بھی نہیں کی جاسکتی۔

جنسی محبت کی طرف قدم اٹھانے کے بعد عہد قدیم نے جہاں سے سلسلہ توڑ دیا وہیں سے عہد وسطیٰ نے اس کی ابتدا کی..... یعنی زنا کاری سے۔ ہم سو ماؤں کی سرفروشانہ محبت کا ذکر کر آئے ہیں جس سے "نعمت سحر" کی تخلیق ہوئی تھی۔ اس قسم کی محبت میں جس کا مقصد ازدواجی زندگی کے رشتے کو منقطع کرنا تھا اور اس محبت میں جس

کی بنیاد پر ازدواجی زندگی قائم اور استوار ہوتی ہے، بڑا گہرا فرق ہے اور ساتوں سوراؤں کے عہد نے اس خلیج کو پاٹنے میں کبھی کوئی کامیابی حاصل نہیں کی۔ جب ہم بدچلن لاطینیوں سے ہو کر پاکباز جرمنوں تک پہنچتے ہیں تو وہاں بھی یہی دیکھتے ہیں کہ "نی بیلونگ کا گیت" میں کریم ہلدا کو در پردہ سگفرید سے عشق ہو گیا ہے۔ اور وہ بھی اس سے اتنی ہی محبت کرتا ہے۔ اس کے باوجود جب گتھر اسے بتاتا ہے کہ اس کی سگانی ایک سورما سے کر دی گئی ہے جس کا نام وہ اسے نہیں بتاتا تو کریم ہلدا یہی کہتی ہے کہ

"آپ کو پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ کا فرمان سر آنکھوں پر۔ جیسا حکم دیں گے بندی تعمیل کرے گی۔ حضور جس کو منتخب کریں گے میں اس کو اپنا شوہر بنا لوں گی۔" (28)

اسے یہ خیال تک نہیں آتا کہ اس معاملے میں اس کی اپنی محنت کا بھی کوئی سوال ہو سکتا ہے۔ جس طرح گتھر برون ہلدا کو کبھی ایک باردیکھے بغیر بیاہ لایا تھا، اسی طرح کریم ہلدا کو ایتزل کے ساتھ بیاہ دیا جاتا ہے جسے اس نے کبھی دیکھا بھی نہیں تھا۔ "گدرن" میں (21) بھی یہی ہوتا ہے۔ آئرلینڈ کا سیگابانت ناروے کی دو شیزہ اودتا سے شادی کی درخواست کرتا ہے اور ہیگلینگ کا رہنے والا ہیتیل آئرلینڈ کی ہلدا سے اور آخر میں مورلینڈ کا سگفرید، اور اورمانی کا ہارتموت، اور سیلینڈ کا ہروگ گدرن سے شادی کرنا چاہتے ہیں اور یہاں پہلی بار یہ واقعہ ہوتا ہے کہ گدرن خود اپنی پسند سے ہروگ کے حق میں فیصلہ کرتی ہے۔ عام طور سے ایک نوجوان شہزادے کی دلہن کا انتخاب اس کے ماں باپ کرتے تھے۔ اور اگر وہ زندہ نہ ہوتے تو شہزادہ اپنے سب سے برے باجگزار سرداروں کے مشورے سے اس کا انتخاب کارہتا تھا۔ ان سرداروں کے مشورے کی بڑی اہمیت تھی اور ایسا ہونا ضروری بھی تھا کیونکہ کسی نائٹ یا بیرن (نوابوں کے مختلف درجے) کی شادی خود بادشاہ کی طرح سیاسی اہمیت رکھتی تھی۔ اس کے ذریعے نئے نئے لوگوں سے اتحاد کر کے اپنے طاقت میں اضافہ کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ اس معاملے میں انفرادی پسند ناپسند نہیں بلکہ خاندانی مفاد فیصلہ کن ہوتا تھا۔ ایسی شادی میں محبت کو کیا دخل ہو سکتا تھا؟

عہد وسطیٰ کے شہروں میں "گلڈ" (29) کے اراکین کا بھی یہی حال تھا۔ انہیں جو مراعات حاصل تھیں.... اہل حرفہ کی انجمنوں کی سندیں، اور ان کے مخصوص تحفظات، وہ مصنوعی دیواریں جو انہیں اہل حرفہ کی دوسری انجمنوں سے، اپنے ہم پیشہ دوسرے کارگیروں سے اور اپنے شاگردوں اور نوکھیے لوگوں سے، قانونی طور پر الگ کرتی تھیں.... وہی مراعات اس دائرے کو محدود کئے رکھتی تھیں جس کے اندر اس کو اپنے بیوی چھٹی تھی۔ کون سب سے اچھی اور موزوں ہوگی، وہ سوال انفرادی پسند ناپسند سے نہیں بلکہ خاندانی مفاد کے روشنی میں طے ہوتا تھا۔

مختصر یہ کہ عہد وسطیٰ کے آخر تک زیادہ تر صورتوں میں شادی کی حیثیت وہی رہی جو اس عہد کے شروع میں تھی..... یعنی یہ ایک ایسا معاملہ تھا جس کا فیصلہ وہ دونوں فریق نہیں کرتے تھے جس کو اس سے سب سے زیادہ تعلق تھا۔

سب سے پہلے یہ حال تھا کہ انسان جب دنیا میں آتا تو اس کی شادی پیدائش سے پہلے ہی جنس مخالف کے ایک پورے گروہ کے ساتھ ہو چکتی تھی۔ گروہ دار شادی کی بعد کی شکلوں میں بھی غالباً اسی قسم کے تعلقات قائم رہے۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس گروہ کا دائرہ برابر محدود ہوتا جا رہا تھا۔ جوڑا بیاہ میں یہ قاعدہ تھا کہ مائیں اپنے بچوں کی شادی طے کرتی تھیں۔ اور وہاں بھی فیصلہ کن سوال یہ تھا کہ کون سا رشتہ، گن اور قبیلے میں نئے جوڑے کی حیثیت کو مضبوط کرے گا۔ اور جب اجتماعی ملکیت کے اوپر ذاتی ملکیت کا غلبہ ہوا اور وراثت کے خیال کے ساتھ ساتھ پداری حق اور یک زوجگی کا رواج ہوا تو شادی زیادہ سے زیادہ اقتصادی مصلحتوں پر منحصر ہونے لگی۔ شادی کی وہ شکل تو نہیں رہی جس میں بیوی خریدی جاتی تھی لیکن شادی زیادہ سے زیادہ اس طرح انجام دی جانے لگی کہ نہ صرف عورت بلکہ مرد کی قدر و قیمت کا اندازہ بھی ذاتی اوصاف کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کی جائیداد اور ملکیت کی بنیاد پر کیا جانے لگا۔ شروع ہی سے حکمران طبقوں میں جو رواج چلا آتا تھا اس میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ شادی میں دو لہا دلہن کی اپنی مرضی اور پسند کو جوئی دخل ہونا چاہئے۔ ایسی باتیں صرف رومان کی خیالی دنیا میں ممکن تھیں یا پھر مظلوم طبقوں میں ہو سکتی تھیں اور ظاہر ہے کہ وہ قابل اعتنا نہیں تھے۔

یہ تھی صورت حال جب سرمایہ دارانہ پیداوار نے جغرافیائی دریا فتنوں کے دور کے بعد تجارت و حرفت کے ذریعے دنیا کو فتح کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ یہ خیال ہوتا ہے کہ شادی کا یہ طریقہ اس نظام پیداوار کے لئے بہت زیادہ موزوں تھا۔ اور بات بھی یہی تھی۔ لیکن تاریخ کی ستم ظریفیوں کی تہہ تک کون پہنچ سکتا ہے؟ سرمایہ دارانہ نظام پیداوار نے ہی بیاہ کے اس طریقے کی بنیاد ہلا دی۔ اس نے ہر چیز کو جنس تبادلہ (یعنی بکاؤ مال) بنا دیا۔ اس نے تمام قدیمی روایتی تعلقات کا شیرازہ منتشر کر دیا۔ موروثی رسم و رواج اور تاریخی حقوق کے بدلے اس نے خرید و فرخت یا "آزاد" معاہدے کو رواج دیا۔ اور انگریزوں کے ماہر علم قانون میسن نے لکھا کہ پچھلے ادوار کے مقابلے میں ہماری ساری ترقی یہ ہے کہ ہم اب رتبے اور حیثیت سے ترقی کر کے معاہدے تک پہنچ گئے ہیں (from status to contract) ایک ایسی صورت حال سے جو باپ سے بیٹے تک جوں کی توں منتقل ہوتی تھی۔ ہم ایک ایسی حالت میں پہنچ گئے جہاں اپنی رضامندی سے معاہدے کئے جاتے ہیں۔ میسن کا خیال تھا کہ یہ لکھ کر اس نے کوئی بڑا بھاری انکشاف کیا ہے حالانکہ اس کے قول میں جو کچھ سچائی ہے وہ پہلے ہی "کیونٹ مینی فٹنو" میں بیان کر دی گئی تھی۔ (30)

لیکن معاہدہ کرنے کے لئے ایسے لوگوں کا ہونا ضروری ہے جو اپنا، اپنے اعمال کا اور اپنی چیزوں کا آزادی کے ساتھ لین دین کر سکیں اور جو ایک دوسرے سے مساوات کی بنیاد پر مل سکیں۔ سرمایہ دارانہ نظام پیداوار کا ایک خاص کام ایسے ہی "آزاد" اور "مساوی" لوگوں کی تخلیق کرتا تھا۔ ابتدا میں اگرچہ یہ کام محض نیم شعوری طور پر اور

تقصی طور پر مذہب کے پردے میں کیا گیا، تاہم لوٹھر اور کالون کی تحریک اصلاح کے زمانے سے یہ پختہ اصول بن گیا کہ انسان اپنے اعمال کے لئے پوری طرح ذمہ دار اسی وقت ہوتا ہے جب اسے ان کاموں کو کرتے وقت اپنے ارادے کی پوری آزادی حاصل ہو اور یہ کہ غیر اخلاقی کاموں کے لئے جو دباؤ ڈالا جاتا ہے اس کی مخالفت کرنا ہر انسان کا اخلاقی فرض ہے۔ لیکن بیاہ کا جو طریقہ رائج تھا، اس کے ساتھ اس اصول کا کیا تعلق ہو سکتا تھا؟ بورژوا تصورات کے مطابق شادی ایک معاہدہ ہے، ایک قانونی معاملہ ہے۔ اتنا ہی نہیں۔ وہ سب معاہدوں سے زیادہ اہم بھی ہے کیونکہ اس میں زندگی بھر کے لئے دو انسانوں کے جسم و جان کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ بظاہر یہ سودا اپنی مرضی سے کیا جاتا تھا۔ فریقین کی رضامندی کے بغیر شادی نہیں کی جاتی تھی۔ لیکن کون نہیں جانتا کہ رضامندی کیسے حاصل کی جاتی تھی اصل میں شادی کون لوگ طے کرتے تھے۔ لیکن اگر اور سبھی معاہدوں کے لئے فیصلہ کرنے کی پوری آزادی کا مطالبہ تھا تو پھر اس معاہدے کے لئے بھی اس کا مطالبہ کیوں نہ ہو؟ کیا اس نوجوان لڑکے اور لڑکی کو جو ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لئے باندھے جانے والے تھے، یہ حق نہیں تھا کہ آزادی کے ساتھ اپنے بارے میں، اپنے جسم اور اس کے اعضا کے بارے میں فیصلہ کریں؟ کیا سوراؤں کے سرفروشانہ عشق کی بدولت جنسی محبت کا فیشن نہیں ہو گیا تھا اور کیا سوراؤں کی زنا کاری کی محبت کے برخلاف شوہر اور بیوی کجبت اس کی صحیح بورژوا شکل نہیں تھی؟ لیکن اگر شادی شدہ جوڑوں کا یہ فرض تھا کہ وہ ایک دوسرے سے محبت کریں تو کیا یہ عاشق و معشوق کا اتنا ہی زیادہ فرض نہیں تھا کہ وہ ایک دوسرے کے علاوہ اور کسی سے شادی نہ کریں؟ اور کیا ان محبت کرنے والوں کا حق باپ ماں، رشتہ داروں اور دوسرے رشتے ناتے لگانے والوں کے حق سے بلند تر نہیں تھا؟ اگر آزادی کے ساتھ ذاتی تحقیق و تفتیش کرنے کا حق درآتا ہوا کلیسا اور مذہب کے دائرے میں گھس آیا تھا تو پھر وہ نئی نسل کے جسم و جان کے اوپر، ان کی ملکیت، خوشی اور غم کے اوپر پرانی نسل کے لوگوں کے ناقابل برداشت دعووں کے سامنے پہنچ کر کیسے رک جاتا؟

ایک ایسے دور میں جبکہ سارے پرانے سماجی بندھن ڈھیلے ہو رہے تھے اور تمام روایتی تصورات کی بنیادیں ہلنے لگی تھیں، یہ سبھی سوالات لازمی طور پر اٹھ رہے تھے۔ چشم زون میں دنیا کی وسعت دس گنا بڑھ گئی تھی۔ پہلے جہاں مغربی یورپ والوں کی نظروں کے سامنے کرہ زمین کے نصف کا بھی محض ایک چوتھائی حصہ تھا، اب پورے کرہ زمین کے دروازے ان پر کھل گئے تھے اور وہ باقی ساتوں ربعات پر اپنا جھنڈا نصب کرنے کے لئے دوڑ پڑے تھے۔ عہد وسطیٰ کے بندھے نکلے نکلے ذہن پر جو ہزاروں سال پرانی چوکیاں بٹھا رکھی تھیں وہ دیکھتے دیکھتے اسی طرح ختم ہو گئیں جس طرح ارض وطن کی پرانی تنگ حد بندیاں۔ ایک نہایت وسیع افق انسان کی ظاہری اور باطنی آنکھوں کے سامنے کھل گیا تھا۔ وہ نوجوان جن کی آنکھوں میں ہندوستان کی دولت ساگتی تھی، جو میکسیکو اور

پلوہی کی سونے چاندی کی کانوں پر اپنا ایمان دھرم کھو بیٹھے تھے، ان کے لئے شرافت و نجات کی اور پیشہ وراغمنوں کے نسل در نسل چلے آنے والے پرانے امتیازات اور مراعات کی کیا وقعت ہو سکتی تھی؟ یہ بورژوا طبقے کا ہم جو سورمائی عہد تھا، اس کا اپنا رومان بھی تھا، پریم کے سینے بھی تھے لیکن ان کی بنیاد بورژوا تھی اور آخر تک تجزیہ کیا جائے تو اس کے پیش نظر مقصد بھی بورژوا تھا۔

چنانچہ اس طرح نوخیز بورژوا طبقے نے، خاص کر پروٹسٹنٹ ملکوں میں جہاں موجودہ نظام کی بنیادیں سب سے زیادہ ہل گئی تھیں، شادی میں بھی معاہدے کی آزادی کو زیادہ سے زیادہ تسلیم کر لیا اور مذکورہ بالا طریقے سے اس کو عملی جامہ بھی پہنایا۔ شادی طبعاتی شادی ہی رہی مگر اپنے طبقے کی حدود کے اندر فریقین کو کسی حد تک انتخاب کی آزادی مل گئی۔ اور کاغذ پر، اخلاقیات کے اصولوں میں اور شاعری میں بھی یہ چیز مان لی گئی کہ ہر وہ شادی جس کی بنیاد فریقین کی باہمی جنسی محبت اور شوہر اور بیوی کی حقیقی اور آزادانہ رضامندی پر نہیں ہے وہ شادی اخلاق سے گری ہوئی ہے۔ مختصر یہ کہ محبت کی شادی کو انسانی حق کا درجہ دے دیا گیا۔ وہ صرف مرد کا حق (droit de l'homme) ہی نہیں بلکہ ایک مستثنیٰ کو طور پر، عورت کا حق (droit de la femme) بھی تھا۔

لیکن ایک اعتبار سے یہ انسانی حق تمام دوسرے نام نہاد انسانی حقوق سے مختلف تھا۔ عملاً ان نام نہاد انسانی حقوق کی عملداری حکمراں طبقے یعنی بورژوا طبقے تک ہی محدود تھی اور مظلوم طبقہ یعنی مزدور براہ راست یا بالواسطہ ان سے محروم تھے۔ لیکن تاریخ کی ستم ظریفی نے یہاں بھی اپنا اثر دکھلایا۔ حکمراں طبقے پر آج بھی ان اقتصادی اثرات کا غلبہ ہے جن سے ہم واقف ہیں اور اس لئے ان میں شاذ و نادر ہی ایسی شادیاں دیکھنے میں آتی ہیں جو حقیقی معنی میں فریقین کی اپنی رضامندی پر مبنی ہوتی ہیں۔ لیکن، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، مظلوم طبقے میں یہی عام قاعدہ ہے۔

غرضیکہ شادی میں پوری آزادی کے اصول پر اسی وقت عملدرآمد ہو سکتا ہے جب سرمایہ دارانہ نظام پیداوار اور اس کے لائے ہوئے ملکیت کے رشتے مٹ جائیں اور اس کی وجہ سے وہ سبھی معنی اقتصادی مصلحتیں بھی ختم ہو جائیں جو آج تک شریک زندگی کے انتخاب پر اتنا گہرا اثر ڈالتی ہیں۔ اور تب باہمی محبت کے سوا شادی کی اور کوئی بنیاد باقی نہیں جنسی محبت کی خاصیت ہی یہ ہے کہ وہ بلا شرکت غیرے محبوب کی طالب ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ بلا شرکت غیرے کے اصول پر آج کل صرف عورتوں کے سلسلے میں پوری طرح عمل کیا جاتا ہے.... اس لئے جو شادی جنسی محبت پر مبنی ہوگی وہ اپنی خاصیت کی بنا پر یک زوجگی پر بھی مبنی ہوگی۔ بوخوفن نے صحیح کہا تھا کہ گروہ دار شادی سے انفرادی شادی کی نشوونما دراصل عورتوں کا کام ہے۔ یہ ہم اوپر دیکھ آئے ہیں۔ صرف جوڑا بیاہ سے یک زوجگی کا ارتقا مرد کا کام ہو سکتا ہے۔ اور تاریخی طور پر سچ پوچھئے تو اس سے عورتوں کی حالت اور خراب ہو گئی اور مردوں کے لئے بے وفائی کرنا اور آسان ہو گیا۔ جب وہ اقتصادی مصلحتیں ختم ہو جائیں گی جن کی وجہ سے مجبور ہو کر عورتوں کو

مردوں کی بے وفائی برداشت کرنی پڑتی تھی یعنی جب انہیں اپنی روزی کی اور اس سے بھی بڑھ کر اپنے بچوں کے مستقبل کی فکر نہیں ستایا کرے گی تو عورتوں اور مردوں میں مساوات قائم ہو جائے گی۔ اور پچھلے تمام تجربوں کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس مساوات کی وجہ سے عورتوں میں متعدد شوہروں سے شادی کرنے کا رجحان نہیں پیدا ہو گا بلکہ اس سے کہیں زیادہ مردوں میں حقیقی یک زوجگی پر عمل کرنے کا رجحان پیدا ہوگا۔

یک زوجگی کے نظام سے کچھ باتیں یقیناً مٹ جائیں گی۔ یہ مشن والی باتیں اس کی وہ سبھی خصوصیتیں ہیں جو ملکیت کے تعلقات سے پیدا ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ لگ گئی ہیں۔ ان میں ایک خصوصیت تو مرد کا غلبہ ہے اور دوسری ہے شادی کے رشتے کا اٹوٹ ہونا۔ ازدواجی زندگی میں مرد کا تسلط اصل میں اس کے اقتصادی تسلط کا نتیجہ ہے اور اس کے ختم ہونے پر وہ بھی آپ ہی آپ ختم ہو جائے گا۔ شادی کے رشتے کے اٹوٹ ہونے کی وجہ ایک حد تک وہ اقتصادی حالات تھے جن کے تحت یک زوجگی قائم ہوئی تھی اور کسی حد تک اس زمانے کے روایتی اثرات تھے جب کہ ان اقتصادی حالات اور یک زوجگی کے تعلق کو صحیح طور پر سمجھا نہیں گیا تھا اور مذہب نے اس کو مبالغے کے ساتھ پیش کیا تھا۔ آج اس دیوار میں ہزاروں شکاف پڑ چکے ہیں۔ اگر صرف وہی شادیاں اخلاقی نقطہ نظر سے صحیح ہیں جو محبت پر مبنی ہیں تو پھر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہی ازدواجی زندگی اخلاقی نقطہ نظر سے صحیح ہے جس میں محبت قائم رہتی ہے۔ انفرادی جنسی محبت کی میرا مختلف افراد میں خاص کر مردوں میں بہت مختلف ہوتی ہے۔ اور جب اس باقی ندر ہے، جب ایک نئی محبت کا پر جوش جذبہ اس کی جگہ لے لے تو علیحدگی فریقین کے لئے اور خود سماج کے لئے بھی ایک رحمت ثابت ہوتی ہے۔ اور ایسی صورت میں لوگ طلاق کے مقدموں کے فضول دلدل میں سے گزرنے کے تجربے سے بچ جائیں گے۔

سرما یہ دارانہ نظام پیداوار کے مٹ جانے کے بعد جنسی تعلقات کی کیا صورت ہوگی، اس کے بارے میں آج ہم جو قیاس آرائی کر سکتے ہیں وہ بہ حیثیت مجموعی منفی قسم کی ہے یعنی زیادہ تر وہ قیاس آرائی صرف اسی حد تک ہے کہ کوئی چیزیں مٹ جائیں گی۔ لیکن کون سی نئی خصوصیتیں ہیں جن کا اضافہ ہوگا؟ اس کا فیصلہ اس وقت ہوگا جب ایک نئی نسل پروان چڑھ چکے گی۔ وہ ایسے مردوں کی نسل ہوگی جنہوں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی عورت کی عصمت چاندی کے چند سکوں کے عوض نہیں خریدی ہوگی اور نہ اسے حاصل کرنے کے لئے کسی اور طرح کے سماجی اختیار سے کام لیا ہوگا۔ اور وہ ایسی عورتوں کی نسل ہوگی جو سچی محبت کے سوا اور کسی وجہ سے اپنے آپ کو کسی مرد کے حوالے کرنے پر مجبور نہیں ہوئی ہوں گی اور نہ انہیں اقتصادی مجبوریوں کے ڈر سے اپنے محبوب سے شادی کا خیال ترک کرنا پڑا ہوگا۔ جب ایسے مرد اور ایسی عورتیں وجود میں آجائیں گی تو پھر انہیں اس بات کی مطلق پروا نہیں ہوگی کہ ہم کیا سوچتے ہیں کہ انہیں کیا کرنا چاہئے۔ وہ خود اپنے ساتھ اپنا عمل لائیں گے اور اسی کے مطابق ہر فرد کے عمل کے

بارے میں اپنی رائے عامہ تیار کریں گے۔ اور یہیں یہ بات ختم ہو جاتی ہے۔
اس اثنا میں ہم پھر مارگن کی طرف رجوع کریں جس کو چھوڑ کر ہم بہت دور نکل آئے ہیں۔ تمدن کے عہد میں
جن سماجی اداروں کی نشوونما ہوئی، ان کی تاریخی چھان بین مارگن کی کتاب کے دائرہ بحث سے خارج ہے۔ وہ اس
عہد میں ایک زوجگی کے انجام کے سوال پر صرف مختصر طور پر بحث کرتا ہے۔ وہ بھی ایک زوجگی کے خاندان کے نشوونما
کو ایک بڑی ترقی سمجھتا ہے۔ اس کے رائے میں اس سے مردوں عورتوں کی مکمل مساوات قریب آ جاتی ہے۔ لیکن
اس کا مطلب یہ نہیں کہ منزل آ پہنچی۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ

"جب ہم یہ مان لیتے ہیں کہ خاندان کی یکے بعد دیگرے چار شکلیں ہوئی ہیں اور اب یہ اس
کی پانچویں شکل ہے تو فوراً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ شکل آئندہ ہمیشہ رہے گی۔ اس کا ایک ہی
جواب دیا جاسکتا ہے۔ اور وہ جواب یہ ہے کہ جیسے جیسے سماج ترکرے گا، خاندان کی شکل میں بھی
ترقی ہوگی، جیسے جیسے سماج میں تبدیلی ہوگی، خاندان کی شکل میں بھی تبدیلی ہوگی۔ یہی پہلے بھی ہوا
ہے، یہی آئندہ بھی ہوگا۔ وہ سماجی نظام کی تخلیق ہے اور اس میں اسی کی تہذیب کی جھلک دکھائی
دے گی۔ جس طرح تمدن کے آغاز کے زمانے سے آج تک ایک زوجگی کے خاندان میں بڑی
ترقی ہوئی ہے اور موجودہ زمانے میں نہایت سوچ بوجھ کے ساتھ ہوئی ہے، اسی طرح کم از کم اتنا
تو کہا ہی جاسکتا ہے کہ اس میں ترقی کی بہت گنجائش ہے۔ اس میں اتنی ترقی ہوگی کہ مردوں اور
عورتوں میں مکمل مساوات قائم ہو جائے گی۔ اگر مستقبل بعید میں ایک زوجگی کا خاندان سماج کے
تقاضوں کو پورا نہ کرے گا تو آج یہ کہنا ناممکن ہے کہ اس کے بعد آنے والے خاندانی نظام کی خاصیت
اور فطرت کیا ہوگی۔"

حوالہ جات

- 1- "دیکھئے" مارکس اور اینگلس کی دستاویزات "جلد 9، صفحہ 21- (ایڈیٹر)
- 2- باخونن نے جو کچھ دریافت کیا سچ پوچھے تو قیاس کیا تھا، اس کو وہ خود نہیں سمجھتا تھا جس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اس
قدے حالت کو hataerism (یعنی کئی عورتیں رکھنے کے رواج۔ مترجم) سے تعبیر کرتا ہے۔ اس لفظ کو پہلے پہل
یونانیوں نے استعمال کیا تھا۔ اس سے ان کی مراد وہ جنسی تعلق تھا جو ان مردوں میں جو بن بیا ہے تھے یا جن کی ایک

بیوی تھی اور بن بیاہی عورتوں میں ہوتا تھا۔ اس وقت شادی کی ایک مخصوص صورت ضروری تھی جس کے دائرے کے باہر یہ جنسی تعلق ہوا کرتا تھا۔ اس میں عصمت فروشی بھی شامل ہے۔ اگر اور کچھ نہیں تو اس کا وجود ممکن تو ہو ہی چکا تھا۔ یہ لفظ کسی اور مفہوم میں کبھی استعمال نہیں ہوا اور مارگن کی طرح میں بھی اس کو صرف اسی معنی میں استعمال کرتا ہوں۔ باخون نے اپنی نہایت اہم دریافتوں کو نہایت پر اسرا اس اور ناقابل فہم بنا دیا۔ اس کی وجہ اس کا یہ مہمل عقیدہ تھا کہ تاریخی ارتقا کے دوران میں مرد عورت کے درمیان جو تعلق قائم ہوتے ہیں۔ وہ اس زمانے کے انسان کے مذہبی خیالت کا نتیجہ ہوتے ہیں ان کے اصلی حالات زندگی کا نہیں۔

3. Letourneau Ch., "L, evolution du mariage et e la famille"

Paris, 1888. ایڈیٹر

4- Westermarch E., " The History of Marriage", London and New

York, 1891. ایڈیٹر

5- Espinas A., " Des societes animales .Etude de psychologie

Comparee", Paris 1877, pp.303-3-4. (ایڈیٹر)

6- Giraud..... Teulon A., " Les origines du mariage et de la famille

", Geneve. 1884. (ایڈیٹر)

7- Bancroft H. H., "The Native races of the pacific States of North

America", Vol. I-V. New York, 1875. (ایڈیٹر)

8- واگنر کی "نی بیلونگ" (Nibelung) کے متن میں قدیم زمانے کی جو بالکل جھوٹی تصویر کھینچی گئی ہے، اس کے بارے میں مارکس نے ایک خط میں بہت ہی سخت الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ یہ خط اس نے 1882 کے موسم بہار میں لکھا تھا۔ (5)۔ "یہ بھلا کسی نے کبھی کا ہے کونسا ہوگا کہ بھائی بہن کو اپنی دلہن بنا کر سینے سے لگا لے؟" (6) واگنر کے ان "شہوت پرست خداؤں" کو، جو بالکل نئے ڈھنگ سے اپنے معاملات عشق میں محرمات کے ساتھ جنسی تعلق کا نمک مرچ بھی لگا لیا کرتے تھے، مارکس نے یہ جواب دیا کہ "قدیم زمانے میں بہن ہی بیوی ہوتی تھی اور یہی اخلاقاً جائز سمجھا جاتا تھا۔" (1884 کے ایڈیشن کے لئے اینگنز کا نوٹ)۔

واگنر کے ایک فرانسیسی دوست اور مداح بوینیے اس نوٹ سے متفق نہیں ہیں۔ وہ اس بات کا حوالہ دیتے ہیں

کہ ایڈلڈ رائڈ Eddal میں بھی، جسے واگنر نے اپنا نمونہ بنایا تھا، آگسدریکا (Ogisdrecka) میں (7) لوکی، فرے یا کو الزام دیتا ہے کہ "تیرا اپنا بھائی دیوتاؤں کے سامنے تجھ سے ہم آغوش ہوا ہے۔ ان دوست کا دعویٰ ہے

کہ اس وقت تک بھائی اور بہن کی شادی کی ممانعت ہو چکی تھی۔ "اگسدریکا" اس زمانے کی ترجمان ہے جب پرانی دیومالا میں لوگوں کا عقیدہ ختم ہو چکا تھا۔ یہ دیوتاؤں پر سچ بچ لوکیان کے طرز کا طنز ہے اگر لوگی میٹسٹوفیلیس (درغلانے والے شیطان۔ مترجم) کی صورت میں اس طرح فرے یا کو الزام دیتا ہے، تو یہ بات واگنر کے خلاف پڑتی۔ چند بندوں کے بعد لوکی، نیورو سے بھی کہتا ہے: "اپنی بہن سے تمہارے (ایبا) ایک لڑکا ہوا" (vidh systur thinni gaztu slikan mog)۔ یہ صحیح ہے کہ نیورو آسانس کا نہیں بلکہ وائلس کا تھا (8) اور "اینگلینگ کی رزمیہ داستان" میں کہتا ہے کہ وانا دلش میں بھائیوں اور بہنوں کی شادی کا رواج ہے لیکن آساؤں میں ایسا نہیں ہے۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وانا آسا سے زیادہ پرانے دیوتا تھے۔ بہر حال نیورو آساؤں کے درمیان اس طرح رہتا تھا جس طرح اپنے برابر والوں کے درمیان رہا جاتا ہے۔ اس لئے "اگسدریکا" سے اصل میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس زمانے میں نارویائی دیوتاؤں کی رزمیہ داستان (Saga) کا آغاز ہوا، اس زمانے میں بھائیوں اور بہنوں کی شادی، کم سے کم دیوتاؤں میں، مکروہ نہیں مانی جاتی تھی۔ اگر واگنر کی غلطی کو درگزر ہی کرنا ہے تو شاید "ایڈا" کے بجائے گوئیٹے کا حوالہ دینا بہتر ہوگا کیونکہ گوئیٹے نے دیوتا اور اپسر کے گیت میں عورتوں کے دیوداسی ہونے کے بارے میں ایسی ہی غلطی کی تھی اور اسے آج کل کی عصمت فروشی سے بہت زیادہ ملتا جلتا قرار دیا ہے۔" (1891 کے ایڈیشن میں اینگلز کا نوٹ۔)

9۔ اب اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ بلا فرق و امتیاز جنسی تعلق کے وہ آثار، اس کے نام نہاد "Sumpfzeugung" جن کو باخون سمجھتا تھا کہ اسی نے سب سے پہلے دریافت کیا ہے، گروہ دار شادی کی طرف لے جاتے ہیں۔ "اگر باخون ان" پونا لووان "شادیوں کو" غیر قانونی "سمجھتا ہے تو اسی طرح اس زمانے کا آدمی آج کل کی، قریب یا دور کے رشتے کے بھائی بہنوں کی آپس کی، شادیوں میں سے زیادہ تر کو بدکاری یعنی سگوتر بھائیوں اور بہنوں کی شادی سمجھے گا۔ (مارکس)۔ (دیکھئے مارکس اور اینگلز کی دستاویزات "جلد 9، صفحہ 187۔)

10-Watson J.F. and Kaye J.W., "The People of India ". Vols. I.VI.London, 1868-1872. (ایڈیٹر)

11-Fison L. and Howitt A. W., "Kamilaroi and Kurnai"Melburne, Sydney, Adelaide and Brisbane, 1880.)

(ایڈیٹر)

12- مزید ملاحظہ ہو "مارکس اور اینگلز کی دستاویزات" جلد 9، صفحہ 28۔ (ایڈیٹر)

- 13- مزید ملاحظہ ہو "مارکس اور اینگلو کی دستاویزات" صفحات 26-27- (ایڈیٹر)
- 14- Bachofen J.J., "Das Mutterrecht", Stuttgart, 1861 (ایڈیٹر)
- 15- Professor and Mrs. Louis Agassiz "A Journey in Brazil", Boston-
- 16- ایس۔ سوگن ہائم "انیسویں صدی کے وسط تک یورپ میں زرعی غلامی اور بیگاری کے خاتمے کی تاریخ۔" یہ کتاب سینٹ پیٹریک برگ میں 1861 میں شائع ہوئی تھی۔
- 17- (Sugenheim s., " Geschichte der Aufhebung der Leiberigenchaft und Horigkeit in Europa bi um die Mitte des neunzehnten Jahrhunderts", St. Petersburg, 1861.)
- 18- دیکھئے "مارکس اور اینگلو کی دستاویزات" جلد 9، صفحہ 111- (ایڈیٹر)
- 19- Kovalevsky M., "Tableau des des origines et de l, evolution de la famille et de la propriete", Stockholm, 1890. (ایڈیٹر)
- 20- دیکھئے "مارکس اور اینگلو کی دستاویزات" جلد 9، صفحہ 31- (ایڈیٹر)
- 21- Heusler A., "Instituionen des Deutschen Privatrechts" Bd. II, Leipzig, 1886, S. 271. (ایڈیٹر)
- 22- ضابطہ نیولین۔
- 23- دیکھئے "مارکس اور اینگلو کی دستاویزات" جلد 9، صفحہ 32- (ایڈیٹر)
- 24- ہومر "اوڈیسی" گیت اول۔ (ایڈیٹر)
- 25- اسکیلیس "آرسطیا۔ ایگامنون۔" (ایڈیٹر)
- 26- یورپیڈیز "آرسطیا۔" (ایڈیٹر)
- 27- یہ اشارہ "جرمن آئیڈیالوجی" (فکریات) کی طرف ہے۔ (ایڈیٹر)
- 28- دیکھئے "نی بیلوگ۔ کا گیت" 10 واں گیت۔ (ایڈیٹر)
- 29- گلڈ۔ قرہن وسطی میں ہم پیشہ استاد کار میٹروں کی انجمن یا برادری۔ (ایڈیٹر)
- 30- دیکھئے: مارکس، اینگلو۔ منتخب تصانیف، حصہ اول۔

تیسرا باب

ایروکواس لوگوں کا گن

اب ہم مارگن کی ایک اور دریافت کو لیتے ہیں، جو کم سے کم اتنی ہی اہم ہے جتنی ایک جدی قرابت داری (سگوتر) کے نظاموں سے خاندان کی ابتدائی صورتوں کی دریافت تھی۔ مارگن نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ امریکی انڈین قبیلوں کے اندر سگوتر لوگوں یعنی ایک جدی قرابت داروں کی جو جماعتیں تھیں اور جن کے نام جانوروں کے نام پر رکھے جاتے تھے، وہ بنیادی طور پر وہی چیز تھی جو یونانیوں کی گینیا (genea) اور رومیوں کی گنٹس (gentes) تھی۔ اس نے ثابت کر دیا ہے کہ گن کی ابتدائی صورت اصل میں وہ ہے جو امریکہ میں ملتی ہے اور یونان اور روم کے گن بعد کی پیداوار ہیں اور اسی سے ماخوذ ہیں۔ اس نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ ابتدائی زمانے کے یونانیوں اور رومیوں میں سماج گنوں، فریڈریوں (برادریوں) اور قبیلوں میں منظم تھا۔ ہو بہو ویسی ہی تنظیم امریکی انڈینوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اور (جہاں تک ہماری موجودہ واقفیت ہے) گن ایک ایسا ادارہ ہے جو تمدن کے عہد میں داخل ہونے تک اور یہاں تک کہ اس کے بعد بھی سبھی بربری لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ ان باتوں کا ثبوت مل جانے سے قدیم یونانی اور رومی تاریخ کی مشکل ترین گتھیاں چشم زون میں سلجھ گئیں۔ ساتھ ہی اس دریافت نے قدیم زمانے کے یعنی ریاست کی ابتدا ہونے سے پہلے کے سماجی دستور کی بنیادی خصوصیتوں پر بھی کچھ روشنی ڈالی ہے جس کی کسی کو توقع تک نہ تھی۔ ایک بار جان لینے کے بعد یہ بات کتنی ہی آسان اور سیدھی سادی کیوں نہ معلوم ہو لیکن مارگن اس کا پتہ ابھی حال میں ہی لگا سکا ہے۔ 1871 میں جب اس کی پہلی کتاب شائع ہوئی تھی تو اس وقت تک وہ اس راز کو نہیں پاسکا تھا۔ (1) اور جب مارگن نے اس راز کو پالیا تو انگلستان کے ماہر تاریخ کے ماہر جنہیں اپنے آپ پر بڑا اعتماد تھا، مجبوراً کچھ دنوں کے لئے چپ چاپ چوہوں کی طرح اپنے بلوں میں جا گھسے۔ مارگن نے ایک جدی قرابت داروں (سگوتر لوگوں) کی اس جماعت کے لئے عام طور پر لاطینی زبان کے لفظ گنٹس (gens) کو استعمال کیا ہے۔ یہ لفظ بھی اپنے یونانی مترادف گینوس (gwnos) کی طرح ایک ہی آریائی مادہ گن (gan) سے ماخوذ ہے (جرمن زبان میں قاعدہ کے مطابق آریائی گاف بدل کر کاف ہو جاتا ہے، چنانچہ جرمن میں یہ لفظ کن (kan) ہے جس کے معنی ہیں جننا، جنم دینا، گنٹس (gens) گینوس (genos)،

سنسکرت جاناں (dschanas)، گوتھک کوئی (kuni)، (مذکورہ بالا قاعدے کے مطابق)، قدیم نارڈک اور اینگلو سیکسن کا کن (kyn)، انگریزی کن (kin) وسطی نکسالی ہرمن زبان کا لفظ کیونے (kunne)، سبھی کا ایک ہی مطلب ہے۔ قرابت داری، نسل۔ لیکن لاطینی زبان کا گنس (gens) اور یونانی کا گینوس (genos) خاص طور پر ایسے قرابت داروں کی جماعت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جن کو ایک ہی مورث اعلیٰ کی (اور اس صورت میں مرد مورث اعلیٰ کی) اولاد ہونے کا دعویٰ ہے، اور جو بعض سماجی اور مذہبی اداروں کے ذریعے سے ایک مخصوص کمیونٹی یا برادری کے رشتے میں منسلک ہو گئے ہیں جس کے ابتدائی حالات اور نوعیت کے بارے میں آج تک ہمارے سبھی مورخ تاریکی میں تھے۔

پونا لووان خاندان کے سلسلے میں ہم اوپر دیکھ آئے ہیں کہ شروع میں گن کیسے بنتا ہے اس میں وہ تمام لوگ شامل ہوتے تھے جو پونا لووان شادی کی بدولت اور ان تصورات کے مطابق جو لازمی طور پر اس کے لازم ملزوم تھے، ایک خاص عورت مورث اعلیٰ کی جو اس گن کی بانی تھی، اولاد مانے جاتے تھے۔ چونکہ خاندان کی اس شکل میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ بیچے کا باپ کون ہے، اس لئے نسل صرف عورت سے چلتی ہے۔ اور چونکہ بھائی بہن میں شادی نہیں ہو سکتی تھی اور مرد صرف دوسری نسل کی عورتوں سے شادی کر سکتے تھے، اس لئے ایسی عورتوں سے جو بیچے پیدا ہوتے تھے، وہ مادری حق کے مطابق باپ کے گن سے باہر چلے جاتے تھے۔ اس طرح ہر سگوتر میں صرف لڑکیوں کی اولاد قرابت داری کے دائرے میں رہ سکتی تھی اور بیٹوں کی اولاد اپنی ماں کے گنوں میں چلی جاتی تھی۔ ایک جدی قرابت داروں کی یہ (سگوتر) جماعت جب قبیلے کے اندر انہی جیسی دوسری جماعتوں سے علیحدہ ایک جماعت کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے تو پھر اس کا کیا حشر ہوتا ہے؟

مارگن نے ایرو کو اس لوگوں کے اور ان میں بھی خاص کر سبز کا قبیلے کے گن کو ابتدائی گنوں کی کلاسیکی شکل مانا ہے۔ ہر قبیلے میں آٹھ گن ہیں جن کے نام مندرجہ ذیل جانوروں کے نام پر رکھے گئے ہیں (1) بھیڑیا، (2) بھالو، (3) کچھوا، (4) اود بلاؤ، (5) ہرن، (6) چوہا، (7) بگلا، (8) باز۔ ان میں سے ہر گن میں حسب ذیل رسم و رواج پائے جاتے ہیں:

(1) وہ اپنا ساشم (یعنی امن کے زمانے کا رہنما) اور اپنا سالار (یعنی جنگ کا رہنما) چنتا ہے۔ ساشم کو گن کے اندر سے ہی چنتا پڑتا تھا اور اس کا عہدہ گن کے اندر موروثی ہوتا تھا جس کا مفہوم صرف یہ ہے کہ جیسے ہی یہ جگہ خالی ہوتی اس کو پر کر دیا جاتا تھا۔ جنگی سالار گن کے باہر سے بھی چنتا جاسکتا تھا اور کبھی کبھی جگہ خالی بھی رہتی تھی۔ سابق ساشم کا بیٹا کبھی اس کا جانشین نہیں ہو سکتا کیونکہ ایرو کو اس لوگوں میں مادری حق کا رواج تھا اور اسی لئے بیٹا دوسرے گن کا رکن ہوتا تھا۔ لیکن ساشم کا بھئی یا بھانجا اکثر اس کی جگہ پر چن لیا جاتا تھا۔ انتخاب میں عورت اور مرد دونوں ووٹ

دیتے تھے۔ لیکن جو آدمی چنا جاتا تھا اسے باقی سات گنوں کی منظوری بھی لینا پڑتی تھی، اس کے بعد ہی اسے باقاعدہ ساشم کے عہدے پر بٹھایا جاتا تھا اور یہ رسم تمام اتر کو اس لوگوں کے وفاق کی عام کونسل انجام دیدی تھی۔ اس کی اہمیت آگے چل کر واضح ہوگی۔ گن کے اندر ساشم کا اقتدار محض بزرگانہ اور خالص اخلاقی نوعیت کا ہوتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں جبر کے کوئی ذرائع نہیں تھے۔ اپنے عہدے کی بدولت وہ سپیکر قبیلے کی کونسل کا رکن بھی تھا اور سبھی ایروکواس قبیلوں کی وفاق کونسل کا بھی جنگی سالہ صرف فوجی مہم کے دوران میں حکم دے سکتا تھا۔

(2) گن اپنے ساشم اور جنگی سالہ کو جب چاہے برطرف کر سکتا تھا۔ یہ کام بھی مرد اور عورت مل کر کرتے تھے۔ اس کے بعد برطرف کیا ہوا آدمی اوروں کی طرح ایک عام سپاہی یا شہری کی حیثیت سے رہتا تھا۔ قبیلے کی کونسل گن کی خواہش کے خلاف بھی ساشم کو برطرف کر سکتی تھی۔

(3) کسی شخص کو گن کے اندر شادی کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ گن کا بنیادی قاعدہ تھا جو اس کی شیرازہ بندی کو قائم رکھتا تھا۔ اس ضمنی صورت میں دراصل خون کے اس نہایت مثبت رشتے کا اظہار ہوتا تھا جس کی بدولت ان افراد کو جو یہاں جمع تھے، ملا کر گن بنایا گیا تھا۔ اس معمولی سی حقیقت کو دریافت کر کے مارگن نے پہلی مرتبہ گنوں کی نوعیت کا انکشاف کیا۔ اس وقت تک لوگ گن کی اصل ماہیت کو نہیں سمجھتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ وحشی اور بربری لوگوں کے بارے میں پہلے کی رپورٹوں میں ان مختلف جماعتوں کو جن سے مل کر گن کی تنظیم بنتی ہے، بلا سوچے سمجھے اور بلا کسی فرق اور امتیاز کے قبیلہ، جڑگہ اور ختم وغیرہ کے نام سے پکارا جاتا تھا اور کبھی کبھی یہ بھی کہا جاتا تھا کہ ان کے اندر شادی کرنے کی ممانعت ہے اور اس طرح وہی الجھن پیدا کی گئی جس کو دور کرنے کے لئے مسٹر میک لین نے مداخلت کی اور انہوں نے نیولین کی طرح ایک فرمان نکال کر ربط و نظم قائم کرنا چاہا۔ انہوں نے فرمان صادر کر دیا کہ سبھی قبیلے دو گروہوں میں بٹے ہوتے ہیں، ایک وہ جن میں شادی کرنا منع ہے (exogamous) اور دوسرے وہ جن میں اس کی اجازت ہے (endogamous) اور اس طرح خوب گڑبڑ پیدا کرنے کے بعد وہ اس چھان بین میں لگ گئے کہ ان کے مہمل گروہوں میں سے کون سا گروہ زیادہ پرانا ہے۔ گن کی دریافت کے ساتھ یہ بے وقوفی کی باتیں آپ ہی آپ ختم ہو گئیں..... گن خون کے رشتوں کی بنیاد پر بنتے تھے اور اس کے رکن آپس میں شادی نہیں کر سکتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایروکواس لوگ ارتقا کی جس منزل پر تھے، اس میں گن کے اندر شادی کی ممانعت کے اس قاعدہ پر سختی کے ساتھ عمل ہوتا تھا۔

(4) مرنے والے کی جائیداد گن کے باقی لوگوں میں تقسیم کر دی جاتی تھی کیونکہ اس جائیداد کو گن کے اندر ہی رہنا تھا۔ چونکہ کوئی ایروکواس شخص مرنے پر بہت ترک نہیں چھوڑ سکتا تھا اس لئے وہ گن کے اندر بہت ہی قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ جب کوئی مرد مرتا تو اس کی جائیداد اس کے سگے بھائی بہنوں میں اور اس کے ماموں میں

بانٹ دی جاتی۔ اور جب کوئی عورت مرتی تو اس کے اپنے بچوں اور اپنی بہنوں میں، مگر اس کے بھائیوں کو کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میاں بیوی کو بھی ایک دوسرے کا ترکہ نہیں ملتا تھا اور نہ بچوں کو باپ کی وراثت ملتی تھی۔

(5) گن کے ممبروں کا فرض ہوتا تھا کہ ایک دوسرے کی مدد اور حفاظت کریں اور خاص کر اگر باہر کا کوئی آدمی گن کے کسی ممبر کو نقصان پہنچایا گیا ہو تو اس کا بدلہ لینے میں عملی مدد کریں۔ فرد اپنی حفاظت کے لئے گن کی مدد پر بھروسہ کر سکتا تھا اور کرتا تھا۔ اگر کوئی شخص اسے تکلیف پہنچاتا تو گویا وہ سارے گن کو تکلیف پہنچاتا تھا۔ اسی سے، یعنی گن کے خون کے رشتے سے، خونی انتقام لینے کا رواج پیدا ہوا اور اسے فرض قرار دیا گیا۔ اریو کو اس لوگ اس فرض کو غیر مشروط طریقے پر مانتے تھے۔ اگر گن کے باہر کے کسی آدمی نے گن کے کسی آدمی کو قتل کر دیا تو مقتول کے گن سے تعلق رکھنے والے پر اس خون کا بدلہ لینا ضروری تھا۔ پہلے تصفیہ کرانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ قاتل کے گن کی کونسل بلائی جاتی اور مقتول کے گن کی کونسل کے پاس معاملہ کا تصفیہ کر لینے کے لئے تجویزیں بھیجی جاتیں۔

اس کا طریقہ زیادہ تر یہ ہوتا تھا کہ کونسل اپنی طرف سے معذرت کرتی اور خون بہا کے طور پر پیش قیمت خفیہ بھیجتی۔ اگر ان کو قبول کر لیا جاتا تو بات رفت گزشت ہو جاتی۔ اور اگر نہیں، تو مقتول کا گن بدلہ لینے کے لئے ایک یا متعدد آدمیوں کو تعینات کرتا تھا۔ ان کا کام قاتل کا پیچھا کر کے اس کو قتل کر دینا تھا۔ اگر یہ ہو جاتا تو قاتل کے گن کو شکایت کا کوئی حق نہیں تھا اور سمجھا جاتا کہ بدلہ پورا ہو گیا۔

(6) گن کا اپنا مخصوص نام یا ناموں کا سلسلہ ہوتا تھا جسے سارے قبیلے میں صرف وہی گن استعمال کر سکتا تھا۔ چنانچہ کسی شخص کے نام سے ہی یہ پتہ لگ سکتا تھا کہ وہ کس گن کا آدمی ہے۔ جو شخص گن کا نام استعمال کرتا، اسے گن کے حقوق بھی حاصل ہوتے تھے۔

(7) گن اجنبی آدمیوں کو بھی اپنا ممبر بنا سکتا تھا۔ اور ایسا ہونے کے بعد وہ شخص پورے قبیلے کا ممبر سمجھا جاتا تھا۔ جنگ کے قیدیوں میں سے جن لوگوں کو قتل نہیں کیا جاتا تھا، وہ کسی گن میں شریک کر لئے جاتے تھے۔ اور اس طرح پورے قبیلے کے رکن بن جاتے تھے، اور پھر انہیں قبیلے اور گن کے سارے اختیارات حاصل ہو جاتے تھے۔ اجنبیوں کو گن کے انفرادی ممبروں کی درخواست پر ہی ممبر بنایا جاتا تھا۔ مرد کہتے کہ فلاں اجنبی کو میرا بھائی یا بہن مان لیا جائے۔ اور عورتیں کہتیں کہ اسے میری اولاد مان یا جائے۔ منظوری کے لئے ضروری تھا کہ گن کے اندر شامل کرنے کی رسم باقاعدہ طریقے سے انجام دی جائے۔ جن گنوں میں کسی سبب سے آدمیوں کی تعداد گھٹ کر بہت کم ہو جاتی تھی وہ اکثر دوسرے گنوں سے اجازت لے کر بہت سے لوگوں کو اپنے گن میں شامل کر لیتے تھے۔ اریو کو اس لوگوں میں گن میں شامل کرنے کی رسم قبیلے کی کونسل کے ایک عام جلسے میں انجام دی جاتی تھی اور اس کی حیثیت ایک مذہبی رسم کی ہو گئی تھی۔

(8) انڈین گنوں میں مخصوص مذہبی رسموں کا وجود ثابت کرنا مشکل ہے۔ اور پھر بھی اس میں شک نہیں کہ انڈینوں کی مذہبی رسمیں کم و بیش گنوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ ابروکواس لوگوں میں سال میں چھ مذہبی تقریبیں ہوتی تھیں جن میں الگ الگ گنوں کے ساتھ اور جنگی سالار جو اپنے عہدے کی بدولت "محافظ دین" بھی سمجھے جاتے تھے، پروہتوں اور پجاریوں کا کام کرتے تھے۔

(9) ہرگن کا ایک قبرستان ہوتا تھا۔ ریاست نیویارک کے ابروکواس لوگ اب چاروں طرف سے گورے لوگوں سے گھر گئے ہیں۔ اس لئے ان کا قبرستان باقی نہیں رہا، لیکن پہلے تھا۔ دوسرے انڈین قبیلوں کے اب بھی خود اپنے قبرستان ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر اس شکار دور قبیلے کا، جس کو ابروکواس لوگوں سے قریبی تعلق ہے، اپنا قبرستان ہے، اگرچہ یہ لوگ عیسائی ہیں پھر بھی ان کے قبرستان میں ہرگن کے لئے قبروں کی ایک علیحدہ قطار ہوتی ہے۔ ماں اور اس کے بچے ایک ہی قطار میں دفن کئے جاتے ہیں لیکن باپ کو اس قطار میں جگہ نہیں دی جاتی۔ ابروکواس لوگوں میں چھبہ وکٹین کے وقت سبھی آدمی ماتم کرتے ہیں، قبر تیار کرتے ہیں، جنازے پر تقریر کرتے ہیں وغیرہ۔

(10) گن کی ایک کونسل ہوتی تھی۔ وہ ایک جمہوری مجلس تھی جس میں گن کے تمام بالغ مرد اور عورتیں شامل ہوتی تھیں اور سب کی آواز برابر ہوتی تھی۔ یہی کونسل ساٹھ اور جنگی سالار چنتی یا انہیں برطرف کرتی تھی۔ اسی طرح وہی کونسل اور باقی "محافظین مذہب" کو بھی چنتی اور برطرف کرتی تھی۔ گن کے کسی ممبر کے مارے جانے پر یہی کونسل خون بہا (wergeld) لینے یا خون کا بدلہ خون سے لینے کا فیصلہ کرتی۔ اسی میں اجنبیوں کو گن کے اندر شامل کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔ مختصر یہ کہ گن میں یہی کونسل سارے اختیارات کی مالک تھی۔

امریکی انڈینوں کے ایک عام گن کے حسب ذیل اختیارات ہوتے تھے۔

"ایک انڈین گن کے سبھی رکن ذاتی طور پر آزاد ہیں۔ اور ایک دوسرے کی آزادی کی حفاظت کرنا ان کا فرض ہے۔ انفرادی حقوق اور اختیارات میں سب ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ ساٹھ اور سالاروں کو بھی کوئی فوقیت نہیں۔ یہ ایک ایسی برادری ہے جو قرابت داری کے دھاگے سے بندھی ہوئی ہے۔ آزادی، مساوات اور بھائی چارے کے اصول کا کبھی باقاعدہ اعلان نہیں کیا گیا مگر گن کے یہی بنیادی اصول ہیں۔ گن ایک سماجی نظام کی اکائی ہے، گن وہ بنیاد ہے جس پر انڈین سماج کی تنظیم ہوئی تھی۔ آزادی اور خودداری کا احساس جو انڈینوں کے کردار کی عام خصوصیت ہے، اسی کا نتیجہ ہے۔" (2)

جس وقت امریکہ دریافت ہوا انڈین سارے شمالی امریکہ میں ایسے گنوں میں منظم تھے۔ جو مادری حق کے مطابق بنے تھے۔ ڈکوٹا جیسے محض چند ہی قبیلے ایسے تھے جن میں گن کا زوال شروع ہو چکا تھا اور کچھ ایسے بھی تھے،

جیسے اوجہ اور اوماہا، جن کی تنظیم پدیری حق کے مطابق کی گئی تھی۔

امریکی انڈینوں کے بہت سے قبیلے ایسے تھے جن میں پانچ یا چھ سے زیادہ گن تھا۔ ان میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تین چار یا اس سے بھی زیادہ گنوں کو ملا کر ایک مخصوص گروہ بنا دیا جاتا تھا۔ مارگن نے اس کے انڈین نام کا یونانی مترادف ڈھونڈ کر فریڈی (برادری) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ سیزیکا قبیلے میں اس طرح کی دو فریڈیاں تھیں۔ پہلی میں ایک سے چار نمبر تک کے گن شامل تھے اور دوسری میں پانچ سے آٹھ نمبر تک کے۔ زیادہ گہری چھان بین سے یہ پتہ لگا کہ یہ فریڈیاں اصل میں ان ابتدائی گنوں کی نمائندہ ہیں جن میں سب سے پہلے قبیلے کی تقسیم ہوئی تھی۔ کیونکہ ایک گن میں شادی کی ممانعت ہو جانے کے بعد ضروری ہو گیا تھا کہ ہر قبیلے میں کم سے کم دو گن ہوں تاکہ قبیلے اپنے آزاد وجود کو قائم رکھ سکیں۔ جیسے قبیلہ بڑھتا گیا، ہر گن مزید دو یا زیادہ گنوں میں تقسیم ہوتا گیا اور ہر ایک ان میں سے ایک علیحدہ گن بن گیا۔ اور جو ابتدائی گن تھا یعنی جس میں سبھی لڑکی والے گن شامل ہیں، فریڈی کے گن آپس میں بھائی یا برادر گن ہیں اور دوسری برادری یا فریڈی میں ایک فریڈی کے گن آپس میں بھائی یا برادر گن ہیں اور دوسری برادری یا فریڈی کے گن اس کے رشتے کے بھائی ہوتے ہیں۔ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ یک جدی قرابت داری (سگوتر) کے امریکی نظام میں یہ القاب نہایت حقیقی اور ٹھوس اہمیت رکھتے ہیں۔ ابتدا میں سیزیکا قبیلے کا کوئی آدمی ہرگز اپنی برادری (فریڈی) کے اندر شادی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن بہت دن ہوئے کہ یہ پابندی اٹھا دی گئی ہے اور اب یہ محض اپنے گن تک محدود ہے۔ سیزیکا قبیلے میں یہ روایت چلی آرہی ہے کہ "بھالو" اور "ہرن" نام کے دو گن شروع میں تھے۔ دوسرے گن ان ہی کی شاخیں ہیں جو بعد میں ان سے پھوٹیں۔ ایک بار جب اس ادارے نے جڑ پکڑ لی تو پھر حسب ضرورت اس میں تبدیلی بھی ہوئی۔ توازن قائم رکھنے کے لئے اکثر ایسا بھی ہوا کہ گن ناپید ہو چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف قبیلوں میں ہم ایک ہی نام کے متعدد گنوں کو مختلف برادریوں (فریڈیوں) میں منظم پاتے ہیں۔

ایرو کواس لوگوں میں فریڈی (برادری) کے منصب کسی حد تک سماجی اور کسی حد تک مذہبی ہیں۔ (1) فریڈیاں آپس میں گیند کھیلتی ہیں۔ ہر فریڈی اپنے بہترین کھلاڑیوں کو میدان میں اتارتی ہے۔ فریڈی کے باقی لوگ تماشا دیکھتے ہیں، جنہیں فریڈی کے مطابق الگ الگ صنفوں میں کھڑا کر دیا جاتا ہے اور وہ اپنے اپنے فریق کی جیت کے بارے میں شرط لگاتے ہیں۔ (2) قبیلے کی کونسل میں ہر برادری کے ساشم اور جنگی سالار ساتھ مل کر بیٹھتے ہیں۔ مختلف گرو ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھتے ہیں اور تقریر کرنے والا ہر فریڈی کے نمائندوں کو ایک علیحدہ جماعت کی حیثیت سے خطاب کرتا ہے۔ (3) اگر قبیلے میں کوئی آدمی قتل کر دیا گیا ہو اور قاتل اور مقتول ایک ہی فریڈی کے نہ ہوں تو مقتول کا گن اکثر اپنے برادر گنوں سے اپیل کرتا ہے۔ یہ گن مل کر فریڈی کی کونسل

بلا تے ہیں اور دوسری فریٹری سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ برادری یا فریٹری ہی شروع میں اصل گن تھی اور چونکہ وہ اپنی شاخوں یعنی الگ الگ گنوں سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے اس لئے اس کی کامیابی کی امید بھی زیادہ ہوتی ہے۔ (4) کسی فریٹری کے کسی اہم آدمی کے مرنے پر دوسری فریٹری چھبیر و ٹکٹین کا انتظام کرتی ہے اور مرنے والی کی فریٹری کے لوگ ماتم کرتے ہوئے جنازے کے ساتھ چلتے ہیں۔ اگر کوئی ساشم مر جائے تو دوسری فریٹری کے لوگ ایرو کو اس لوگوں کی وفاقی کونسل میں اطلاع دیتے ہیں کہ اس کی جگہ خالی ہوگئی۔ (5) ساشم کے انتخاب کے وقت فریٹری کی کونسل پھر سامنے آتی ہے۔ برادر گنوں کی منظوری کی حیثیت محض رہی ہے لیکن دوسری فریٹری کے گن مخالفت کرنے والوں کا ساتھ دیتی ہے تو انتخاب کو مسترد کر دیا جاتا ہے۔ (6) پہلے ایرو کو اس لوگوں میں خاص قسم کی پراسرار مذہبی رسمیں ہوتی تھیں جنہیں گورے لوگ medicine- lodges (جادو ٹونا) کہتے تھے۔ سبز کا قبیلے میں یہ رسمیں دو مذہبی گروہ ادا کرتے تھے۔ ہر گروہ ایک برادری کے لئے تھا۔ نئے ممبروں کو شامل کرنے کے لئے باقاعدہ مذہبی رسمیں ادا کی جاتی تھیں۔ (7) اگر، جیسا کہ تقریباً یقینی معلوم ہوتا ہے، فتح امریکہ کے وقت (22) تلس کلا کے چار حصوں (مربعوں) پر جو چار یک جدی گروہ (lineages) قابض تھے۔ وہ چار برادریاں تھیں، تو اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ یونانیوں کی برادریوں اور جرمنوں کے اسی قسم کے یک جدی گروہوں (سگوتروں) گروہ لڑائی میں حصہ لیتا تھا۔ اس کی اپنی الگ سپاہ، الگ وردی اور جھنڈا اور الگ اپنا سالار ہوتا تھا۔

جس طرح کئی گنوں سے مل کر ایک فریٹری (برادری) بنتی تھی اسی طرح، اپنی کلاسیکی (قدیم) شکل میں، کئی برادر یوں سے مل کر ایک قبیلہ بنتا تھا۔ اکثر بہت سے قبیلوں میں جو کمزور ہو گئے ہیں، یہ بیچ کی کڑی یعنی برادری ختم ہو گئی ہے۔

امریکہ میں انڈین قبیلوں کی نمایاں خصوصیتیں کیا ہیں؟

(1) ہر قبیلے کا اپنا علاقہ اور اپنا نام ہوتا تھا۔ اس زمین کے علاوہ جہاں پرستی ہوتی تھی ہر قبیلے کے پاس ایک بڑا علاقہ شکار کھیلنے اور مچھلی پکڑنے کے لئے ہوتا تھا۔ اس کے علاقہ بہت دور تک ایسے زمین تھی جو کسی قبیلے کی نہیں تھی اور جس کے بعد سے دوسرے قبیلے کا علاقہ شروع ہوتا تھا۔ جہاں دو قبیلے ایک دوسرے سے ملتی جلتی زبان بولتے تھے، وہاں بیچ کا یہ غیر مقبوضہ علاقہ نسبتاً مختصر ہوتا تھا۔ اور جہاں ان کی بولیوں میں کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا وہ علاقہ زیادہ بڑا ہوتا تھا۔ ایسے ہی غیر مقبوضہ علاقوں میں جرمنوں کے سرحدی جنگل تھے، وہ بیچ زمین تھی جسے سیزر کے سویویوں نے اپنے علاقے کے چاروں طرف بنا رکھا تھا، ڈنمارک کے باشندوں اور جرمنوں کے درمیان کا sarnholt (ڈینش زبان میں (jarnved, limes Danicus) تھا، جرمنوں اور سلاف لوگوں کے درمیان کے سیکسن

جنگل اور branibor تھے (جس کے معنی سلاف زبانوں میں "حفاظتی جنگل" کے ہیں)، جس سے شہر برانڈنبرگ کا نام ماخوذ ہے۔ یہ سب ایسے ہی غیر مقبوضہ علاقے تھے۔ ان غیر واضح سرحدوں کے بیچ میں جو علاقہ پڑتا تھا وہ قبیلے کی مشترک ملکیت تھی۔ پڑوس کے قبیلے والے بھی اسی تسلیم کرتے تھے اور اگر دوسرے لوگ اس میں گھسنے کی کوشش کرتے تو قبیلہ اس علاقے کی حفاظت کرتا اور انہیں آنے سے روکتا۔ سرحد کے غیر واضح ہونے کی وجہ سے عملی دشواریاں زیادہ تر اسی وقت پیدا ہوئیں جب آبادی بہت بڑھ گئی۔ قبیلے کا نام بہ ظاہر بہت سوچ سمجھ کر نہیں رکھا جاتا تھا۔ اکثر ان کا نام محض کسی اتفاق کی وجہ سے پڑ جاتا تھا۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد پڑوس کے قبیلے والے کسی قبیلے کو اس کے اپنے نام سے نہیں بلکہ کسی اور نام سے پکارے لگے۔ جرمنوں (die Deutschen) کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ تاریخی طور پر ان کا پہلا جامع نام -- جرمانی (Germanen)۔ انہیں کیلوں نے دیا تھا۔

(2) ہر قبیلے کی اپنی ایک خاص بولی ہوتی تھی۔ اصل میں قبیلہ اور بولی دونوں کا دائرہ ایک ہوتا تھا۔ تقسیم در تقسیم سے نئے قبیلوں اور بولیوں کی نشوونما امریکہ میں ابھی حال تک جاری تھی اور یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کا سلسلہ اب بند ہو گیا۔ جہاں دو کمزور قبیلے مل کر ایک ہو گئے ہیں وہاں مستثنیٰ صورتوں میں ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک ہی قبیلے کے اندر دو بہت ملتی جلتی بولیاں بولی جاتی ہیں۔ ایک امریکی قبیلے میں اوسطاً دو ہزار آدمی ہوتے ہیں۔ لیکن چروکی قبیلے میں چھبیس ہزار آدمی ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ایک بولی بولنے والے انڈینوں کی وہ سب سے بڑی تعداد ہے۔

(3) گنوں کے منتخب کئے ہوئے ساشم اور جنگلی سالاروں کو ان کے عہدے پر بٹھانے کا حق قبیلے کو تھا۔
(4) قبیلے کو اختیار تھا کہ چاہے تو گن کی رائے کے خلاف بھی ان دونوں عہداروں کو برخاست کر دے۔ چونکہ یہ ساشم اور جنگلی سالار قبیلے کی کونسل کے ممبر ہوتے ہیں اس لئے ان کے سلسلے میں قبیلے کے ان اختیارات کی تشریح کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جہاں کہیں متعدد قبیلوں کا وفاق قائم ہوا تھا اور ایک وفاقی کونسل میں سبھی قبیلوں کی نمائندگی ہوتی تھی وہاں مذکورہ بالا اختیارات اس ادارے کے ہاتھ میں سونپ دیئے جاتے تھے۔
(5) قبیلے کے مذہبی خیالات (دیومالا) اور عبادت کی رسمیں ایک سی ہوتی تھیں۔ "بربری لوگوں کے مخصوص انداز کے مطابق امریکہ کے انڈین ایک مذہبی قوم تھے۔" (23)

ابھی تک تنقیدی نقطہ نظر سے ان کی دیومالا کی جانچ پڑتال نہیں کی گئی ہے۔ ان لوگوں نے اپنے مذہبی عقائد کو شخصی صورت دے دی تھی.... وہ طرح طرح کے بھوت پریت کو مانتے تھے لیکن وہ بربریت کے جس ابتدائی دور میں تھے، اس میں ابھی تک ان ارواح کوٹھی یا پتھر کے سانچوں میں نہیں ڈھالا گیا تھا، یعنی بت اور مورتیں نہیں بنائی

گئی تھیں۔ فطرت اور اس کے عناصر کی یہ پرستش رفتہ رفتہ بہت سے دیوی دیوتاؤں کی پوجا کی شکل اختیار کرنے لگی تھی۔ ہر قبیلے کے اپنے اپنے تہوار اور عبادت کی مخصوص صورتیں تھیں، جس میں ناچ اور کھیل ہوتے تھے۔ ناچ سبھی مذہبی تقریبوں کا لازمی جزو تھا اور ہر قبیلے کے لوگ علیحدہ علیحدہ اپنے تقریبیں مناتے تھے۔

(6) مشترک معاملات کے لئے قبیلے کی ایک کونسل ہوتی تھی۔ اس میں مختلف گنوں کے سبھی ساشم اور جنگی سالار ہوتے تھے۔ یہ ان گنوں کے سچے نمائندے تھے کیونکہ انہیں ہر وقت برخواست کیا جاسکتا تھا۔ کونسل کا کھلا اجلاس ہوتا تھا جس کے چاروں طرف قبیلے کے دوسرے لوگ کھڑے ہوتے تھے جنہیں بحث میں حصہ لینے اور رائے دینے کا حق ہوتا تھا۔

لیکن فیصلہ کرنا کا اختیار صرف کونسل کو تھا۔ عام قاعدہ یہ تھا کہ ہر شخص جو وہاں پر موجود ہوتا کونسل کو اپنی بات سنا سکتا تھا۔ عورتیں بھی کسی اپنی پسند کے ترجمان کے ذریعے سے اپنی رائے ظاہر کر سکتی تھیں۔ ایلو کو اس لوگوں میں آخری فیصلہ صرف اتفاق رائے سے ہو سکتا تھا۔ جرمن مارک کمیونٹی (برادر یوں) کے زیادہ تر فیصلوں میں بھی یہی صورت تھی دوسرے قبیلوں کے ساتھ اپنے تعلقات متعین کرنے کا کام خاص طور پر قبیلے کی کونسل کا تھا۔ دوسرے قبیلوں کے سفیر اس کے سامنے حاضر ہوتے اور وہی دوسرے قبیلوں میں اپنے ایلو بھیجتے۔ وہی کونسل جنگ اور امن کا فیصلہ کرتی۔ جنگ چھڑنے پر وہی لوگ لڑنے کے لئے بھیجے جاتے تھے جو خود اپنی رضا مندی سے آگے آتے تھے۔ اصولاً ایک قبیلے کی ان تمام قبیلوں سے جنگ تھی جن کے ساتھ باقاعدہ امن کا معاہدہ نہیں تھا۔ ایسے دشمنوں کے خلاف فوجی مہم کی تیاری زیادہ تر چند ایک ممتاز ساونت کرتے تھے۔ وہ ایک جنگی رقص کا انتظام کرتے اور جو کوئی اس ناچ میں شامل ہوتا وہ گویا اس مہم میں شریک ہونے کا اعلان کر دیتا تھا۔ ان لوگوں کو لے کر اسی وقت ایک دستہ بنا لیا جاتا اور فوراً کوچ کر جاتا۔ جب قبیلے کے علاقے پر دوسرے لوگ حملہ کرتے تو اسی حفاظت کا کام بھی اسی طرح رضا کاروں کے ذریعے کیا جاتا تھا۔ رضا کاروں کے ان دستوں کی روانگی اور واپسی کے موقع پر بڑی دھوم دھام سے جشن منایا جاتا۔ ان مہموں کے لئے قبیلے کی کونسل کی منظوری ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی، منظوری نہ تو مانگی جاتی تھی اور نہ دی جاتی تھی۔ ان مہموں کا وہی حال تھا جو جرمن پابند خدمت سپاہیوں کی نجی جنگی مہموں کا تھا جس کی تفصیل تاسیت نے بیان کی ہے۔ فرق صرف یہ ہیں کہ جرمنوں میں پابند خدمت سپاہیوں کی حیثیت کم و بیش مستقل سپاہیوں کی سی تھی۔ امن کے زمانے میں بھی ان کا ایک چھوٹا سا مضبوط دستہ ہوتا تھا جس میں جنگ کے زمانے میں اور رضا کار بھی شامل ہو جاتے تھے۔ ان فوجی دستوں میں بہت لوگ نہیں ہوتے تھے امریکی انڈینوں کی نہایت اہم مہموں میں بھی، جن میں انہیں لڑنے کے لئے بہت دور جانا پڑتا تھا، بہت کم لوگ جاتے تھے۔ جب کسی بڑی لڑائی کے لئے ایسے متعدد دستے ایک جگہ جمع ہوتے تو ہر دستہ صرف اپنے ہی سالار کا حکم مانتا تھا۔ جن کے داؤ

پچھ سالاروں کی کونسل مل کر تیار کرتی تھی تاکہ پوری جنگ ایک ہی داؤ پچھ کے مطابق لڑی جائے۔ چوتھی صدی میں پرائس کے المانی لوگوں نے بھی جنگ کا یہی طریقہ اختیار کیا تھا جس کا حال امیانس مارکٹینس نے بیان کیا ہے۔ (7) بعض قبیلوں میں ایک بڑا سردار ہوتا تھا۔ لیکن اس کے اختیارات بہت محدود تھے۔ وہ بھی ایک ساٹھم تھا جسے ایسے موقعوں پر جبکہ فوری قدم اٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے، عارضی فیصلے کرنے ہوتے تھے۔ لیکن یہ فیصلے اسی وقت تک کے لئے ہوتے تھے جب تک کہ کونسل اپنے اجلاس میں کوئی آخری فیصلہ نہ کر لیتی۔ یہ ایک ایسا عہدہ دار مقرر کرنے کی کوشش تھی جو فیصلوں پر عمل کر سکے، لیکن یہ نہایت کمزور کوشش تھی جس کا مقصد پوری طرح واضح نہیں تھا۔ اور جیسا کہ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا اس کوشش کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا، دراصل جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے اگر کبھی جگہ نہیں تو زیادہ تر جگہوں میں سب سے بڑا فوجی سالار ہی ترقی کر کے ایسا عہدہ دار بن گیا۔

امریکہ کے انڈینوں کی بہت بڑی اکثریت کبھی بھی قبائلی منزل سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ یہ چھوٹے چھوٹے قبیلے تھے جن میں بہت کم لوگ ہوتے تھے، جن میں آپس میں بڑے بڑے غیر مقبوضہ سرحدی علاقوں کی وجہ سے بہت فاصلہ ہوتا تھا۔ اور جو ہمیشہ کی لڑائی جھگڑے کی وجہ سے کمزور ہو گئے تھے۔ اور یہ تھوڑے سے آدمی ایک بہت بڑے علاقے میں بکھرے ہوئے تھے۔ عارضی مصلحتوں کی بنیاد پر قرابت دار قبیلوں میں کہیں کہیں اتحاد قائم ہوتا تھا تو وقتی خطرے کے گزر جانے کے بعد وہ ختم ہو جاتا تھا۔ لیکن بعض علاقوں میں ایسے قبیلے جو شروع میں قرابت دار تھے مگر آگے چل کر غیر متحد ہو گئے تھے، پھر پائیدار وفاقوں کی صورت میں متحد ہوئے اور اس طرح انہوں نے قوموں کی تشکیل کی طرف پہلا قدم اٹھایا تھا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ہمیں اس وفاق کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ صورت ایروکواس لوگوں میں ملتی ہے۔ ان کا ابتدائی وطن مسیسیپی کے مغرب میں تھا جہاں غالباً وہ عظیم ڈکونا نامی نسل کا حصہ تھے۔ وہاں سے نکل کر وہ بہت دنوں تک گھومتے پھرتے رہے اور پھر اس علاقے میں آئے جو آج کل نیویارک کی ریاست ہے۔ وہ پانچ قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے: سیزیکا، کایوگا، اونڈگا، اونیڈا اور موہادک۔ وہ مچھلی، شکار کئے ہوئے جانور اور بہت ہی بھدی قسم کی باغبانی کی پیداوار پر گزار بسر کرتے تھے۔ وہ ایسے گاؤں میں رہتے تھے جو زیادہ تر باڑوں سے گھرے ہوتے تھے۔ ان کی تعداد کبھی بھی بیس ہزار سے زیادہ نہیں ہوئی۔ ان میں متعدد گن تھے جو پانچوں قبیلوں میں پائے جاتے تھے۔ وہ ایک ہی زبان کی مختلف بولیاں بولتے تھے جو ایک دوسرے سے بہت ملتی جلتی تھیں۔ وہ ایک ہی سلسلے کے قطعہ پر رہتے تھے جو پانچوں قبیلوں میں بنا ہوا تھا۔ چونکہ اس علاقے پر انہوں نے ابھی حال میں قبضہ کیا تھا اس لئے قدرتی بات تھی کہ جن لوگوں کو انہوں نے اس جگہ سے ہٹایا تھا ان کے مقابلے میں آپس میں ان پانچوں قبیلوں میں اتحاد تھا۔ حد سے حد پندرہویں صدی کی ابتدا میں یہ چیز بڑھ کر ایک "مستقل اتحاد" یا وفاق کی صورت اختیار کر چکی تھی، جسے اپنی اس طاقت کا اتنا گھمنڈ ہوا کہ اس نے فوراً ہی

دوسروں پر چڑھائی شروع کر دی اور اپنی طاقت کے انتہائی عروج کے زمانے میں یعنی 1675 کے لگ بھگ اس نے آس پاس کے بہت بڑے علاقے کو فتح کر لیا اور وہاں کے باشندوں میں کچھ کو نکال باہر کیا اور کچھ کو خراج ادا کرنے پر مجبور کیا۔ ان انڈینوں میں جو بربریت کے ابتدائی دور سے آگے نہیں بڑھے تھے (جن میں میکسیکو، جدید میکسیکو اور پیرو کے باشندوں کے علاوہ باقی سب شامل تھے) اورو کو اس لوگوں کی وفاقی تنظیم سب سے زیادہ ترقی یافتہ سماجی تنظیم تھی۔ اس وفاق کی بنیادی خصوصیتیں یہ تھیں:

(1) مکمل برابری اور قبیلے کے تمام اندرونی معاملوں میں پوری آزادی کی بنیاد پر پانچ ایک جدید قبیلوں میں مستقل اتحاد قائم تھا۔ وفاق کی اصل بنیاد یہی خون کا رشتہ تھا۔ ان پانچ قبیلوں میں تین پدیری قبیلے کہلاتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے کے بھائی تھے اور باقی دو پسرے قبیلے تھے۔ وہ بھی آپس میں ایک دوسرے کے بھائی تھے۔ تین گن سب سے پرانے تھے اور ان کے زندہ نمائندے پانچوں قبیلوں میں موجود تھے۔ اور دوسرے تینوں کے صرف تین قبیلوں میں تھے۔ ان گنوں میں سے ہر ایک کے ممبر پانچوں قبیلوں میں بھائی بھائی سمجھے جاتے تھے۔ بولی ٹھولی کے فرق کے باوجود زبان کی وحدت اس بات کا اظہار اور ثبوت تھی کہ پانچوں قبیلے ایک ہی نسل سے ہیں۔

(2) وفاق کا انتظامی ادارہ ایک کونسل تھی جس میں پچاس ساشم تھے جن میں ہر ایک کا درجہ اور اعزاز یکساں تھے۔ وفاق سے تعلق رکھنے والی سبھی باتوں پر یہی کونسل فیصلہ کیا کرتی تھی۔

(3) جب وفاق قائم کیا گیا تو یہ پچاس ساشم نئے عہدہ دار کی حیثیت سے مختلف قبیلوں اور گنوں میں بھیج دیے تھے۔ یہ نیا عہدہ خاص طور پر وفاق کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ جب کبھی کسی ساشم کی جگہ خالی ہوتی تو جس گن سے اس کا تعلق ہوتا، وہ نیا ساشم چن لیتا اور جب چاہتا وہ اسے ہٹا دیتا۔ لیکن ساشم کو عہدے پر بٹھانا وفاق کونسل کا کام تھا۔

(4) یہ وفاق ساشم اپنے اپنے قبیلے کے بھی ساشم ہوا کرتے تھے اور ان کو قبیلے کی کونسل میں بیٹھنے اور ووٹ دینے کا حق تھا۔

(5) وفاق کونسل کے سبھی فیصلے اتفاق رائے سے ہوتے تھے۔

(6) قبیلہ وار ووٹ دیا جاتا تھا۔ اس لئے کوئی ایسا فیصلہ کرنے کے لئے جس کی پابندی سب پر لازم ہو، ہر قبیلہ اور اس قبیلے کے تمام کونسل ممبروں کی منظوری ضروری تھی۔

(7) پانچوں قبائلی کونسلوں میں سے کوئی بھی اس وفاق کونسل کا اجلاس بلا سکتی تھی۔ لیکن وفاق کونسل آپ اپنا اجلاس نہیں منعقد کر سکتی تھی۔

(8) وفاق کونسل کے جلسے عام لوگوں کے سامنے ہوتے تھے۔ اورو کو اس لوگوں کے کسی بھی قبیلے سے تعلق رکھنے والا

کوئی آدمی اپنی رائے دے سکتا تھا، لیکن فیصلہ کرنے کا اختیار صرف کونسل کو تھا۔

(9) وفاق کا کوئی باقاعدہ سردار یا انتظامی عہدہ دار نہیں تھا۔

(10) لیکن اس کے دو اعلیٰ جنگی سردار ہوا کرتے تھے جن کے اختیار اور درجے برابر ہوتے تھے۔ (اسپارٹا میں اسی

طرح دو "بادشاہ" اور روم میں دو مشیر یا کونسل ہوتے تھے۔)

یہ تھا وہ تمام سماجی دستور جس کے تحت ایرو کو اس لوگ چار سو برس سے زیادہ عرصہ تک زندگی بسر کرتے رہے اور آج بھی کر رہے ہیں۔ میں نے اس کے متعلق مارگن کا بیان کافی تفصیل سے نقل کیا ہے کیونکہ اس سے ہم ایک ایسے سماج کی تنظیم کا مطالعہ کر سکتے ہیں جس میں اس وقت تک ریاست کا وجود نہیں تھا۔ ریاست کے لئے ایک ایسے مخصوص اقتدار عامہ کی ضرورت ہے جو بحیثیت مجموعی ان لوگوں سے علیحدہ ہو چکا ہو جو اس کے تحت رہتے ہیں۔ اور ماور نے سچی فطری سمجھداری کا ثبوت دیا جب اس نے یہ کہا کہ جرمن مارک کا دستور دراصل ایک خالص سماجی چیز ہے جو ریاست سے بنیادی طور پر مختلف ہے اگرچہ آگے چل کر وہ بڑی حد تک ریاست کی بنیاد کا کام دیتا ہے۔ چنانچہ مور نے اپنی تمام تصنیفات میں اس بات کی چھان بین کی ہے کہ مارکوں، گاؤں، بستیوں اور شہروں کے ابتدائی دستوروں سے باہر اور ان کے ساتھ ساتھ اقتدار عامہ کی تدریجی نشوونما کیوں کر ہوئی۔ شمالی امریکہ کے انڈینوں کو دیکھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک ایسا قبیلہ جو ابتدا میں متحد تھا کیوں کر ایک وسیع براعظم میں پھیل گیا، کیوں کر ایک ایک قبیلہ تقسیم ہوتے ہوئے، کئی قبیلوں کا گروہ، اور ایک پوری جاتی بن گیا۔ کس طرح زبانیں تبدیل ہوتی رہیں حتیٰ کہ نہ صرف آپس میں ایک دوسرے کو سمجھنا ناممکن ہو گیا بلکہ ابتدائی وحدت کے تقریباً سارے آثار مٹ گئے اور کس طرح قبیلے کے اندر ایک ایک گن ٹوٹ کر متعدد گنوں میں بٹ گیا۔ کس طرح پرانی مادری گن آج بھی فریڈی کی شکل میں قائم ہیں اور ان قدیم ترین گنوں کے نام آج بھی دور دور تک بکھرے ہوئے قبیلوں میں ملتے ہیں، جن کو ایک دوسرے سے الگ ہوئے عرصہ گزر گیا۔ آج بھی زیادہ تر انڈین قبیلوں میں گنوں کے لئے بھیڑیے اور بھالو کا نام استعمال ہوتا ہے۔ اوپر جس دستور کا ذکر کیا گیا وہ عام طور پر ان سبھی قبیلوں میں پایا جاتا ہے جو اس کے کہ بہت سے قبیلے ابھی تک قرابت دار قبیلوں کے وفاق کی منزل تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔

لیکن ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جب ایک مرتبہ گن ایک سماجی اکائی بن گیا تو پھر اس کے بعد گن، برادری (فریڈی) اور قبیلے کا پورا نظام ناگزیر طور پر اس لئے کہ قدرتی طور پر ... اس اکائی سے نشوونما پانے لگا۔ یہ تینوں مختلف درجے کے یک جہدی (سگوتز) رشتہ داروں کے گروہ ہیں۔ ہر گروہ بذات خود مکمل ہے اور خود اپنے معاملات کا انتظام کرتا ہے۔ لیکن ہر گروہ سے باقی دونوں کی تکمیل ہوتی ہے۔ جن معاملات کے سنبھالنے کی ذمہ داری ان پر ہوتی ہے وہ بربریت کے ابتدائی دور کے تمام پبلک معاملات ہیں۔ چنانچہ اگر کہیں ہم یہ دیکھیں کہ گن

سماج کی اکائی ہے تو وہاں ہمیں امید کرنی چاہئے کہ قبیلے کی مذکورہ بالا تنظیم سے ملتی جلتی تنظیم بھی ہوگی۔ اور جہاں کہیں کافی مواد ملے گا جیسا کہ مثال کے طور پر یونانیوں اور رومیوں میں ملا ہے، وہاں ہمیں نہ صرف یہ کہ اس تنظیم کا پتہ چلے گا بلکہ ہمارے اندر یہ اعتماد پیدا ہوگا کہ جہاں کہیں پورا مواد نہ ملے وہاں امریکی سماجی دستور کے موازنے سے ہم نہایت مشکل شہادت اور گتھیوں کو حل کرنے میں مدد لے سکتے ہیں۔

اور یہ گن والا دستور اپنی طفلانہ سادگی میں ایک عجیب و غریب چیز ہے! ہر کام نہایت حسن و خوبی کے ساتھ انجام پاتا ہے جس کے لئے نہ پولیس کے کسی سپاہی کی ضرورت ہے، نہ فوج کی۔ نہ وہاں بادشاہ اور امرا ہیں، نہ کوئی گورنر اور منصف وغیرہ، نہ وہاں مقدمے چلتے ہیں اور نہ کسی کو قید کی سزا دی جاتی ہے۔ سارے اختلاف اور جھگڑے وہ سب لوگ آپس میں مل کر طے کر لیتے ہیں جس کو اس سے تعلق ہوتا ہے، مثلاً گن یا قبیلہ یا متعدد گن آپس میں مل کر طے کرتے ہیں۔ خون کا بدلہ خون سے بالکل انتہائی صورتوں میں اور وہ بھی محض شاذ و نادر ہی لیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں کی سزائے موت بھی تو اس کی ایک مہذب صورت ہے جس میں تہذیب کی تمام خوبیاں اور خامیاں دونوں جمع ہو گئی ہیں۔ اگرچہ آج کے مقابلے میں مشترک معاملات زیادہ ہیں.... مثلاً خانہ داری متعدد خاندانوں کے لوگ مل کر اور کمیونٹی ڈھنگ سے چلاتے ہیں، زمین قبیلے کی ملکیت ہوتی ہے اور صرف چھوٹے چھوٹے باغیچے عارضی طور پر الگ الگ گھرانوں کو دے دیئے جاتے ہیں.... پھر بھی ہماری طرح نظم و نسق کی ایک وسیع اور پچیدہ مشینری کا وہاں کوئی وجود نہیں۔ جن لوگوں کو کسی معاملے سے تعلق ہوتا ہے وہ اس کو طے کر لیتے ہیں اور زیادہ تر حال یہ ہے کہ صدیوں پرانے رسم و رواج نے پہلے ہی سب کچھ طے کر کے رکھ دیا ہے۔ وہاں کوئی مفلس اور محتاج نہیں ہو سکتا کیونکہ کمیونٹی گھرانے اور گن ضعیفوں، مریضوں اور جنگ کے پانچوں کے سلسلے میں اپنی ذمہ داری کا پورا احساس رکھتے ہیں۔ سب آزاد اور برابر ہیں، اور اس میں عورتیں بھی شامل ہیں۔ اس وقت تک غلامی کا کہیں کوئی گزر نہیں۔ غیر قبیلے والوں کو اس وقت تک غلام بنانے کا کوئی سوال نہیں تھا۔ جب ایرو کو اس لوگوں نے 1651 کے آس پاس ایریز لوگوں اور 'غیر جانب دار قوم' (24) کو فتح کیا تو ان کو انہوں نے برابری کی بنیاد پر اپنے وفاق میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ جب مفتوح لوگوں نے اس سے انکار کر دیا تبھی ان کو اس علاقے سے نکلنے پر مجبور کیا گیا۔ اور ایسا سماج کس طرح کے مردوں اور عورتوں کے جنم دیتا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ گورے جو ایسے انڈینوں سے مل سکے تھے جو ان کے اثر سے خراب نہیں ہو پائے تھے، وہ سب ان کی خودداری اور وقار نفس، ان کی صاف گوئی، ان کے کردار کی مضبوطی اور ان کی دلیری کے مداح تھے۔

ابھی حال ہی میں ہم نے افریقی میں اس دلیری کی مثالیں دیکھیں۔ چند سال پہلے زولوکا فروں نے اور ان ہی کی طرح وہ ایک مبینہ پہلے نو بین لوگوں نے.... جن میں دونوں قبیلوں میں گن کی تنظیم ابھی زندہ ہے... وہ کچھ

کر دکھایا جو کوئی بھی یورپین فوج نہیں کر سکتی تھی (25)۔ ان کے پاس بندوقیں نہیں تھیں۔ وہ محض نیزے اور بریتھے لے کر گولیوں کی بوچھاڑ میں آگے بڑھتے رہے اور انگریزی سپاؤ کی سنگینوں کی ٹوک تک بڑھتے چلے آئے اور اس قدر قریب آ کر انگریزوں کی پیدل سپاہ میں جو اپنی مضبوط صف بندی کے لئے دنیا بھر میں مشہور ہے، انہوں نے بھگدڑ چا دی اور کئی بار اسے مار بھگا یا۔ یہ سب اس کے باوجود ہوا کہ دونوں کے ہتھیاروں میں بے انتہا فرق تھا اور زولوکافروں میں فوجی خدمت اور فوجی قواعد کا بالکل رواج نہیں تھا۔ وہ بڑے پھرتیلے اور مستعد ہوتے ہیں۔ انگریزوں کو یہ شکایت تھی کہ ایک کافر چوبیس گھنٹے میں ایک گھوڑے سے زیادہ چلتا ہے اور زیادہ تیزی سے چلتا ہے۔ ایک انگریز مصور کا کہنا ہے کہ ان کے جسم کے چھوٹے سے چھوٹے عضلات بھی کوڑا بنانے کی بیٹی ہوئی رسی کی طرح سخت اور ابھرے ہوئے ہیں۔

یہ تھا انسان اور انسانی سماج طبقاتی تقسیم سے پہلے۔ اور اگر ہم ان کی حالت موازنہ آج کل کے متمدن لوگوں کی بڑی اکثریت سے کریں تو موجودہ زمانے کے مزدوروں اور چھوٹے کسانوں میں اور قدیم زمانے کے گن کے آزا لوگوں میں ہمیں بڑا فرق دکھائی دے گا۔

لیکن یہ تصور کا صرف ایک رخ ہے۔ ہمیں بھولنا نہیں چاہئے کہ وہ نظام مر رہا تھا۔ قبیلے کی منزل سے آگے اس کی کوئی نشوونما نہیں ہوئی۔ اور جیسا کہ آگے چل کر دیکھیں گے قبیلوں کے وفاق نے ہی اس کے زوال کی گھنٹی بجادی تھی۔ ایروکواس لوگوں نے دوسروں کو مطیع کرنے کی جو کوششیں کیں ان سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ جو کچھ قبیلے سے باہر تھا وہ قانون کے احاطے سے باہر تھا۔ جہاں اعلیٰ امن کا معاہدہ نہیں ہوا وہاں قبیلے قبیلے میں جنگ تھی اور یہ جنگ ایسی بے رحمی سے لڑی جاتی تھی جو انسان کی خصوصیت ہے اور جس میں وہ تمام دوسرے حیوانوں سے بڑھا ہوا ہے۔ اس بے رحمی میں کمی آگے چل کر محض ذاتی مفاد کی خاطر ہوئی۔ جیسا کہ ہم نے امریکہ میں دیکھا گن کا دستور جب اپنے عروج پر تھا تب بھی وہ پیداوار کی ایک نہایت غیر ترقی یافتہ حالت پر مبنی تھا جس میں بہت تھوڑے سے لوگ ایک نہایت وسیع علاقے میں بکھرے ہوئے تھے۔ اور اس لئے انسان پر خارجی فطرت کا مکمل غلبہ تھا۔ فطرت انسان کے لئے اجنبی، مخالف اور ناقابل فہم چیز تھی۔ اس کے غلبے کی جھلک انسان کے طفلانہ ذہنی تصورات میں ملتی ہے۔ انسان کی دنیا اس کا قبیلہ تھا۔ وہ خود اس کی ذات کے لئے بھی اور اس کی نظروں میں باہر والوں کے لئے بھی آخری سرحد تھی۔ قبیلہ، گن اور ان کے ادارے مقدس اور احترام کے قابل تھے گویا وہ کسی برتر قوت کے مالک تھے جسے فطرت نے کھڑا کر دیا تھا۔ اور فرد اپنے احساسات، خیالات اور اعمال میں بالکل اس کے تابع تھا۔ اس عہد کے لوگ ہمیں نہایت شاندار معلوم ہوتے ہیں لیکن ان میں آپس میں کوئی فرق نہیں دیتا۔ مارکس کے لفظوں میں وہ ابھی تک گویا اولین برادری کی ناف کی ڈوری سے بندھے ہوئے تھے۔ ان اولین برادریوں کی طاقت کو

توڑنا ضروری تھا، اور وہ توڑی بھی گئی۔ مگر اس کو ایسے اثرات نے توڑا جو ہمیں شروع ہی سے ذلیل اور پست معلوم ہوتے ہیں، جنہوں نے قدیم گن سماج کی سادگی اور اخلاقی عظمت کو برباد کر دیا۔ ادنیٰ ترین مفاد کا خیال، ذلیل قسم کا لالچ، بے رحمانہ نفس پرستی اور عیاشی، کمینگی اور ہوس، مشترک ملکیت کی خود غرضانہ لوٹ، انہیں کے سائے میں نیا متمدن سماج، طبقاتی سماج، سامنے آتا ہے۔ چوری، عصمت دری، دھوکہ اور فریب یہی سب پرانے، بے طبقہ گن سماج کی جڑیں کھولتی کرتے اور اس کو تہس نہس کرتے ہیں۔ اور نئے سماج کی ڈھائی ہزار برس کی تاریخ کا کارنامہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسانوں کی بہت بڑی اکثریت پر ظلم ڈھا کر اور اس کا خون پی کر ایک چھوٹی سی اقلیت نے اپنے لئے عیش و عشرت کے محل تعمیر کئے۔ اور آج حالت پہلے سے کہیں زیادہ بدتر ہے۔

حوالہ جات

1۔ ملاحظہ ہو موجودہ کتاب، صفحہ 20۔ (ایڈیٹر)

2۔ ملاحظہ ہو "مارکس اور اینگلس کی دستاویزات" جلد 9، صفحہ 71۔ (ایڈیٹر)

چوتھا باب

یونانی گن

یونانی اور پیلاگی لوگوں کے درمیان اور ان کے علاوہ کچھ اور لوگوں کے درمیان بھی، جو انہی قبیلوں سے نکلے تھے، ماقبل تاریخی زمانے ہی سے وہی تسلسل اور ترتیب ملتی ہے جسے ہم امریکہ کے قدیم باشندوں میں دیکھ چکے ہیں.... یعنی گن، فریٹی (برادری)، قبیلہ اور پھر قبیلوں کا وفاق، انہی کڑیوں میں ان کا سماج منظم تھا۔ ہو سکتا ہے کہیں کہیں، جیسے مثال کے طور پر ڈورین لوگوں میں، فریٹی نہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ قبیلوں کا وفاق ہر جگہ پوری طرح نمودار نہ ہوا ہو۔ لیکن گن ہر جگہ سماج کی بنیادی اکائی تھی۔ یونانی جس وقت تاریخ کے افق پر نمودار ہوئے وہ

تمدن کے دہلیز پر پہنچ چکے تھے۔ یونانیوں اور ان امریکی قبیلوں کے درمیان جس کا ذکر اوپر ہوا ہے، نشوونما کے وہ بڑے دور پڑتے ہیں کیونکہ سورمائی عہد کے یونانی ایلو کو اس لوگوں سے دو دور آگے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یونانی گن پر وہ پرانے دقیقہ نوسی اثرات باقی نہیں رہے تھے جو ایلو کو اس لوگوں کے گن پر دکھائی دیتے تھے۔ گروہ دار شادی کے اثرات بہت دھندلے ہو چکے تھے۔ مادری حق کی جگہ پدری حق قائم ہو چکا تھا۔ اور اس طرح ذاتی دولت کے فروغ نے گن کے دستور میں پہلی بار رختہ ڈال دیا تھا۔ پہلے کے بعد قدرتی طور پر دوسرا رختہ بھی پڑا: پدری حق قائم ہو جانے کے بعد چونکہ ایک دو تہند لڑکی کا ترکہ اس کے شوہر کو ملے گا یعنی اس کے گن کے باہر چلا جائے گا اور اس طرح پورے گن قانون کی بنیاد ہی ٹوٹ جائے گی، اس لئے ایسی صورتوں میں لڑکیوں کو نہ صرف اس بات کی اجازت دی گئی بلکہ انہیں مجبور کیا گیا کہ وہ گن کے اندر ہی شادی کریں تاکہ گھر کی دولت گھر میں رہے۔

گروٹ کی "تاریخ یونان" کے مطابق ایتھنز کے گن کو ایک شیرازے میں باندھنے والے عناصر یہ تھے:

- (1) مشترک مذہبی رسمیں اور ایک خاص دیوتا کے اعزاز میں پجاریوں کے مخصوص حقوق اور اختیارات۔ یہ دیوتا گن کا قدیم مورث اعلیٰ سمجھا جاتا تھا اور اس حیثیت سے اس کا ایک مخصوص لقب تھا۔
- (2) مشترک قبرستان (موازنہ کے لئے دیکھئے: دیو سٹھینیز کی کتاب "یوبولائڈز")۔
- (3) وراثت کے باہمی حقوق۔

- (4) کوئی اگر طاقت سے کام لے تو اس کے خلاف ایک دوسرے کی مدد، حفاظت اور حمایت کرنا ہر ایک کا فرض تھا۔
- (5) بعض صورتوں میں خاص کر کوئی لڑکی جب یتیم ہو جائے یا وراثت پانے والی ہو تو اس کی شادی گن کے اندر کرنا سمجھوں کا باہمی حق اور فرض تھا۔

- (6) ملکیت، کم سے کم کچھ صورتوں میں، مشترک ہوتی تھی جس کا اپنا آرکوں (مختار کل) اور اپنا خزانچہ ہوتا تھا۔
- فریڈریک کی گنوں کو ملا کر بنتی تھی۔ اس کے اندر مختلف حصوں میں اتنا گہرا تعلق نہیں تھا، پھر بھی وہاں ہمیں اسی طرح کے باہمی حقوق اور فرائض دکھائی دیتے ہیں۔ بعض مذہبی رسوم کو وہ ایک ساتھ ادا کرتے تھے۔ فریڈریک کے کسی آدمی کے قتل ہو جانے پر قانونی چارہ جوئی کا حق سب کو تھا۔ اس کے علاوہ ایک قبیلے کی تمام فریڈریک مقررہ عرصے پر بعض مشترک مذہبی رسوم کو ایک سرپرچ کی صدارت میں انجام دیتی تھیں۔ اس سرپرچ کو فائو بیلینس (قبیلے کا بزرگوار) کہتے تھے جو امر (یعنی یو پیٹریڈین) میں سے چنا جاتا تھا۔

یہ تو ہوا گروٹ کا بیان۔ اس پر مارکس کہتا ہے کہ 'یونانی گن میں کوئی بھی وحشی (مثال کے طور پر ایلو کو اس) بلا تامل پہچان لیا جائے گا۔' (1) جب ہم آگے کچھ اور باتوں کا پتہ لگائیں گے تو اس کو پہچاننا اور بھی یقینی ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یونانی گن کی کچھ اور بھی خصوصیتیں ہوتی ہیں۔ وہ یہ ہیں:

(7) نسل پدیری حق کے مطابق چلتی ہے۔

(8) گن کے اندر وارثہ عورتوں کو چھوڑ کر باقی لوگوں کی آپس میں شادی کی سخت ممانعت تھی۔ یہ مستثنیٰ صورت اور اس کے بارے میں یہ باقاعدہ ہدایت یہ بتا رہی ہے کہ پرانا قاعدہ قانون اس وقت تک جاری تھا۔ اس کا ایک اور ثبوت بھی ہے: یہ ایک عام قاعدہ بن گیا تھا کہ جب کسی عورت کی شادی ہوتی تو وہ اپنے گن کے مذہبی رسوم کو ترک کر دیتی اور اپنے شوہر کے گن کے مذہبی رسوم اختیار کر لیتی۔ اسے شوہر کی فریڈی میں شامل کر لیا جاتا تھا۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ عام طور پر اپنے گن کے باہر شادی کرنے کا قاعدہ تھا۔ دیکھا کہ اس کی ایک مشہور عبارت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ بکرنے "چاریکلیئر" میں بھی یہی بات مانی ہے کہ کسی مرد یا عورت کو اپنے گن کے اندر شادی کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

(9) گن میں باہر کے لوگوں کو اپنا لینے کا حق تھا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ اس شخص کو کسی خاندان کے اندر اپنا لیا جاتا تھا۔ لیکن اس کے لئے ایک باقاعدہ جلسہ عام میں رسم ادا کرنی ضروری تھی۔ لیکن اس اختیار سے بہت کم کام لیا جاتا تھا۔

(10) سرداروں کو منتخب اور معزول کرنے کا اختیار۔ ہم جانتے ہیں کہ گن کا اپنا ایک آرکون (مختار کل) ہوتا تھا۔ لیکن یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ یہ عہدہ بعض خاندانوں میں موروثی تھا۔ زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ بربریت کے آخر تک اس عہدے کو تختی کے ساتھ موروثی نہیں بنایا گیا اور ان حالات میں جبکہ ہر گن کے اندر غریبوں اور امیروں کو بالکل مساوی حق حاصل تھا۔ ایسا کیا بھی نہیں جاسکتا تھا۔

گروٹ ہی نہیں بلکہ نیبور، موسن اور قدیم کلاسیکی عہد کے سب پہلے کے مورخ بھی گن کے مسئلے کو حل کرنے میں ناکام رہے۔ یہ صحیح ہے کہ انہوں نے اس کی بعض نمایاں خصوصیتوں کا پتہ لگا لیا تھا مگر گن کو وہ ہمیشہ خاندانوں کا ایک گروہ سمجھتے تھے، اور انہوں نے ایسی صورت حال پیدا کر دی جس میں ان کے لئے گن کی نوعیت اور اس کی ابتدا کو سمجھنا ناممکن ہو گیا۔ گن کے دستور کے تحت خاندان کبھی بھی تنظیم کی اکائی نہیں رہا۔ اور یہ ممکن بھی نہیں تھا کیونکہ شوہر اور بیوی لازمی طور پر دو مختلف گنوں میں ہوتے تھے۔ گن بحیثیت مجموعی فریڈی کے اندر تھے۔ اور فریڈی قبیلے کے اندر تھی۔ مگر جہاں تک خاندان کا تعلق ہے وہ آدھا شوہر کے گن میں آدھا بیوی کے گن میں بنا ہوا تھا۔ ریاست بھی قانون عامہ میں خاندان کو تسلیم نہیں کرتی اور آج تک اس کا وجود صرف دیوانی کے قانون میں تسلیم کیا گیا ہے۔ تاہم آج تک کی قلمبند تاریخ میں ایک نہایت مہمل بات فرض کر لی گئی اور اٹھارہویں صدی میں تو اس کے خلاف کچھ بولنا بھی جرم سمجھا جانے لگا تھا۔ اور وہ خیال یہ ہے کہ یک زوجگی کا انفرادی خاندان ہی وہ محور ہے جس کے گرد سماج اور ریاست نے رفتہ رفتہ تشکیل پائی ہے۔ حالانکہ یہ انفرادی خاندان تمدن کے عہد سے شاید ہی کچھ پرانا ہو۔

مارکس نے لکھا ہے کہ "مسٹر گروٹ یہ بات بھی دھیان میں رکھیں گے کہ اگرچہ یونانی لوگ اپنے گنوں کا ماخذ دیومالا میں بتاتے تھے لیکن ان کے گن، ان کی دیومالا اور اس کے دیوی دیوتاؤں اور نیم دیوتاؤں سے زیادہ پرانے ہیں۔ اور آخر الذکر تو سب دراصل خود ان ہی لوگوں کی تخلیق ہیں۔" (2)

مارگن نے گروٹ کی رائے کو ترجیح دی ہے اور ایک ممتاز اور غیر مشتبہ گواہ کی حیثیت سے اس کا حوالہ دیا ہے۔ گروٹ آگے چل کر بتاتا ہے کہ ایٹھنزر کے ہرگن کا نام اس کے کسی مشہور مورث اعلیٰ سے ماخوذ ہوتا تھا۔ سولون کے زمانے سے پہلی تو عام طور پر، اور اس کے بعد اس صورت میں جبکہ کوئی شخص بغیر وصیت کئے ہوئے مر جاتا تھا، تب اس کا ترکہ اس کے گن والوں (gennetes) کو ملتا تھا۔ اگر کوئی شخص قتل ہو جاتا تو پہلے اس کے رشتہ داروں، پھر اس کے گن والوں اور آخر میں اس کی فریڑی کے لوگوں کا حق اور فرض تھا کہ مجرم پر عدالتوں میں مقدمہ چلائیں۔

"ایٹھنزر کے قدیم ترین قوانین کے بارے میں ہم جو کچھ سنتے ہیں وہ گن اور فریڑی کی تقسیم پر مبنی ہے۔" گن کا ایک مشترک مورث اعلیٰ کی نسل سے ہونا، ایک ایسی پہلی اور گتھی ہے جس سے (بقول مارکس (3) (تعلیم یافتہ کم نظروں) کا داغ چکرا گیا ہے۔ یہ کہنے کو تو وہ کہہ گئے، لیکن یہ نہیں بتا سکتے کہ علیحدہ اور مختلف خاندانوں سے جن کو شروع میں ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں تھا، گن کیسے بن گئے۔ لیکن یہ تو ان کو کسی نہ کسی طرح ثابت کرنا ہی تھا۔ ورنہ پھر وہ گن کی توجیہ کیا پیش کرتے! لہذا وہ چند الفاظ کے دائرے میں گھومتے رہتے ہیں اور اس فقرے سے آگے نہیں جاتے کہ نسب نامہ تو یقیناً فرضی ہے لیکن گن ایک حقیقی چیز ہے۔ اور آخر میں گروٹ کہتا ہے (توسین کے اندر کے فقرے مارکس کے ہیں):

"سلسلہ نسب کی بات ہمیں بہت کم سنائی دیتی ہے کیونکہ عوام کے سامنے اسے محض چند مخصوص ممتاز اور قابل احترام صورتوں کے سلسلے میں پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن زیادہ نامور گنوں کی طرح بالکل معمولی گنوں کی بھی اپنی مشترک مذہبی رسمیں تھیں (کچھ عجیب سی بات ہے، مسٹر گروٹ!) اور مشترک مافوق الانسانی مورث اعلیٰ اور سلسلہ نسب تھا (بالکل معمولی گنوں کے درمیان کتنی عجیب و غریب بات ہے یہ، مسٹر گروٹ!) اسکیم اور آئیڈیل بنیاد (جناب والا، ideal نہیں، مگر carnal جرمن زبان میں fleischlich __ حیوانی بنیاد) سبھی میں ایک ہی تھی۔" (4)

اس پر مارگن کے جواب کا خلاصہ مارکس نے اپنے لفظوں میں یوں کیا ہے: "یک جدی قرابت داری (سگوتر) کا نظام گن کی ابتدائی شکل کے لئے موزوں تھا.... دوسری قوموں کی طرح یونانیوں میں بھی اس کا وجود تھا ... اس نظام کی وجہ سے علم محفوظ رہا کہ گن کے سب لوگوں میں آپس میں کیا رشتہ ہے۔ یہ ان کے لئے بڑی اہم

بات تھی جس کو وہ اپنے ابتدائی بچپن کے زمانے سے ہی سیکھ لیتے تھے۔ جیسے ہی ایک زوجگی کا خاندان قائم ہوا یہ بات ختم ہوگئی۔ گن کے نام نے ہی ایک نسب نامہ تیار کر دیا تھا جس کے مقابلے میں ایک زوجگی کا خاندان بہت معمولی چیز ہوتی تھی۔ یہ نام جن لوگوں کے ساتھ لگا ہوتا تھا، ان کے مشترک سلسلہ نسب کی گواہی دیتا تھا۔ لیکن گن کا نسب نامہ اتنی دور تک جاتا تھا کہ اس کے ممبروں کے لئے اب یہ ثابت کرنا ممکن نہیں تھا کہ ان میں آپس میں خون کا کیا رشتہ ہے۔ صرف وہی تھوڑے سے لوگ اپنا رشتہ ثابت کر سکتے تھے جن کے مشترک مورث نسبتاً حال کے زمانے کے تھے۔ نام خود مشترک سلسلہ نسب کا ثبوت تھا اور ان لوگوں کو چھوڑ کر جو باہر سے گن میں اپنا لئے گئے تھے، اور باقی لوگوں کے لئے وہ ایک قطعی اور پکا ثبوت تھا۔ گروٹ (5) اور نیبور کے کہنے کا مطلب دراصل یہ ہے کہ گن کے لوگوں میں آپس میں ایک جدی قرابت نہیں تھی۔ اس انکار کا نتیجہ یہ ہوگا کہ گن محض ایک فرضی چیز، محض واسطے کی پیداوار ہو کر رہ جائے گا۔ اس طرح کا خیال محض عینیت پرست سائنس دانوں، یعنی حجرہ نشین کتابی کیڑوں کو ہی زیب دیتا ہے۔ چونکہ نسلوں کی سلسلہ بندی، خاص کر یک زوجگی کے آغاز کے بعد سے، بہت دور کی چیز ہوگئی ہے اور ماضی کی حقیقت من گھڑت قصے کہانیوں کے روپ میں ظاہر ہوتی ہے، اس لئے ان کم نظروں نے یہ نتیجہ نکالا اور اب بھی نکالتے ہیں کہ اس خیالی اور فرضی سلسلہ نسب نے اصل میں گنوں کی تخلیق کی ہے۔"

(6) امریکن انڈینوں کی طرح یہاں بھی فریڈی کی ایک مادری گن تھی جو کئی دختر گنوں میں بٹ گئی تھی اور ساتھ ہی انہیں متحد بھی کرتی تھی اور اکثر ان سبھوں کا سلسلہ نسب ایک ہی مشترک مورث اعلیٰ سے ملاتی تھی۔ چنانچہ جیسا کہ گروٹ نے لکھا ہے۔

"ہیکے ٹینس کی فریڈی کے سب ہم عصر ممبروں کا مشترک مورث اعلیٰ سولہ پشت پہلے کا ایک دیوتا تھا۔"

اس لئے اس فریڈی کے سب گن آپس میں برادر گن تھے۔ ہومر نے اس وقت بھی فریڈی کو ایک فوجی اکائی بتایا ہے۔ اس کا تذکرہ ہومر کی اس مشہور عبارت میں ہے جہاں نسترا ایگا مننون کو مشورہ دیتا ہے کہ 'قبیلوں اور فریڈیوں کے حساب سے فوج کی صف بندی کرو تا کہ فریڈی کی مدد فریڈی کرے اور قبیلہ قبیلے کی۔' (7) فریڈی کا کوئی شخص اگر قتل کر دیا جائے تو قاتل کو سزا دلوانا فریڈی کا حق بھی تھا اور اس کا فرض بھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ پہلے زمانے میں فریڈی کا ایک کام خونی انتقام لینا بھی تھا۔ اس کے علاوہ اس کی مشترک عبادت گاہیں اور مذہبی تہوار ہوتے تھے۔ آریوں کا پرانا روایتی دھرم فطرت کی پوجا کرنا تھا اور اس سے یونانیوں کی ساری دیوالا کا ارتقا دراصل گنوں اور فریڈیوں کی بدولت اور انہیں کے اندر ہوا۔ فریڈی کا ایک سردار بھی ہوتا تھا (جس کو فریڈی یا کرس کہتے تھے)۔ اور دی کولائزے کی رائے ہے کہ ہر فریڈی کی سبھائیں ہوتی تھیں جن کے فیصلوں پر عمل کرنا لازمی ہوتا تھا۔ ایک عدالت اور نظم و نسق کا محکمہ ہوتا تھا۔ بعد کے زمانے میں ریاست نے بھی اگرچہ گن کو نظر انداز کر دیا تھا مگر کچھ سرکاری کام

فریٹری کے لئے چھوڑ دیئے تھے۔

متعدد قرابت دار فریٹریوں سے مل کر قبیلہ بنتا تھا۔ اٹیکا میں چار قبیلے تھے جن میں ہر ایک میں تین فریٹریاں تھیں اور ہر فریٹری میں تیس گن تھے۔ قبیلوں، فریٹریوں اور گنوں کی اس باقاعدہ اور مفصل تقسیم کو دیکھ کر یہی خیال ہوتا ہے کہ اس نظام کی تشکیل تو خود بخود ہوئی تھی مگر بعد میں اس میں سوچ سمجھ کر اور باقاعدہ دخل اندازی کی گئی۔ یونانی تاریخ میں اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا کہ یہ بات کب، کیسے اور کیوں ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خود یونانیوں نے، جس زمانے تک کی یاد محفوظ رکھا ہے، وہ سورمائی عہد سے پیچھے نہیں جاتا۔

نسبتاً ایک چھوٹے سے علاقے میں یونانیوں کی گنجان آبادی ایسی ہوئی تھی۔ بولیوں کا اختلاف امریکہ کے وسیع جنگلوں میں جتنا بڑھ گیا تھا، اتنا یونانیوں میں نہیں ہوا۔ تاہم یہاں بھی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ محض ایک ہی بولی بولنے والے قبیلے ایک بڑی شیرازہ بندی میں متحد ہوئے۔ اور چھوٹے سے اٹیکا کی بھی اپنی ایک خاص بولی تھی جو وگے چل کر یونانی نثر کے لئے عام زبان بن کر چھا گئی۔

ہومر کی رزمیہ نظموں میں ہم پاتے ہیں کہ یونانی قبیلے مل کر چھوٹی چھوٹی جاتیاں بن گئیں۔ لیکن ان جاتیوں کے دائرے کے اندر گنوں، فریٹریوں اور قبیلوں نے اپنی آزادی برقرار رکھی۔ وہ دیواروں سے گھرے ہوئے شہروں میں رہنے لگے تھے۔ مویشیوں کے ریوڑ بڑھے، کھیت بنا کر کاشت کئے جانے لگے اور دستکاری کی ابتدا ہوئی تو ساتھ ساتھ آبادی بھی بڑھی اور پھر دولت کا فرق بھی پیدا ہوا جس کی وجہ سے جمہوریت کے اس قدیم نظام میں جس کی فطری طور پر نشوونما ہوئی تھی امریکا کا طبقہ پیدا ہو گیا۔ یہ چھوٹی چھوٹی جاتیاں سب سے اچھی زمینوں پر قبضہ کرنے کے لئے اور لوٹ کے مال کی خاطر بھی، برابر ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتی تھیں۔ جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا رواج عام ہو چکا تھا۔

ان قبیلوں اور چھوٹی جاتیوں کا دستور یہ تھا:

(1) مستقل اقتدار ایک کونسل (bule) کے ہاتھ میں تھا جس میں شروع میں غالباً گنوں کے سردار ہوا کرتے تھے۔ لیکن جب آگے چل کر ان کی تعداد بہت بڑھ گئی تو یہ کونسل گنے چنے لوگوں میں سے بننے لگی۔ اس سے امریکا کی ایک جماعت کو بڑھنے اور تقویت پانے کا موقع ملا۔ دیوانی سینٹس صاف لکھتا ہے کہ سورمائی عہد کی کونسل امریکا (kratistio) پر مشتمل تھی۔ اہم سوالوں پر کونسل کا فیصلہ آخری سمجھا جاتا تھا۔ اسیکلیس کے یہاں تھیبیز کی کونسل نے ایک فیصلہ کیا جس پر عمل کرنا ضروری تھا۔ وہ فیصلہ یہ تھا کہ ایتھوکلیز کی تجہیز و تکفین شان و شوکت سے کی جائے اور پوپینیس کی لاش کتوں کے آگے ڈال دی جائے۔ (8) آگے چل کر جب ریاست وجود میں آئی تو اسی کونسل کو سینٹ بنا دیا گیا۔

(2) عوامی اسمبلی (agora)۔ ایروکواس لوگوں میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ مرد عورت سب کونسل کے اجلاس کے باہر چاروں طرف دائرہ بنا کر کھڑے ہو جاتے تھے اور بحث میں باقاعدہ حصہ لیتے اور فیصلوں پر اثر انداز ہوتے تھے۔ ہومر کے زمانے کے یونانیوں میں یہ چیز جس کو، اگر ہم قدیم جرمن قانونی اصطلاح کا استعمال کریں تو (Umstand) ام اسٹانڈ (9) کہہ سکتے ہیں، ایک مکمل عوامی اسمبلی بن چکی تھی۔ قدیم زمانے کے جرمنوں میں بھی یہی ہوا تھا۔ ہم مسائل طے کرنے کے لئے کونسل اس اسمبلی کا اجلاس بلاتی تھی جس میں ہر مرد کو بولنے کا حق تھا۔ فیصلہ ہاتھ اٹھا کر (جیسا کہ "سیکلیس نے" "ماتھی" میں لکھا ہے) یا زبانی اعلان کے ذریعے بھی کیا جاتا تھا۔ اسمبلی ہی تمام اختیارات کی مالک تھی۔ اس کے اوپر کوئی نہیں تھا۔ شو مان نے اپنی کتاب "یونان کے قدیم آثار (10) میں لکھا ہے کہ

"جب کبھی کسی ایسے مسئلے پر بحث ہوتی جس کو عمل میں لانے کے لئے عوام کے تعاون کی ضرورت

پڑے تو ہومر کہیں بھولے سے بھی یہ نہیں کہتا کہ لوگوں کو ان کی مرضی کے خلاف مجبور کیا جاتا تھا۔"

اس زمانے میں جبکہ قبیلے کا ہر بالغ شخص ایک جنگجو سپاہی تھا کوئی ایسا ریاستی اقتدار انہیں تھا جو عوام سے الگ ہو اور جس کو اس کے خلاف کھڑا کیا جاسکتا ہو۔ قدیم جمہوریت اپنے شباب پر تھی اور کونسل اور سلیٹس کے اختیارات اور ان کی حیثیت کا اندازہ لگانے میں اس بات کو دھیان میں رکھنا ضروری ہے۔

(3) فوجی سالار (basileus)۔ اس سوال پر مارکس نے لکھا ہے کہ "یورپ کے فلسفی جو خود زیادہ تر بادشاہوں کے پیدائشی خادم ہیں۔ سلیٹس کو آج کل کے مفہوم میں بادشاہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔ یا کئی (امریکی) جمہوریت پسند مارگن اس پر اعتراض کرتا ہے۔ بڑے طنز لیکن بڑی سچائی کے ساتھ چارلس گلیڈسٹن اور اس کی کتاب "شباب عالم" (11) کے بارے میں مارگن کہتا ہے:

"مسٹر گلیڈسٹن نے اپنے پڑھنے والوں کے سامنے سورمائی عہد کے یونانی سرداروں کو بادشاہ اور

شہزادہ بنا کر پیش کیا اور ان میں شریف زادوں کی خصوصیتوں کا بھی اضافہ کر دیا ہے۔ لیکن

گلیڈسٹن صاحب کو یہ ماننے پر مجبور ہونا پڑا کہ یونانیوں میں اگرچہ جھپٹائی (یعنی بڑے لڑکے کے

حقدار ہونے) کا رواج باقاعدہ خاصی حد تک تو ضرور ہے لیکن بہت اچھی طرح واضح

نہیں ہے۔" (12)

سچ تو یہ ہے کہ مسٹر گلیڈسٹن نے خود بھی یہ بات محسوس کی ہوگی کہ بڑے لڑکے کے حقدار ہونے کا یہ اتفاقی نظام اگر خاصی حد تک واضح ہے مگر بہت اچھی طرح واضح نہیں ہے تو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہوا۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ جہاں تک عہدوں کے موروثی ہونے کا تعلق ہے، ایروکواس اور دوسرے انڈین قبیلوں

میں سرداروں کے عہدوں کا کیا حال تھا۔ چونکہ تمام عہدہ دار زیادہ تر گن کے اندر سے ہی چنے جاتے تھے، اس لئے اس حد تک یہ عہدے گن کے اندر پیشینی یا موروثی ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ قاعدہ ہو گیا کہ کوئی جگہ خالی ہوتی تو وہ اس شخص کو ملتی تھی جو گن کے حساب سے پرانے عہدہ دار کا سب سے قریبی رشتہ دار ہوتا تھا یعنی وہ عہدہ پرانے عہدہ دار کے بھائی کو یا بہن کے لڑکے کو ملتا تھا۔ یہ قاعدہ اسی وقت توڑا جاتا تھا جب ایسے کرنے کی کوئی مناسب وجہ ہوتی۔ یونان میں چونکہ پدری حق قائم تھا اس لئے بسیلیئس کا عہدہ زیادہ تر پرانے بسیلیئس کے لڑکے کو یا اس کے متعدد لڑکوں میں سے کسی ایک کو ملتا تھا۔ لیکن اس بات سے صرف یہی ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ عام طور پر باپ کی جگہ اس کے کسی لڑکے کو چنتے تھے۔ اس سے یہ ہرگز نہیں ثابت ہوتا کہ عام انتخاب کے بغیر ہی باپ کا عہدہ بیٹے کو قانوناً مل جاتا تھا۔ یہاں ہمیں ایروگوس لوگوں میں اور یونانیوں میں گنوں کے اندر شرفا اور امر کے مخصوص خاندانوں کی پہلی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اور یونانیوں میں تو یہ مستقبل کی موروثی سرداری یا بادشاہت کی پہلی جھلک تھی۔ اس لئے ہمیں یہ مان کر چلنا چاہئے کہ یونانیوں میں بسیلیئس کو یا تو عوام چنتے تھے یا کم سے کم عوام کی تسلیم کردہ جماعت ... کونسل یا اگورا ... کی منظوری لی جاتی تھی جیسا کہ رومی "بادشاہ" (rex) کے سلسلے میں ہوتا تھا۔

"ایلیڈ" میں سوراؤں کا حکمران ایگا ممنون، یونانیوں کے سب سے بڑے بادشاہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک ایسی وفاقی فوج کے سب سے بڑے سالار کی حیثیت سے سامنے آتا ہے جو ایک شہر کا محاصرہ کئے ہوئے ہے۔ اور جب یونانی لوگ آپس میں جھگڑنے لگتے ہیں، تب اوڈیسس اس مشہور ٹکڑے میں اس کی اسی حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے: بہت سے فوجی سالاروں کا ہونا اچھا نہیں ہے۔ ہمارا ایک ہی سپہ سالار ہونا چاہئے، وغیرہ (بعد میں اس میں وہ حصہ بھی جوڑ دیا گیا جس میں عصائے شاہی کا ذکر ہے)۔ (13) "یہاں اوڈیسس اس بات پر لیکچر نہیں دے رہا ہے کہ حکومت کس طرح کی ہونی چاہئے بلکہ اس بات کا مطالبہ کر رہا ہے کہ میدان جنگ میں سب سے بڑے سالار کی ہدایتوں پر عمل کرنا چاہئے۔ ٹرائے کے سامنے یونانی محض ایک فوج کی شکل میں آتے ہیں۔ لیکن ان کی مجلس (agora) کی کارروائی کافی جمہوری ڈھنگ سے ہوتی ہے: جب اکیلیس تحفوں یعنی جنگ کے مال غنیمت کے بٹارے کا ذکر کرتا ہے تو وہ کبھی بھی ایگا ممنون یا کسی دوسرے بسیلیئس کے ذریعے نہیں بلکہ ہمیشہ "ایکیوں کے بیٹوں" یعنی عوام کے ذریعے اس کو تقسیم کرتا ہے۔ اگر کسی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ "زیوس کی اولاد" ہے یا "زیوس نے اس کو پالا پوسا" ہے تو اس سے کوئی خاص بات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ہر گن کسی نہ کسی دیوتا کی اولاد ہوتا ہے چنانچہ اس شخص کا گن زیوس کی نسل سے ہے۔ یہاں تک کہ سوروں کی دیکھ بھال کرنے والے ایویئس اور دوسرے غلام بھی "دیوتاؤں کی نسل" سے (theioidioi) مانے جاتے ہیں۔ اس کا ذکر ہمیں "اوڈیسی" تک میں ملتا ہے اور اس لئے یہ "ایلیڈ" سے بہت بعد کے زمانے کی چیز ہے۔ اسی طرح ہم

"اوڈیسی" میں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ مولیوس نامی رقیب کو اور دیمودوکس نام کے گانے والے ناپینا شاعر کو بھی heros (ہیروس) یعنی سورما کہا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ یونانی مصنفین ہومر کی نام نہاد بادشاہت کے لئے جس لفظ basileia کو استعمال کرتے ہیں (کیونکہ فوجی رہنمائی ہی اس کی خصوصیت حاصل ہے)، پسیلیا کونسل اور عوامی اسمبلی کے ساتھ مل کر محض ایک فوجی جمہوریت ہوتی ہے، اور کچھ نہیں۔" (مارکس) (14)

فوجی ذمہ داریوں کے علاوہ پسیلیئس کو کچھ پروہتی اور کچھ عدالتی ذمہ داریاں بھی ادا کرنے پڑتی تھیں۔ عدالتی ذمہ داریاں بہت صاف نہیں تھیں۔ لیکن پروہت کا کام وہ اپنے قبیلے کے یا متعدد قبیلوں کے وفاق کے سب سے اعلیٰ نمائندے کے حیثیت سے انجام دیتا تھا۔ اس کی نظم و نسق کی ذمہ داریوں کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پسیلیئس اپنے عہدے کے بدولت کونسل کا ممبر ہوتا تھا۔ علم نحو کے قاعدے کی رو سے "پسیلیئس" کا ترجمہ جرمن لفظ "Konig" بالکل صحیح ہے کیونکہ لفظ "Konig" (Kuning) لفظ Kuni یا Kunne سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں گن کا سردار۔ لیکن قدیم یونانی پسیلیئس کو لفظ "Konig" (بادشاہ) کے موجودہ مفہوم سے کوئی نسبت نہیں۔ تھیوسٹیڈیز تو قدیم basileia کو صاف صاف patrike کہتا ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ گن سے نکلا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ پسیلیا کی مخصوص اور اس لئے محدود ذمہ داریاں ہوتی تھیں۔ اور اسطو کا کہنا ہے کہ سورمائی عہد میں پسیلیا آزاد شہریوں کی رہنمائی کرتا تھا اور پسیلیئس فوجی سالار، قاضی اور بڑا پروہت ہوا کرتا تھا۔ مختصر یہ کہ بعد کے زمانے میں حکومت کا جو مطلب ہو گیا، ویسی کوئی طاقت پسیلیئس کے ہاتھ میں نہیں تھی۔ (15)

اس طرح سورمائی عہد کے یونانی سماجی دستور میں جہاں ہم ایک طرف یہ پاتے ہیں کہ پرانے گن نظام اب بھی اتنے ہی زور و شور سے جاری ہے، وہاں ساتھ ہی ہمیں اس کے زوال کی ابتدا بھی دکھائی دینے لگتی ہے۔ اس عہد میں پدری حق مانا جانے لگا ہے اور باپ کی وراثت اس کے بچوں کو ملنے لگی ہے جس سے خاندان کے اندر دولت جمع کرنے کا رجحان بڑھتا ہے اور گن کے مقابلے میں خاندان کے طاقت بڑھتی ہے۔ کچھ لوگوں کے پاس کم اور کچھ کے پاس زیادہ دولت ہو جانے کا سماج کے دستور پر اثر پڑتا ہے اور پہلی بار موروثی شرفا اور بادشاہت کی داغ بیل پڑتی ہے۔ غلامی کی ابتدا ہوتی ہے، جو پہلے جنگ کے قیدیوں تک محدود تھی لیکن جو قبیلے کے اندر اور خود اپنے گن کے اندر کے لوگوں کو غلام بنانے کا راستہ صاف کرنے لگی تھی۔ پرانے زمانے میں مختلف قبیلوں میں جنگ ہوا کرتی تھی، اب اس کی جگہ مویشیوں، غلاموں اور دولت کو لوٹنے کے لئے زمین اور پانی کے راستے حملے کئے جانے لگے۔ روزی حاصل کرنے کا یہ ایک باقاعدہ ذریعہ بن گیا۔ مختصر یہ کہ دھن دولت کو دنیا کی سب سے بڑی نعمت سمجھا جانے لگتا ہے اور دولت کی اس جبری لوٹ کو جائز قرار دینے کے لئے پرانے گن سماج کے اداروں اور رواجوں کو توڑ

مڑور کر پیش کیا جاتا ہے۔ اب صرف ایک چیز کی کمی تھی: کوئی ایسا ادارہ نہیں تھا جو نہ صرف افراد کی نئی حاصل کی ہوئی ذاتی ملکیت کو گن کے نظام کی کمیونٹی روایات سے بچا سکے، جو نہ صرف ذاتی ملکیت کو، جو کہ پہلے زیادہ قدر کی نگاہوں سے نہیں دیکھی جاتی تھی، قابل احترام قرار دے اور اس حرمت اور تقدس کو انسانی سماج کا اعلیٰ ترین مقصد قرار دے، بلکہ جو ملکیت حاصل کرنے کے اور دولت میں برابر تیزی سے اجافہ کرتے رہنے کے نت نئے ابھرنے والے طریقوں پر قبول عام کی مہر بھی لگا دے، جو نہ صرف سماج میں نئی پیدا ہونے والی طبقاتی تقسیم کو مستقل بنا دے۔ بلکہ ملکیت والے طبقوں کے ہاتھوں ملکیت سے محروم طبقوں کے استحصال (exploitation) کے حق کو اور محروم طبقوں پر ملکیت والے طبقوں کی حکومت کو پائیدار بھی بنائے۔

اور یہ ادارہ بھی آپہنچا۔ ریاست (state) ایجاد ہوئی۔

حوالہ جات

- 1- ملاحظہ ہو "مارکس اور اینگلو کی دستاویزات" جلد 9، صفحہ 134۔ (ایڈیٹر)
- 2- ملاحظہ ہو "مارکس اور اینگلو کی دستاویزات" جلد 9، صفحہ 136۔ (ایڈیٹر)
- 3- ملاحظہ ہو "مارکس اور اینگلو کی دستاویزات" جلد 9، صفحہ 137۔ (ایڈیٹر)
- 4- ملاحظہ ہو "مارکس اور اینگلو کی دستاویزات" جلد 9، صفحہ 138۔ (ایڈیٹر)
- 5- مارکس کی تحریر میں گروتھ کے بجائے دوسری صدی کے یونانی عالم پولوکس کا نام۔ جس کے حوالے اکثر گروتھ کے یہاں ملتے ہیں۔ (ایڈیٹر)
- 6- ملاحظہ ہو "مارکس اور اینگلو کی دستاویزات" جلد 9، صفحات 139-138۔ (ایڈیٹر)
- 7- ہومر "ایلید" گیت دوم۔ (ایڈیٹر)
- 8- ایسکیلس "تھیبیز کے خلاف سات اشخاص"۔ (ایڈیٹر)
- 9- ام اسٹانڈ کے معنی ہیں چاروں طرف کھڑے ہونے والے لوگ۔ (ایڈیٹر)
- 10-Schoemann G. F; "Griechische Alterthumer", Bd. I, Berlin, 1855, S.27۔ ایڈیٹر۔
- 11-Gladstone W.E; "Juventus Mundi. The Gods and Men of the Heroic Age ", chap. ii, London. 1869۔ ایڈیٹر۔

12۔ ملاحظہ ہو "مارکس اور اینگلو کی دستاویزات" جلد 9، صفحہ 143۔ (ایڈیٹر)

13۔ ہومر "ایلینڈ" گیت دوم۔ (ایڈیٹر)

14۔ ملاحظہ ہو "مارکس اور اینگلو کی دستاویزات" جلد 9، صفحات 145-144۔ (ایڈیٹر)

15۔ یونانی پمیلیئس کی طرح ایز تک لوگوں کے فوجی سالار کو بھی غلط ڈھنگ سے موجودہ مفہوم کے مطابق بادشاہ کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔

اسپین والوں نے شروع میں چیزوں کو غلط سمجھا اور ان کے متعلق مبالغہ آرائی سے کام لیا اور بعد میں تو وہ جان بوجھ کر چیزوں کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے لگے۔ تاریخی نقطہ نظر سے مارگن نے ہی سب سے پہلے اسپینوں کی رپورٹوں کی تنقیدی جائزہ لیا۔ اس نے بتایا کہ میکسیکو کے باشندے بربریت کے درمیانی دور میں تھے۔ لیکن وہ نیو میکسیکو کے پوبلو انڈینوں کے مقابلے میں زیادہ اونچی سطح پر تھے۔ اور ان کا دستور، جہاں تک مسخ شدہ رپورٹوں سے قیاس کیا جاسکتا ہے، مجموعی طور پر کچھ اس طرح کا اپنا باجگزار بنا لیا تھا، وفاق کی حکومت ایک وفاقی کونسل اور ایک وفاقی سالار کے ہاتھ میں تھی۔ اسی وفاقی فوجی سالار کو اسپین والوں نے "شہنشاہ" بنا رکھا تھا۔

پانچواں باب

ایتھنز میں ریاست کا ظہور

ریاست کا ارتقا کیونکر ہوا، نئے اداروں کے قائم ہونے کی وجہ سے کیونکر گن دستور کے کچھ ادارے بدل گئے اور کچھ مٹ گئے اور آخر میں کس طرح سارے پرانے اداروں کی جگہ پر صحیح معنی میں سرکاری حکام آگئے اور دوسری طرف "ہتھیار بند عوام" کی جگہ، جو خود اپنے گنوں، فریڈیوں اور قبیلوں کے ذریعے اپنی حفاظت کیا کرتے تھے، ہتھیار بند "سرکاری طاقت" قائم ہوئی جو ان حکام کے اشاروں پر چلا کرتی تھی اور اسی باعث جس سے عوام کے خلاف بھی کام لیا جاسکتا تھا.... یہ تمام باتیں خاص کر اپنے ابتدائی دور میں جتنی صفائی کے ساتھ ایتھنز میں دیکھی جا

سکتی ہیں، اتنی صفائی کے ساتھ اور کہیں نہیں دیکھی جاسکتیں۔ یہ تبدیلیاں کیسے ہوئیں، اس کو بحیثیت مجموعی مارگن بتا چکا ہے۔ ان کی تہہ میں کون سی اقتصادی حقیقت کام کر رہی تھی، یہ خود مجھے اضافہ کرنا پڑا ہے۔

سورمانی عہد میں ایتھنز والوں کے چار قبیلے ایٹیکا کے الگ الگ حصوں میں بسے ہوئے تھے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن بارہ فریڈیوں کو لے کر یہ چار قبیلے بنے تھے، وہ بھی نیکروپس کے بارہ شہروں میں الگ الگ رہتی تھیں۔ سبھی جگہ وہی سورمانی عہد کا دستور قائم تھا: عوامی اسمبلی، عوامی کونسل اور پسیلیس۔ اس قدیم زمانے میں، جہاں تک لکھی ہوئی تاریخ ہمیں لے جاتی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ زمین لوگوں میں بانٹی جا چکی ہے اور وہ لوگوں کی ذاتی ملکیت بن گئی ہے۔ اور یہ بات اس سے مطابقت رکھتی ہے کہ اس زمانے میں، بربریت کے آخری دور کے ختم ہوتے ہوئے جنس تبادلہ کی پیداوار اور اس کی تجارت نسبتاً ترقی کر چکی تھی۔ اناج کے علاوہ شراب بنانے کے لئے انگور اور تیل نکالنے کے لئے تلہن کی بھی کھیتی ہونے لگے تھی۔ بحیرہ آئجین کے راستے جو تجارت ہوتی تھی وہ فوکیئیشین لوگوں کے ہاتھوں سے نکل کر زیادہ سے زیادہ ایٹیکا کے لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ رہی تھی۔ زمین کی خرید و فروخت اور کھیتی اور دستکاری، تجارت اور جہاز رانی کے درمیان برابر تقسیم محنت کے بڑھتے رہنے کی وجہ سے گنوں، فریڈیوں اور قبیلوں کے ممبر جلدی ہی آپس میں گھٹنے ملنے لگے۔ جن ضلعوں میں پہلے ایک فریڈی یا قبیلے کے لوگ رہا کرتے تھے، وہاں اب نئے لوگ پہنچ گئے جو اسی ملک کے باشندے ہوتے ہوئے بھی ان قبیلوں یا فریڈیوں کے ممبر نہیں تھے اور اس لئے جو خود اپنی بود و باش کی جگہوں میں اجنبی تھے۔ وجہ یہ تھی کہ امن کے زمانے میں ہر فریڈی اور ہر قبیلہ خود اپنے معاملوں کا انتظام کرتا تھا اور ایتھنز میں بیٹھنے والی عوامی کونسل یا پسیلیس سے کوئی مشورہ نہیں لیتا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ کسی فریڈی یا قبیلے کے علاقے میں رہنے والے وہ لوگ جو ان دونوں میں سے کسی کے ممبر نہ ہوں، نظم و نسق میں حصہ نہیں لے سکتے تھے۔

اس سے گن دستور کے مختلف اداروں کے باقاعدہ کام میں خلل پڑنے لگا۔ اور سورمانی عہد میں ہی اس بات کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی کہ کسی طرح اس گڑ بڑ کو دور کیا جائے۔ چنانچہ ایک نیا دستور بنایا گیا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے تھیسپینس نے تیار کیا تھا۔ اس تبدیلی کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ایتھنز میں ایک مرکزی ادارہ نظم و نسق قائم کیا گیا۔ مطلب یہ کہ کچھ ایسے معاملے جن کا انتظام ابھی تک قبیلے خود آزادی کے ساتھ کرتے تھے، اب سب قبیلوں کے اجتماعی یا مشترک معاملے قرار دیئے گئے اور انہیں ایتھنز کی عام کونسل کے سپرد کر دیا گیا۔ امریکہ کے انڈین ترقی کی جس منزل تک پہنچے تھے، ایتھنز کے باشندے اس سے ایک قدم آگے بڑھ گئے: پڑوسی قبیلوں کے سادہ وفاق کے بدلے اب سارے قبیلے آگے بڑھ کر ایک جاتی کے روپ میں گھل مل گئے۔ اس سے ایتھنز کے عام قانون کا ایک پورا نظام تیار ہو گیا جو قبیلوں اور گنوں کے قانونی رواجوں سے زیادہ اونچی حیثیت سے بعض حقوق

اور بعض مزید قانونی تحفظات حاصل ہو گئے تھے جو اس علاقے میں کام آسکتے تھے جو ان کے اپنے قبیلے کا نہیں تھا۔ لیکن گن دستور کی بڑھکھونے کی طرف یہ پہلا قدم تھا کیونکہ بعد میں اسی کی بنیاد پر ایسے لوگوں کو بھی شہری بنایا گیا جن کا اڑیکا کے کسی بھی قبیلے سے تعلق نہیں تھا اور جو ایتھنز کے گن دستور کے دائرے سے بالکل باہر تھے اور باہر ہی رہے۔ گن، فریڈی اور قبیلے کے فرق کو بھلا کر، تین طبقوں میں تقسیم کر دیا: یوپیڈریڈ یعنی امرا اور شرفا کا طبقہ، جیوموروی یعنی زمین کی کاشت کرنے والے لوگ اور ڈیجی ارجی یعنی دستکار۔ سرکاری عہدہ دار بننے کا حق صرف امرا اور شرفا کو دیا گیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ امراء اور شرفا کے لئے سرکاری عہدوں کو مخصوص کر دینے کے علاوہ اس نئی تقسیم کا اور کوئی اثر نہیں ہوا کیونکہ اس نے مختلف طبقوں کے درمیان کوئی اور قانونی امتیازات نہیں پیدا کئے۔ لیکن اس کے باوجود یہ تقسیم بہت اہم ہے کیونکہ اس سے ہمیں ان نئے سماجی عناصر کا پتہ چلتا ہے جو اس دوران میں خاموشی کے ساتھ ابھرا آئے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گنوں میں عہدوں پر چند خاندانوں کے لوگوں کے تقرر کا رواج بڑھ کر ان خاندانوں کا مخصوص حق بن چکا تھا اور اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہوتا تھا۔ اور یہ خاندان جو اپنی دولت کی وجہ سے کافی طاقتور ہو چکے تھے، اپنے گنوں کے باہر ایک با اقتدار طبقے کی صورت متحد ہونے لگے تھے۔ اور جوئی ریاست جنم لے رہی تھی اس نے اقتدار کے اس غصب کو جائز قرار دیا۔ پھر اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کاشتکار اور دستکار کے درمیان محنت کی تقسیم اتنی مضبوط ہو چکی تھی کہ اس نے گنوں اور قبیلوں کی پرانی تقسیم کی برتری کو سماجی طور پر کمزور کر دیا تھا۔ اور آخر میں، اس سے صاف طور پر یہ پتہ چلتا تھا کہ گن سماج اور ریاست میں ایک ایسا تضاد ہے جو کبھی حل نہیں ہو سکتا۔ ریاست قائم کرنے کی اس پہلی کوشش کا مطلب یہی تھا کہ گن کے ممبروں کو ایک اعلیٰ طبقے اور ایک ادنیٰ طبقے میں تقسیم کر کے گن کا شیرازہ منتشر کر دیا گیا اور ادنیٰ طبقے کو پھر کاشتکاروں اور دستکاروں کے دو الگ الگ طبقوں میں بانٹ کر انہیں ایک دوسرے کے خلاف کھڑا کر دیا گیا۔

اس کے بعد سے سولون کے زمانے تک ایتھنز کی سیاسی تاریخ پوری طرح معلوم نہیں ہے۔ پبسیپس کا عہدہ رفتہ رفتہ بیکار ہو گیا۔ اور آرون (مختار کل) جو شرفا میں سے چنے جاتے تھے۔ ریاست کے صدر بن گئے۔ امراء اور شرفا کی حکومت برابر بڑھتی گئی حتیٰ کہ 600 قبل مسیح تک وہ ناقابل برداشت ہو گئی۔ عام لوگوں کی آزادی کا گلا گھونٹنے کے دو ذریعے تھے، ایک زر یعنی روپیہ اور دوسرے سود خوری۔ شرفا زیادہ تر ایتھنز میں اور اس کے آس پاس رہتے تھے اور وہاں سمندری تجارت سے اور صنی کاروبار کے طور پر کبھی کبھار کی سمندری قزاقی سے، دولت بٹور رہے تھے اور ساری نقد دولت اپنے ہاتھوں میں جمع کر رہے تھے۔ اس زمانے سے وہ بھی برادریوں کی قدیم روایتی زندگی کو جو فطری معیشت پر مبنی تھی، زرا کا بڑھتا ہوا نظام تیزاب کی طرح کھانے لگا۔ گن دستور زر کے نظام سے قطعاً کوئی میل نہیں کھاتا۔ جیسے جیسے اڑیکا کے چھوٹے چھوٹے کسان اقتصادی حیثیت سے برباد ہوتے گئے، ویسے ویسے گن

دستور کے وہ بندھن بھی ڈھیلے پڑتے گئے جو پہلے ان کا تحفظ کرتے تھے۔ ایتھنز کے باشندوں نے اس زمانے تک رہن کارواج بھی شروع کر دیا تھا۔ اور مہاجن کی ہنڈی اور رہن نامہ نہ تو گن کا احترام کرتے ہیں اور نہ فٹری کا۔ پرانا گن دستور زر، ادھار اور نقد قرض سے ناواقف تھا۔ اس لئے شرفا کی لگا تا رہتی ہوئی زر کی حکومت نے ایک نئے قانون کو جنم دیا جو قرضدار سے مہاجن کی حفاظت کرتا تھا اور روپے کے مالک کو چھوٹے کسان کے استحصال کی اجازت دیتا تھا۔ یہی نیا رواج تھا۔ ایٹکا کے دیہاتی علاقے میں رہن کی تختیوں کا جال بچھ گیا۔ ان پر لکھا ہوتا تھا کہ جس زمین پر یہ تختی لگی ہے وہ اتنے روپے کے عوض فلاں آدمی کے یہاں رہن رکھ دی گئی ہے۔ جن کھیتوں میں ایسی تختیاں نہیں تھیں اس میں سے زیادہ تر رہن کی معیاد ختم ہو جانے کی وجہ سے یا سود نہ ادا کر سکنے کی وجہ سے فروخت ہو چکے تھے اور سود خورشرف زادوں کی ملکیت بن چکے تھے۔ کسان کو اگر لگان دینے والے کا شکار کی حیثیت سے رہنے دیا جاتا تو وہ اپنے کو بہت خوش قسمت سمجھتا تھا۔ وہ اپنی محنت کی پیداوار کے ایک چھٹے حصے پر خود گزارہ کرتا اور چھ میں پانچ حصے مالک کو لگان کے طور پر ادا کر دیتا تھا۔ یہی نہیں، جو زمین رہن رکھی گئی تھی، اس کی فروخت سے اگر مہاجن کا پورا روپیہ ادا نہیں ہوتا تھا یا اگر ایسا قرض ہوتا تھا جس کے بدلے میں کوئی چیز گروی نہیں رکھی گئی تھی تو قرضدار کو مہاجن کا روپیہ ادا کرنے کے لئے اپنے بچوں کو بدلیں میں غلام بنا کر بیچنا پڑتا تھا۔ یا اپنے ہاتھوں اپنی اولاد کو بیچ ڈالتا تھا۔ پدری حق اور یک زوجگی کا پہلا نتیجہ یہی نکلا۔ اور اگر خون چوسنے والا مہاجن اس سے بھی مطمئن نہیں ہوتا تھا تو وہ خود قرضدار کو غلام کی طرح بیچ سکتا تھا۔ ایتھنز کے لوگوں میں تمدن کی خوشگوار صبح کا آغاز ایسے ہی ہوا تھا۔

پہلے جب لوگوں کی زندگی کے حالات گن دستور کے مطابق تھے، تب اس طرح کا انقلاب ناممکن تھا۔ لیکن اب یہ انقلاب ہو گیا اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ اتنی بڑی تبدیلی کیسے ہو گئی۔ آئیے، کچھ دیر کے لئے پھر ابرودو اس لوگوں کے بیچ لوٹ چلیں۔ جیسی حالت ایتھنز کے باشندوں میں آپ ہی آپ اور گویا بغیر کچھ کئے ہی، اور بے شک ان کی خواہش کے خلاف پیدا ہو گئی وہی حالت کا ہم ابرو کو اس لوگوں میں تصور تک نہیں کر سکتے۔ وہاں ذرائع زندگی کی پیدائش کا طریقہ جو سال یہ سال ایک سا ہی رہتا تھا اور جس میں کوئی بھی تبدیلی نہیں ہوتی تھی، ایسا تھا جس میں ایسی کشمکش کبھی پیدا نہیں ہو سکتی تھی جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اسے باہر سے سماج پر ٹھونسا گیا ہے۔ پیداوار کے اس طریقے میں امیر اور غریب کا اختلاف یا استحصال کرنے والوں اور کئے جانے والوں کا تضاد نمودار نہیں ہو سکتا تھا۔ ابرو کو اس لوگ ابھی فطرت کے مالک نہیں بن پائے تھے لیکن فطرت نے ان کے لئے جو حد مقرر کر دی تھی، اس کے اندر وہ اپنی پیداوار کے مالک تھے۔ کبھی کبھی ان کے چھوٹے چھوٹے باغیچوں میں اچھی فصل نہیں ہوتی تھی۔ کبھی کبھی ان کی پھیلیوں اورندیوں میں مچھلیاں اور ان کے جنگلوں میں شکار کے جانور اور پرندے ختم

ہو جاتے تھے۔ مگر ان باتوں کے علاوہ انہیں یہ معلوم رہتا تھا کہ ان کے روزی کمانے کے طریقے کا کیا پھل ہوگا۔ اس کا پھل یہی ہو سکتا تھا کہ زندگی بسر کرنے کے وسیلے حاصل ہوں، کبھی فراوانی کے ساتھ اور کبھی کم۔ لیکن اس کا پھل یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ سماج میں بے ساختہ افراتفری مچ جائے اور بڑی بڑی تبدیلیاں ہو جائیں، گن دستور کا شیرازہ بکھر جائے، گنوں اور قبیلوں کے ممبروں میں پھوٹ پڑ جائے اور وہ باہم دیگر مخالف طبقوں میں بٹ کر آپس میں لڑنے لگیں۔ پیداوار بہت محدود دائرے میں ہوتی تھی، لیکن پیداوار کرنے والوں کا اپنے پیدا کئے ہوئے مال پر قبضہ ہوتا تھا۔ عہد بربریت کے طریقہ پیداوار کی یہ ایک بڑی خوبی تھی جو تمدن کے آتے ہی ختم ہو گئی۔ اور فطرت کی قوتوں پر انسان کو جو زبردست قدرت حاصل ہو گئی ہے اور انسانوں میں آج جو ازدتعاون ممکن ہے، اس کی بنیاد پر عہد بربریت کی پیداوار کی اس خصوصیت کو پھر سے حاصل کرنا ہی آنے والی نسلوں کا کام ہے۔

یونانیوں میں ایسی حالت نہیں تھی۔ جب مویشیوں کے ریوڑ اور عیش و آرام کے سامان کچھ افراد کی نجی ملکیت بن گئے تب افراد کے درمیان چیزوں کا تبادلہ ہونے لگا اور پیداوار جنس تبادلہ یا بکاؤ مال بن گئی۔ آگے چل کر جو سارا انقلاب ہوا اس کی جڑ میں یہی چیز تھی۔ پیدا کرنے والے چونکہ اب اپنی پیداوار کو خود خرچ نہیں کرتے تھے اور وہ تبادلے کے ذریعے ان کے ہاتھ سے نکل جاتی تھی، اس لئے اپنی پیداوار پر خود ان کو کوئی اختیار نہیں رہ گیا تھا۔ اب انہیں یہ پتہ نہیں رہتا تھا کہ ان کی پیداوار کا کیا ہوا اور ان بات کا امکان پیدا ہو گیا کہ پیداوار ایک روز اپنے پیدا کرنے والوں کے خلاف استعمال کی جا سکے اور وہ ان کے استحصال اور ان پر ظلم کا ایک ہتھیار بن جائے۔ لہذا جو سماج افراد کے درمیان ہونے والے تبادلے کو بند نہیں کرتا، وہ بہت دنوں تک خود اپنے پیداوار کا مالک نہیں رہ سکتا اور اپنے پیداواری عمل کے سماجی نتیجوں پر قابو نہیں رکھ سکتا۔

انتھرنے کے باشندوں کو جلد ہی یہ پتہ چل گیا کہ انفرادی تبادلے کے شروع ہونے اور پیداوار کے جنس تبادلہ بن جانے کے بعد کتنی تیزی کے ساتھ پیداوار ہی خود پیدا کرنے والے پر اپنے حکومت قائم کر لیتی ہے۔ جنس تبادلہ کی پیداوار کے ساتھ ساتھ انفرادی کھیتی بھی شروع ہو گئی۔ لوگ الگ الگ اپنے فائدے کے لئے زمین جو تنے لگے۔ اس کے تھوڑے عرصے بعد زمین پر انفرادی ملکیت قائم ہو گئی۔ پھر زر یا روپیہ یعنی وہ چیز آ گئی جس کا دوسری سبھی چیزوں کے ساتھ تبادلہ ہو سکتا تھا۔ لیکن جب انسانوں نے زر کو ایجاد کیا تب انہوں نے یہ ذرا بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ ایک نئی سماجی طاقت کو، ایک ایسی عالمگیر طاقت کو وجود میں لا رہے ہیں جس کے سامنے پورے سماج کو جھکنا پڑے گا۔ یہ نئی طاقت اپنے پیدا کرنے والوں کی خواہش یا واقفیت کے بغیر اچانک پیدا ہو گئی تھی، جس کے شباب کے پورے حیوانی کس بل انتھرنوں کو جھیلنے پڑے۔

لیکن پھر کیا کیا جاتا؟ پرانی گن تنظیم زر کی فاتحانہ آمد کو روکنے میں ناکام ثابت ہوتی تھی۔ یہی نہیں وہ اس

قابل بھی نہیں تھی کہ زر، مہاجن، قرضدار اور قرضوں کی زبردستی وصولی جیسی چیزوں کو اپنے نظام میں جگہ دے دے سکتے۔ لیکن نئے سماجی قوت وجود میں آچکی تھی اور نہ لوگوں کی پاک خواہشوں میں اور نہ ان کی پرانے سنہری دور کو پھر سے لوٹانے کی تمناؤں میں اتنی طاقت تھی کہ وہ زراور سود خوری کو سماج سے نکال باہر کر دیتیں۔ اس کے علاوہ گن دستور میں کتنی ہی چھوٹی موٹی دراڑیں بھی پڑ چکی تھیں۔ اڑیکا کے ہر کونے میں گنوں اور فریڈریوں کے ممبر آپس میں گل مل رہے تھے۔ ایتھنز میں یہ بات خاص طور سے دیکھنے میں آرہی تھی اور پشت در پشت یہ چیز بڑھتی ہی جا رہی تھی حالانکہ ایتھنز والوں کو اپنی زمین تو گن کے باہر بیچنے کی اجازت تھی مگر وہ اپنے رہائشی مکانات کو گن کے باہر نہیں بیچ سکتے تھے۔ صنعت و حرفت اور تجارت کی ترقی کے ساتھ ساتھ پیداوار کی مختلف شاخوں میں، جیسے کھیتی، دستکاری اور مختلف پیشوں کے اندر متعدد قسم کے ہنر، تجارت، جہاز رانی وغیرہ میں محنت کی تقسیم نے اور بھی ترقی کی۔ اب لوگ اپنے اپنے پیشوں کے مطابق، پہلے کے مقابلے میں نسبتاً زیادہ واضح گروہوں میں بٹ گئے تھے اور ہر گروہ کے کچھ ایسے نئے مشترک مفاد پیدا ہو گئے تھے جن کے لئے گن میں یا فریڈری میں کوئی گنجائش نہیں تھی اور اس لئے ان کی دیکھ بھال کرنے کے لئے نئے عہدہ داروں کو مقرر کرنا ضروری تھا۔ غلاموں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی اور اس ابتدائی حالت میں بھی وہ ایتھنز کے آزاد شہریوں سے تعداد میں کہیں زیادہ ہوں گے۔ گن دستور شروع میں غلامی کے رواج سے ناواقف تھا اور اس لئے وہ کوئی ایسی تدبیر نہیں جانتا تھا جس کے ذریعے غلاموں کی اس کثیر تعداد کو دبا کر رکھا جاسکے۔ اور آخری بات یہ ہے کہ تجارت کی کشش سے بہت سے اجنبی ایتھنز میں آکر بس گئے تھے کیونکہ وہاں دھن دولت کمانا آسان تھا۔ اور پرانے دستور کے مطابق ان اجنبیوں کو نہ تو کوئی حق حاصل تھا اور نہ قانون کسی طرح ان کی حفاظت کرتا تھا۔ باوجود اس کے کہ ان کے ساتھ پرانی روایتی رواداری برتی جاتی تھی پھر بھی وہ عام لوگوں کے درمیان ایک پریشان کن اور اجنبی عنصر بنے ہوئے تھے۔

مختصر یہ کہ گن دستور کا خاتمہ قریب تھا۔ سماج روز بروز اس کی حدود سے آگے نکلا جا رہا تھا۔ اس میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ اس کی آنکھوں کے سامنے جو نہایت تکلیف دہ برائیاں پیدا ہو رہی تھیں، ان کو دور یا کم کر سکے۔ لیکن اسی دوران میں، خاموشی کے ساتھ ریاست کا ظہور ہو چکا تھا۔ پہلے شہر اور دیہات کے درمیان اور پھر شہرے صنعت و حرفت کی مختلف شاخوں کے درمیان محنت کی تقسیم ہو جانے سے جوئے گروہ بن گئے تھے، انہوں نے اپنے مفاد کی حفاظت کرنے کے لئے نئے ادارے قائم کر لئے تھے۔ طرح طرح کے سرکاری عہدے قائم ہو گئے تھے۔ اور اس کے علاوہ نوخیز ریاست کو سب سے زیادہ ایک فوج کی ضرورت تھی جو ایتھنز کے باشندے کے لئے، جو سمندر میں جہاز رانی کرتے تھے، شروع میں بحری فوج ہی ہو سکتی تھی جو کبھی کبھی ہونے والی چھوٹی موٹی لڑائیوں کے اور تجارتی جہازوں کی حفاظت کرنے کے کام آسکے۔ سولوں سے پہلے کسی غیر متعین زمانے میں چھوٹے چھوٹے

علاقائی ضلع بنا دیئے گئے تھے جنہیں نوکری کہا جاتا تھا۔ ہر قبیلے میں بارہ نوکری ہوتے تھے اور ہر نوکری کے لئے ضروری تھا کہ وہ ایک جنگی جہاز کو ساز و سامان اور سپاہیوں سے لیس کرے اور اس کے علاوہ وہ دو گھوڑوں اور سواریوں کا بندوبست کرے۔ اس انتظام سے گن دستور پر دو طرح کی چوٹ پڑتی تھی۔ ایک تو اس سے ایک ایسی پبلک طاقت پیدا ہو گئی تھی جو اب تمام ہتھیار بند عوام کی مترادف نہیں رہی تھی۔ دوسرے، امور عامہ کے لئے عوام کو پہلی بار خون کے رشتوں کی بنیاد پر نہیں بلکہ علاقے کے مطابق، بودوباش کی مشترک جگہ یعنی ایک ہی جگہ بسے ہوئے ہونے کی بنیاد پر، الگ الگ بانٹ دیا گیا تھا۔ آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ اس کا کیا مطلب تھا۔

عوام جن کا استحصال کیا جاتا تھا، انہیں چونکہ گن دستور سے کوئی مدد نہیں مل پاتی تھی اس لئے اب وہ صرف نئی ابھرنے والی ریاست سے ہی کچھ امید کر سکتے تھے۔ اور ریاست نے سولوں کے دستور کی شکل میں ان کی مدد کی اور ساتھ ہی اس کے ذریعے سے پرانے دستور کی اہمیت گھٹا کر اپنا پلہ اور بھی بھاری کر لیا۔ ہمیں یہاں اس سے تعلق نہیں کہ سولوں کی 594 قبل مسیح کی اصلاحات کس طرح ظہور میں آئی تھیں۔ مگر اس نے ملکیت پر دست درازی کر کے ان انقلابوں کا سلسلہ شروع کر دیا جو سیاسی کہلاتے ہیں۔ ابھی تک جتنے بھی انقلاب ہوئے ہیں، ان سب کا مقصد یہ تھا کہ ایک طرح کی ملکیت کی دوسری طرح کی ملکیت سے حفاظت کریں۔ اور ایک طرح کی ملکیت کی حفاظت وہ دوسری طرح کی ملکیت پر حملہ کئے بغیر نہیں کر سکتے تھے۔ فرانس کے انقلاب عظیم میں بورژوا ملکیت کو بچانے کے لئے جاگیر دارانہ ملکیت کو قربان کر دیا گیا۔ سولان کے انقلاب میں قرضداروں کی ملکیت کو فائدہ پہنچانے کے لئے مہاجنوں کی ملکیت کو نقصان پہنچانا پڑا۔ قرضوں کو سیدھے سیدھے منسوخ کر دیا گیا۔ مفصل واقفیت ہمیں نہیں ہے لیکن سولوں نے اپنی نظموں میں بڑے فخر کے ساتھ کہا ہے کہ ان نے رہن نامے کی تختیاں کھیتوں سے ہٹوا دیں اور ان سب لوگوں کو اپنے وطن لوٹ جانے کا موقع دیا ہے جو قرض کی بدولت گھر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے یا جو غیر ملکوں میں بیچ دیئے گئے تھے۔ یہ بات ملکیت کے اختیارات پر کھلے عام چوٹ کئے بغیر نہیں ہو سکتی تھی۔ اور سچی بات یہ ہے کہ جو سیاسی انقلاب کہے جاتے ہیں، پہلے سے لے کر آخری تک، ان سب کا مقصد یہ تھا کہ ایک طرح کی ملکیت کی حفاظت کرنے کے لئے دوسری طرح کی ملکیت کو ضبط کریں۔ جن کو چوری کا نام بھی دیا گیا ہے۔ اس لئے یہ ایک باقابل انکار صداقت ہے کہ پچیس سو برس سے ذاتی ملکیت کی حفاظت کرنے کے لئے ملکیت کے حقوق اور اختیارات کو روندنا جا رہا ہے۔

لیکن اب اس بات کی بھی تدبیر کرنی تھی کہ انتہیز کے آزاد شہریوں کو دوبارہ غلام نہ بنایا جاسکے۔ شروع میں اس کے لئے کچھ عام ڈھنگ کے قدم اٹھائے گئے۔ مثال کے لئے ایسے اقرار ناموں پر روک لگادی گئی جن میں خود قرضدار کو رہن یا گروی رکھ دیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک حد طے کر دی گئی جس سے زیادہ زمین کسی کے پاس نہیں

ہوسکتی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ امرا میں کسانوں کی زمین پر قبضہ کرنے کی ہوس پر کسی حد تک تو پابندی لگائی جائے۔ اس کے بعد دستوری ترمیمیں (Verfassung) کی گئیں جن میں ہمارے لئے سب سے زیادہ اہم یہ ہیں:

کونسل کے ممبروں کی تعداد بڑھا کر چار سو کر دی گئی۔ ہر قبیلے سے سوسومبر کونسل میں رہے۔ چنانچہ اس معاملے میں قبیلے ہی کو بنیاد مان لیا گیا۔ لیکن پرانے دستور کی یہی ایک بات تھی جسے نئی ریاست کے دستور میں قائم رکھا گیا تھا۔ باقی باتوں میں سولوں نے شہریوں کو ان کی زمین اور اس کی پیداوار کی مقدار کی بنیاد پر چار طبقوں میں بانٹ دیا تھا۔ پہلے تین طبقوں میں وہ لوگ رکھے گئے تھے جن کی زمین سے کم سے کم پانچ سو، تین سو اور ڈیڑھ سو میدی (medimni) اناج پیدا ہوتا تھا (ایک میدی تقریباً 41 لٹر کے برابر ہوتا ہے)۔ جن لوگوں کے پاس اس بھی کم زمین تھی یا بالکل نہیں تھی، انہیں چوتھے طبقے میں رکھا گیا تھا۔ سرکاری عہدوں پر صرف پہلے تین طبقوں کے لوگوں کو ہی مقرر کیا جاسکتا تھا۔ سب سے اونچے عہدے پہلے طبقے کے لوگوں کو ملتے تھے۔ چوتھے طبقے کو صرف عوامی اسمبلی میں بولنے اور ووٹ دینے کا حق تھا۔ لیکن تمام عہدہ دار اسی اسمبلی میں چنے جاتے تھے۔ اسی کے سامنے وہ اپنے کاموں کے لئے جواب دہ تھے، سارے قانون بھی یہی اسمبلی بناتی تھی اور اس اسمبلی میں اکثریت چوتھے طبقے کے لوگوں کی ہی تھی۔ شرفا کے طبقے کے مخصوص اختیارات کو کسی حد تک دولت کے اختیارات کی شکل میں دوبارہ قائم کر دیا گیا تھا لیکن فیصلہ کن طاقت عوام کے ہاتھوں میں رہی۔ فوج کو نئے سرے سے منظم کرنے میں بھی انہیں چار طبقوں کو بنیاد بنایا گیا۔ پہلے دو طبقوں سے سوار فوج کے لوگ لئے جاتے تھے۔ تیسرے طبقے کو زرہ بند پیدل فوج کا کام کرنا پڑتا تھا۔ اور چوتھے طبقے کو یا تو معمولی پیدل فوج کا کام کرنا پڑتا تھا جس کے پاس زرہ بکتر نہیں ہوتے تھے یا انہیں سمندری فوج میں بھرتی کر دیا جاتا تھا۔ چوتھے طبقے کے لوگوں کو شاید اس کام کی اجرت بھی دی جاتی تھی۔

اس طرح دستور میں ایک نئے عنصر کا اضافہ ہو گیا تھا اور وہ عنصر تھا، ذاتی ملکیت۔ شہریوں کے حقوق اور فرائض زمین کی ملکیت کی بنیاد پر طے کئے گئے اور جیسے جیسے ملکیت والے طبقوں کا اثر بڑھتا گیا، ویسے ویسے پرانے، یک جہی خون کے رشتوں (سگوتز) کی بنیاد پر بنے ہوئے گروہ پس منظر میں پڑ گئے۔ گن دستور کو ایک اور شکست ہوئی۔

لیکن ملکیت کے مطابق سیاسی حقوق کی درجہ بندی ریاست کے لئے کوئی لازمی چیز نہیں تھی۔ ریاست کی دستوری تاریخ میں اس کی جو بھی اہمیت ہو، لیکن بہت سی ریاستیں اور ان میں بھی سب سے زیادہ ترقی یافتہ ریاستیں اس قسم کی درجہ بندی کے بغیر ہی کام چلاتی تھیں۔ ایتھنز میں بھی اس کی اہمیت عارضی تھی۔ ارسطو اندیز کے زمانے سے تمام عہدے سبھی طرح کے شہریوں کو ملنے لگے تھے۔

اگلے 80 برسوں میں ایتھنز کے سماج نے وہ راستہ اختیار کر لیا جس پر چل کر آئندہ کئی صدیوں تک اس کا ارتقا ہوتا رہا۔ سولوں سے پہلے کے زمانے میں سوڈوخور جس طرح زمین پر قبضہ کر لیا کرتے تھے، اس پر روک لگائی گئی، اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ لوگوں کے پاس بہت زیادہ زمین اکٹھا ہونے سے روکی گئی۔ تجارت اور دستکاری اور طرح طرح کے منافع بخش ہنر اور فن اہم پیشے بن گئے جن کی بنیاد غلاموں کی محنت تھی اور جو زیادہ سے زیادہ بڑے پیمانے پر منظم کئے جا رہے تھے۔ سماج میں تعلیم اور روشن خیالی کو ترقی ہوئی۔ خود اپنے شہری بھائیوں کا پرانے بہیمانہ طریقے سے استحصال کرنے کے بجائے، ایتھنز کے باشندے زیادہ تر اپنے غلاموں کا اور اپنے غیر ملکی گاہکوں کا استحصال کرنے لگے۔ منقولہ جائیداد، یعنی وہ دولت جو زلفند، غلام اور جہاز کی شکل میں تھی، برابر بڑھتی گئی۔ لیکن پہلے زمانے میں، باوجود اس کی تمام حدود اور خامیوں کے، اگر دولت محض زمین خریدنے کا ایک ذریعہ تھی، تو اب دولت جمع کرنا خود ایک مقصد بن گیا۔ ایک طرف تو اس سے نیا، دولت مند، صنعتی اور تجارتی طبقہ، شرفا کے طبقے کی پرانی طاقت کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے لگا تھا اور دوسری طرف پرانے گن دستور کی آخری بنیاد بھی ختم ہو گئی۔ اس طرح پرانے گن، فریڈریک اور قبیلے جن کے ممبر سارے ایٹیکا میں بکھرے ہوئے تھے اور آپس میں گھل مل گئے تھے، سیاسی اداروں کی حیثیت سے بالکل بے کار ہو گئے۔ ایتھنز کے بہت سے شہری کسی بھی گن کے ممبر نہیں تھے وہ بدیسوں سے آئے ہوئے لوگ تھے جو شہری تو بن گئے تھے مگر ان پرانے اداروں میں شریک نہیں ہو پائے تھے جو ایک جدی قرابت (سگوتری) کی بنیاد پر بنے تھے۔ اس کے علاوہ غیر ملکوں سے آئے ہوئے ایسے لوگوں کی تعداد بھی برابر بڑھتی جا رہی تھی جنہیں صرف سرپرستی حاصل تھی۔ (26)

اس دوران میں مختلف پارٹیوں کی جدوجہد جاری رہی۔ شرفا کا طبقہ اپنے مخصوص اختیارات کو پھر سے حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور کچھ دنوں کے لئے اس کا غلبہ قائم بھی ہوا۔ لیکن (509 ق۔ م۔ میں) کلاھیز کے انقلاب نے انہیں اکھاڑ پھینکا، اور ان کے ساتھ ساتھ گن دستور کے آخری بچے کھچے آنا بھی مٹ گئے۔ کلاھیز نے اپنے نئے دستور میں گنوں اور فریڈریکوں کی بنیاد پر بنے ہوئے پرانے چار قبیلوں کا کوئی خیال نہیں رکھا۔ ان کی جگہ ایک بالکل نئی تنظیم نے لے لی جس میں شہریوں کو صرف ان کی بودوباش کی جگہ کی بنیاد پر بانٹا گیا تھا، جیسا کہ پہلے نوکریریوں کے ذریعے کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اب فیصلہ کن بات یہ تھی کہ کوئی شخص کس ایک جدی (سگوتری) گروہ کا رکن ہے بلکہ فیصلہ کن بات یہ تھی کہ وہ کس علاقے کا رہنے والا ہے۔ اب لوگوں کو نہیں بلکہ علاقوں کو تقسیم کیا گیا۔ سیاسی اعتبار سے اب لوگوں کی اہمیت صرف یہ تھی کہ وہ کسی علاقے سے وابستہ تھے۔ پورا ایٹیکا ایک سو خود حکومتی قصبات یا بلدوں میں بانٹ دیا گیا۔ انہیں دیم کہا جاتا تھا۔ ہر دیم کے شہری (دیہوت) اپنا ایک کھیا (دیمارک)، ایک خزانچی اور چھوٹے چھوٹے معاملوں کو طے کرنے کے لئے تین بیچ منتخب

کرتے تھے۔ ہر دیم کے شہریوں کا اپنا الگ مندر اور دیوتا یا ہیرو (heros) ہوتا تھا، جس کے پجاریوں کو چنا جاتا تھا۔ دیم میں اقتدار اعلیٰ دیوتوں کی اسمبلی کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ مارگن نے صحیح کہا ہے کہ یہ امریکہ کے خود حکومتی بلدی نظم و نسق "Local self Government" کی ہی دوسری شکل تھی۔ موجودہ ریاست اپنے ارتقا کی آخری منزل پر پہنچ کر اسی اکائی پر ختم ہو جاتی ہے جس کے ساتھ ایتھنز میں ریاست کا آغاز ہوا تھا۔

ان دس اکائیوں (دیویوں) کو ملا کر ایک قبیلہ بنتا تھا۔ مگر یہ قبیلہ پرانے گن دستور کے مطابق بنے ہوئے قبیلہ (Geschlechtsstamm) سے بالکل مختلف تھا اور مقامی قبیلہ (Ortsstamm) کہلاتا تھا۔ یہ مقامی قبیلہ اپنی حکومت آپ چلانے والا ایک سیاسی گروہ ہی نہیں تھا بلکہ ایک فوجی گروہ بھی تھا۔ وہ ایک فیلا راک (1) یعنی قبیلے کا سردار چنتا تھا جو سوار فوج کا کمانڈر ہوتا تھا، ایک ٹیکسیارک چنتا تھا جو پیدل فوج کا کمانڈر ہوتا اور ایک اسٹریٹی جوس چنتا تھا جو اس پوری فوج کا، جو اس قبیلے کے علاقے میں بھرتی کی جاتی تھی، کمانڈر ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ہر قبیلہ پانچ جنگی جہاز، ان کو چلانے والے جہازی سپاہی اور کمانڈر مہیا کرتا تھا۔ ہر قبیلے کو ایک ایٹکی دیوتا یعنی ہیروس دے دیا گیا تھا جس کے نام سے قبیلہ جانا جاتا تھا اور جو اس قبیلے کی حفاظت کرتا تھا۔ اور آخری بات یہ کہ یہ مقامی قبیلہ ایتھنز کی کونسل کے کئے پچاس ممبر چنتا تھا۔

کل ملا کر جو چیز بنی، وہ تھی ایتھنز کی ریاست۔ اس کی حکومت پانچ سو آدمیوں کی ایک کونسل چلاتی تھی جس کو دس قبیلے چنتے تھے۔ حکومت کا مکمل اختیار اس سے بھی اوپر عوامی اسمبلی کو تھا جس میں ایتھنز کا ہر شہری شریک ہو سکتا اور ووٹ دے سکتا تھا۔ حکومت کے مختلف شعبوں اور عدالتوں کا کام آرکون اور دوسرے عہدہ دار کیا کرتے تھے۔ ایتھنز میں ایسا کوئی عہدہ دار نہیں تھا جو اعلیٰ ترین انتظامی اقتدار کا مالک ہو۔

اس نئے دستور کے ذریعے اور بہت سے زبر اثر لوگوں (Schutzverwandter) کو جن میں سے کچھ باہر سے آئے ہوئے تھے اور کچھ ایسے غلام تھے جنہیں آزاد کر دیا گیا تھا، شہریوں میں شامل کر کے گن دستور کے اداروں کو امور عامہ کے دائرے سے ختم کر دیا گیا۔ وہ اب نجی غیر سرکاری ادارے اور مذہبی جماعتیں بن کر رہ گئے۔ لیکن ان کا اخلاقی اثر، قدیم گن دستور کے زمانے کے روایتی خیالات اور تصورات، بہت دنوں تک زندہ رہے اور رفتہ رفتہ بہت دنوں میں مٹے۔ ریاست کے ایک بعد کے ادارے میں یہ بات اچھی طرح ظاہر ہوئی۔

ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ ریاست کی ایک ضروری خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک ایسا اقتدار عامہ ہے جو عام لوگوں سے الگ ہوتا ہے۔ اس زمانے میں ایتھنز میں صرف ایک عوامی فوج اور ایک جہازی بیڑا تھا جن کے لئے براہ راست عوام میں سے ہی لوگوں کو بھرتی کیا جاتا تھا اور عوام ہی ان کو ہتھیاروں اور ساز و سامان سے لیس کرتے تھے۔ یہی فوجیں دشمنوں سے ملک کی حفاظت کرتی تھیں اور غلاموں کو دبائے رکھتی تھیں۔ اس زمانے تک غلام آبادی کی

اکثریت بن چکے تھے۔ شہریوں کے لئے شروع میں اس اقتدار عامہ کا وجود محض پولیس کی شکل میں تھا۔ پولیس اتنی ہی پرانی چیز ہے جتنی پرانی ریاست۔ یہی وجہ ہے کہ اٹھارہویں صدی کے بھولے بھالے فرانسیسی لوگ متمدن قوموں کا نہیں بلکہ پولیس کے ذریعہ منظم قوموں (nations polices) کا ذکر کرتے تھے۔ اس طرح اپنی ریاست قائم کرنے کے ساتھ ساتھ ایتھنز کے باشندوں نے اپنی پولیس بھی بنا ڈالی جس کو تیرکمان سے لیس پیدل اور سوار سپاہیوں کا دستہ کہنا غلط نہ ہوگا۔ جنوبی جرمنی اور سوئٹزر لینڈ کی زبان میں کہا جائے تو ایتھنز والوں نے اپنی لینڈ جاگر (Landjager) بنا ڈالی تھی۔ اس پولیس کے سپاہی سب غلاموں میں سے تھے۔ ایتھنز کے آزاد شہری پولیس کے کام کو اتنا بچا سمجھتے تھے کہ ایک ہتھیار بند غلام کے ہاتھوں تو گرفتار ہونا انہیں پسند تھا مگر یہ پسند نہیں تھا کہ خود اس نفرت انگیز کام کو کریں۔ یہ قدیم گن والی ذہنیت کا ہی اظہار تھا۔ پولیس کے بغیر ریاست قائم نہیں تھی کہ ایک ایسے پیشے کو یعنی پولیس کے کام کو جسے قدیم گن والے لوگ حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے، عزت کا کام بنا سکتی۔

اس طرح ریاست کا ڈھانچہ اور اس کے نمایاں نقوش مکمل ہو چکے تھے۔ وہ ایتھنز کے باشندوں کی نئی سماجی حالت میں کتنی مناسب اور موزوں چیز تھی وہ اس بات سے ظاہر ہے کہ اس کے قائم ہونے کے بعد دولت، تجارت اور صنعت و حرفت کو بڑی تیزی سے ترقی ہوئی۔ اب جس طبقاتی تضاد پر سماجی اور سیاسی اداروں کی بنیاد تھی، وہ شرفا اور عام لوگوں کا تضاد نہیں تھا بلکہ غلاموں اور آزاد شہریوں کا جگوموں اور شہریوں کا تضاد تھا۔ جب ایتھنز اپنی دولت اور خوش حالی کے عروج پر تھا، تب اس کے آزاد شہریوں کی کل تعداد جس میں عورتیں اور مردوں کی تعداد 365000 تھی اور زائر لوگوں کی تعداد جس میں غیر ملکوں سے آئے ہوئے لوگ اور آزاد کئے ہوئے غلام دونوں شامل تھے 45000 تھی۔ اس طرح ہر بالغ مرد شہری پر کم سے کم اٹھارہ غلام اور وہ سے زیادہ زیر اثر لوگ تھے۔ غلاموں کی اتنی بڑی تعداد کی وجہ یہ تھی کہ ان میں سے بہت سے لوگ کارخانوں میں کام کرتے تھے۔ وہاں بڑے بڑے کمروں میں بہت سے غلاموں کو ایک جگہ جمع ہو کر اور سیر یا ناظر کی نگرانی میں کام کرنا پڑتا تھا۔ تجارت اور صنعت و حرفت کی ترقی کے ساتھ ساتھ چند آدمیوں کے ہاتھوں میں زیادہ سے زیادہ دولت جمع ہوتی گئی۔ زیادہ تر آزاد شہری غریبی اور افلاس کے گڑھے میں گر گئے۔ ان کے سامنے دو ہی راستے تھے: یا تو دستکاری کا کام شروع کریں اور اس طرح غلاموں کی محنت کا مقابلہ کریں جو کہ آزاد شہریوں کی شان کے خلاف سمجھا جاتا تھا اور جس میں کامیابی کی امید بھی بہت کم تھی، اور یا تباہ ہو کر دیوالیہ ہو جائیں۔ اس زمانے میں جیسے حالات تھے، ان میں تباہ ہونے والی ہی بات ہوئی۔ اور چونکہ ان کی بڑی تعداد تھی اس لئے ان کے دیوالیہ بننے کے ساتھ ساتھ ایتھنز کی پوری ریاست برباد ہو گئی۔ ایتھنز کے زوال کی وجہ جمہوریت نہیں تھی جیسا کہ یورپ کے اسکول ماسٹر جو بادشاہوں

کے تلوے چاٹتے ہیں، ہمیں بتایا کرتے ہیں۔ اس کا زوال غلامی کی وجہ سے ہوا جس کی بدولت آزاد شہریوں میں محنت بری چیز سمجھی جانے لگی۔

انتھنز کے لوگوں میں ریاست کا ظہور جس طرح ہوا وہ عام طور پر ریاست کے بننے کی ایک ٹھٹھ مثال ہے کیونکہ اس کا ظہور وہاں، ایک طرف تو خالص شکل میں ہوا جس میں بیرونی یا اندرونی تشدد نے کبھی دخل اندازی نہیں کی (پیسیسٹراتس کے غضب کا زمانہ بہت تھوڑے دنوں رہا اور اس کے ختم ہونے کے بعد اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہا تھا) اور دوسرے وہ ریاست کی ایک نہایت ترقی یافتہ شکل، جمہوری ریپبلک کا نمونہ ہے جو براہ راست گن سماج سے نکلی تھی۔ اور آخری بات یہ کہ ہم اس کی تمام ضروری تفصیلات سے واقف ہیں۔

حوالہ جات

فیلارک __ قدیم یونانی لفظ "فیلا" سے بنا ہے۔ یعنی قبیلہ (ایڈیٹر)

چھٹا باب

روم میں گن اور ریاست

روما کے قائم ہونے کے بارے میں جو روایت چلی آرہی ہے اس کے مطابق پہلی بہتی متعدد لاطینی گنوں نے بسائی تھی (روایت ہے کہ ان کی تعداد سو تھی) جول کرا ایک قبیلہ بن گئے تھے۔ اس کے بعد ایک سیبلین قبیلہ وہاں آکر رہنے لگا۔ اس میں بھی گویا ایک سو گن تھے۔ آخر میں مختلف قسم کے لوگوں کا ایک تیسرا قبیلہ بھی آکر ان لوگوں میں شامل ہو گیا اور اس میں بھی سو گن تھے۔ اس پورے قصے پر ایک نظر ڈالنے ہی یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ یہاں گن کے سوا شاید ہی کوئی چیز فطری ارتقا کی پیداوار مانی جاسکتی ہے۔ اور گن بھی اکثر ایک ہی مادری گن کی شاخیں ہوتے تھے اور وہ مادری گن اس وقت بھی اپنی پرانی جگہ پر بسا ہوا تھا۔ قبیلوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بناوٹی ڈھنگ سے بنائے گئے ہیں۔ پھر بھی زیادہ تر ان میں ایسے عناصر شامل ہوتے تھے جو ایک دوسرے کے رشتہ دار ہوتے تھے اور ان کو پرانے زمانے کے قبیلوں کے نمونے پر بنایا گیا تھا جو بناوٹی ڈھنگ سے نہیں بلکہ قدرتی طور پر

بڑھ کر بنے تھے۔ بلکہ یہ ناممکن نہیں ہے کہ ان تینوں قبیلوں میں سے ہر ایک کے مرکز کا کام کسی پرانے اصلی قبیلے نے کیا ہو۔ قبیلے اور گن کے درمیان کی کڑی فریٹری تھی جس میں دس گن ہوتے تھے اور وہ یہاں "کیوریا" کہلاتی تھی چنانچہ ان کی کل تعداد تیس تھی۔

اسے سب مانتے ہیں کہ روما کے باشندوں کا گن اور یونانیوں کا گن ایک ہی چیز تھی۔ اگر یونانیوں کا گن اسی سماجی اکائی کا سلسلہ تھا جس کی ابتدائی شکل ہمیں امریکہ کے ریڈ انڈینوں میں دکھائی دیتی ہے تو ظاہر ہے کہ رومی گن کے بارے میں یہی بات صادق آتی ہے۔ اس لئے ہم اس کے بیان میں اور بھی اختصار سے کام لے سکتے ہیں۔

شہر روم کے کم سے کم سب سے ابتدائی زمانے میں رومی گن کا مندرجہ ذیل دستور تھا:

1- ایک دوسرے کی ملکیت وراثت میں پانے کا حق گن کے ممبروں کو تھا۔ ملکیت گن کے اندر ہی رہتی تھی۔ یونانی گن کی طرح رومی گن میں بھی چونکہ پدری حق قائم ہو چکا تھا، اس لئے عورتوں کی نسل کے لوگ اس حق سے محروم کر دیئے گئے تھے۔ بارہ جدول والے قانون کے مطابق (27)، اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے روما کا سب سے پرانا لکھا ہوا قانون یہی ہے، جب کوئی شخص مرتا تھا تو اس کی جائیداد پر سب سے پہلے اس کی اپنی اولاد کا حق مانتا جاتا تھا۔ اگر کسی شخص کی اپنی اولاد نہیں ہوتی تو جائیداد اگنائتوں کو (یعنی باپ کی طرف کے مرد رشتہ داروں کو) ملتی تھی۔ اور اگر اگنائت بھی نہ ہوں تو جائیداد پر مرنے والے کے گن کے لوگوں کا حق ہوتا تھا۔ ہر حالت میں جائیداد گن کے اندر رہتی تھی۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ دھن دولت کے بڑھ جانے اور یک زوجگی کا رواج ہو جانے کی وجہ سے گن دستور کے عمل میں رفتہ رفتہ کچھ نئے قانون قاعدے داخل ہو گئے تھے۔ پہلے مرنے والے کی جائیداد پر گن کے بھی ممبروں کا یکساں حق ہوتا تھا، پھر عملاً یہ حق اگنائتوں تک ہی محدود کر دیا گیا۔ یہ شاید بہت دن پہلے کی بات ہے جیسا ہا پر کہا جا چکا ہے، بعد میں یہ حق مرنے والے کی اولاد اور آخر الذکر کی مرد اولاد تک ہی محدود ہو گیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ بارہ جدول والے قانون میں یہ بات الٹے سلسلے سے دی گئی ہے۔

2- ہر گن کا ایک مشترک قبرستان ہوتا تھا۔ جب کلوڈیا نامی شرفا کا (پیتیریشین) ایک گن ریکیل سے روم میں آ بسا تو اس کو شہر میں زمین کا ایک قطعہ اور ایک مشترک قبرستان ملا۔ آگستن کے زمانے میں بھی جب ٹیوٹو برگ کے جنگل میں وارس مارا گیا تو اس کے سرگوروم میں لاکر جنٹیلٹیس، ٹیومولس (gentilitius tumulus) (1) میں دفن کر دیا گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے گن (کوئٹک ٹیلیا گن) کے پاس اس زمانے میں بھی اپنا الگ قبرستان تھا۔

3- گن کے لوگ مل کر مذہبی تیوہار اور رسمیں منایا کرتے تھے۔ یہ سیکراجنٹی لٹییا (sacra gentilitia) کہلاتی

تھیں اور کافی مشہور ہیں۔

4- گن کے ممبر گن کے اندر شادی نہیں کر سکتے تھے۔ روم میں اس پابندی نے کبھی باقاعدہ لکھے ہوئے قانون کا درجہ حاصل نہیں کیا مگر ایک رواج کے طور پر لوگ اسے مانتے رہے۔ روم کے بے شمار شادی شدہ مردوں اور عورتوں کے نام ہمیں معلوم ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس میں شوہر اور بیوی دونوں کے گن کا نام ایک ہو۔ وراثت کے قانون سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ شادی ہو جانے پر عورت اگنائیوں کے حق سے محروم ہو جاتی تھی، اپنے گن سے الگ ہو جاتی تھی اور اس کا یا اس کے بچوں کا اس کے باپ اور باپ کے بھائیوں کی جائیداد پر کوئی حق نہیں ہوتا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کے باپ کی جائیداد باپ کے گن کے باہر چلی جاتی۔ ظاہر ہے کہ اس قاعدے کا کوئی مطلب اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب ہم یہ مان لیں کہ عورت کو خود اپنے گن کے کسی ممبر سے شادی کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

5- زمین گن کی مشترکہ ملکیت تھی۔ قدیم زمانے میں ہمیشہ یہی قاعدہ تھا۔ پھر قبیلے کی زمین پہلی بار تقسیم کی گئی۔ لاطینی قبیلوں میں ہم پاتے ہیں کہ زمین کسی حد تک قبیلے کی ملکیت تھی، کسی حد تک گن کی ملکیت تھی اور کسی حد تک الگ الگ کنبوں کی۔ ظاہر ہے کہ اس زمانے میں ایک کنبہ یا گھرانے کا مطلب ایک خاندان نہیں تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے رومولس نے الگ الگ افراد کو ایک ہیکٹر (دو "جگہیر") فی کس کے حساب سے زمین بانٹی تھی۔ لیکن اس کے بعد بھی ہم پاتے ہیں کہ کچھ زمین گن کے پاس رہ گئی۔ اور ریاستی زمین کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ روم کی ریپبلک کی ساری اندرونی تاریخ اسی ریاستی زمین کے محور پر گھومتی رہی ہے۔

6- گنوں کے ممبروں کا فرض ہوتا تھا کہ ایک دوسرے کی مدد کریں اور کسی کا کوئی نقصان ہو جانے پر اس کی تلافی کی کوشش کریں۔ لکھی ہوئی تاریخ میں اس قاعدے کے کچھ بچے بجائے اثرات ہی ملتے ہیں۔ رومی ریاست نے شروع ہی سے اتنی اعلیٰ طاقت کا اظہار کیا تھا کہ نقصانوں کی تلافی کی ذمہ داری اسی کے اوپر آ پڑی تھی۔ جب اپینس کلڈیس گرفتار ہو گیا تھا تو اس کے پورے گن نے حتیٰ کہ اس کے ذاتی دشمنوں نے بھی، غم کے آنسو بہائے تھے۔ دوسری بیونک جنگ (28) کے موقع پر مختلف گن اپنے ممبروں کو، جو قید کر لئے گئے تھے، تاوان دے کر رہا کرانے کے لئے ایک ہو گئے تھے۔ لیکن سینٹ نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔

7- گن کے ممبروں کو اختیار تھا کہ وہ گن کا نام استعمال کریں۔ اس قاعدے پر شہنشاہوں کے وقت تک عمل ہوتا رہا۔ جو غلام آزاد کر دیئے جاتے تھے، ان کو اپنے سابق مالکوں کے گن کا نام اختیار کرنے کی اجازت تھی۔ لیکن انہیں گن کے ممبروں کے اختیارات نہیں ملتے تھے۔

8- گن کو اختیار تھا کہ اجنبیوں کو اپنا ممبر بنا لے۔ یہ انہیں کسی خاندان کا ممبر بنا کر کیا جا سکتا تھا (ریڈانڈینوں میں بھی

یہی رواج تھا)۔ خاندان کا ممبر بن جانے پر انہیں گن کے ممبری بھی مل جاتی تھی۔
9۔ سرداروں کو چننے اور برطرف کرنے کے اختیار کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ لیکن روم کے ابتدائے زمانے میں منتخب بادشاہ سے لے کر نیچے تک کے سبھی عہدے انتخاب یا تقرر کے ذریعے پر کئے جاتے تھے اور چونکہ مختلف "کیوریا" اپنے پروہتوں اور پجاریوں کو بھی چنا کرتی تھیں، اس لئے ہمارے لئے یہ مان لینا مناسب ہوگا کہ گنوں کے سرداروں یا پرنسپوں (principes) کو بھی اسی طرح مقرر کیا جاتا تھا، خواہ انہیں ایک ہی خاندان کے لوگوں میں سے چننے کا قاعدہ پوری طرح کیوں نہ مانا جاتا رہا ہو۔

روم کے گن نظام کے بارے میں ہمارے زمانے کے سب سے زیادہ مستند اور باوثوق مورخوں میں بھی کس طرح کی غلط فہمیاں اور الجھنیں پھیلی ہوئی ہیں، اس کی ایک مثال یہ ہے: جمہوری اور آگسٹن کے عہد کے شخصی ناموں کے بارے میں مؤسسن نے جو مقالہ لکھا ہے ("روسی تحقیقات"۔ "برن 1864۔ جلد 1 (3)، اس میں وہ کہتا ہے:

"گن کا نام نہ صرف گن کے سبھی مرد ممبر استعمال کرتے ہیں، جن میں وہ اجنبی بھی شامل ہیں جو گن کے ممبر بنائے گئے ہیں یا جو گن کی پناہ میں رہتے ہیں، بلکہ عورتیں بھی اس کو استعمال کرتی ہیں۔ ہاں، صرف غلاموں کو گن کا نام استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہوتی قبیلہ (Stamm)، جیسا کہ مومسن نے gens کا ترجمہ کیا ہے) ایک ایسا گروہ ہوتا ہے جس کے ممبروں کو ایک ہی مورث اعلیٰ کی نسل سے مانا جاتا ہے اور ایک ہی رسم و رواج، ایک قبرستان اور وراثت کے ایک ہی سے قاعدے اسے متحد کئے رکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مشترک مورث اعلیٰ واقعی کوئی شخص ہو یا اسے محض فرض کر لیا گیا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مشترک مورث اعلیٰ کو زبردستی گھڑ لیا گیا ہو۔ انفرادی طور پر سب آزاد افراد کو اور اس لئے عورتوں کو بھی، گن کے ممبروں کی حیثیت سے اپنا نام درج کرانا پڑتا تھا۔ لیکن کسی شادی شدہ عورت کے گن کا نام طے کرنے میں کچھ مشکل ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک یہ قاعدہ تھا کہ عورتیں اپنے گن کے ممبروں کے سوا اور کسی سے شادی نہیں کر سکتی تھیں، تب تک ان کے گن کا نام طے کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی۔ اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ایک لمبے عرصے تک عورتوں کے لئے گن کے باہر شادی کرنا، اپنے گن کے اندر شادی کرنے کے مقابلے میں بہت دشوار ہوتا تھا۔ چھٹی صدی تک بھی یہ "گنٹیس انپو" (gentis enuptio) یا گن سے باہر شادی کرنے کا حق بعض خاص اشخاص کو مخصوص ذاتی حق یا انعام کے طور پر دیا جاتا تھا ... لیکن ابتدائی زمانے میں جب کبھی عورتوں کا

اپنے قبیلے کے باہر بیاہ ہوتا ہوگا تب انہیں اپنے شوہر کے قبیلے میں شامل کر دیا جاتا ہوگا۔ اس سے زیادہ یقین کے ساتھ اور کوئی بات نہیں کہی جاسکتی کہ قدیم مذہبی شادی کے ذریعے سے عورت پوری طرح سے اپنے شوہر کی قانونی اور مذہبی رسوم کی برادری میں شامل ہو جاتی تھی اور خود اپنی ایسی برادری کو چھوڑ دیتی تھی۔ یہ کون نہیں جانتا کہ شادی شدہ عورت نہ تو اپنے گن کے رشتہ داروں کی جائیداد وراثت میں پاسکتی ہے اور نہ اپنی جائیداد وراثت میں ان کے لئے چھوڑ سکتی ہے۔ جہاں تک وراثت کا سوال ہے وہ اپنے شوہر، اپنی اولاد اور شوہر کے گن کے رشتہ داروں کے گروہ میں شامل ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس کا شوہر اسے اپنی اولاد کی مانند قبول کر لے اور اپنے خاندان میں شامل کر لے، تب وہ اس کے گن سے کیسے الگ رہ سکتی ہے؟" (صفحات 8-11)

اس طرح مومن کا کہنا ہے کہ رومی عورتوں کو جو کسی ایک خاص گن کی رکن تھیں شروع میں صرف اپنے گن کے اندر ہی شادی کرنے کی آزادی تھی۔ مطلب یہ کہ مومن کے خیال کے مطابق رومی گن گوت باہر شادی کرنے والے (exogamous) نہیں بلکہ گوت اندر شادی کرنے والے (endogamous) تھے۔ یہ رائے جو کہ تمام دوسری جاتیوں کے تجربے کے خلاف جاتی ہے، اگر بالکل نہیں تو بڑی حد تک لیوی کی محض ایک عبارت پر مبنی ہے جس کی صحت کے بارے میں ابھی کافی اختلاف ہے۔ لیوی کی تاریخ (جلد 39، باب 19) کی اس عبارت میں کہا گیا ہے کہ روم کے قائم ہونے کے 568 ویں برس میں یعنی 186 ق۔م۔ سینت نے یہ حکم جاری کیا تھا کہ

uti Feceniae Hispalae datio, deminutio, gentis enupatio, tutoris optio item esset quasi ei vir testamento dedisset; utique el ingenuo numero leceret, neu quid ei qui eam duxisset, ob id fraudt ignominiaeve , esset

"فسیڈیا ہسپلا کو اپنی جائیداد چاہے جسے دے دینے کا، اسے کم کرنے کا، گن کے باہر شادی کرنے کا اور اپنا محافظ چھننے کا اسی طرح حق ہوگا جس طرح اس حالت میں ہوتا اگر اس کا (متونی) شوہر وصیت کر کے اسے یہ تمام اختیار دے گیا ہوتا۔ اسے کسی آزاد مرد کے ساتھ شادی کرنے کے اجازت دی جاتی ہے اور جو مرد اس سے شادی کرے گا، اس کے لئے یہ کوئی غلط بات یا ذلت کی بات نہیں سمجھی جائے گی۔"

اس میں شک نہیں کہ فسیڈیا، جس کو غلامی سے آزاد کیا گیا تھا، اسے یہاں گن سے باہر شادی کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ شوہر کو حق دیا گیا کہ وصیت کر کے اپنی بیوی کو یہ اجازت دے

کہ اس کے مرنے پر وہ گن کے باہر شادی کرے۔ لیکن سوال ہے کہ کس گن کے باہر؟
 اگر ہر عورت کو اپنے گن سے اندر شادی کرنے پڑتی تھی، جیسا کہ مومن ماں کر چلتا ہے تو وہ شادی کے بعد
 بھی اسی گن میں رہتی تھی۔ لیکن ایک تو ابھی یہی ثابت کرنا باقی ہے کہ گن صرف اپنے اندر شادی کرنے کی اجازت
 دیتا تھا۔ دوسرے اگر عورت کو اپنے گن کے اندر شادی کرنی پڑتی تھی تو مرد کے لئے بھی یہی ضروری تھا ورنہ اسے
 کوئی عورت ملتی ہی نہیں۔ تب اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وصیت کے ذریعے مرد اپنی بیوی کو ایسا حق دے سکتا تھا جو
 خود اسے بھی حاصل نہیں تھا۔ قانونی نقطہ نظر سے یہ ایک بالکل مہمل بات ہے۔ مومن بھی یہ محسوس کرتا ہے اور اسی
 لئے یہ انکل لگاتا ہے: "بہت ممکن ہے کہ گن کے باہر شادی کرنے کے لئے نہ صرف ذی اقتدار شخص کی بلکہ گن کے
 سبھی ممبروں کی منظوری لینا ضروری ہو" (صفحہ 10، حاشیہ)

ایک تو یہاں مومن نے ایک بہت بڑی بات یونہی فرض کر لی ہے۔ دوسرے، مذکورہ بالا عبارت میں جو
 بات صاف لکھی ہے، اس کی اس سے تردید ہوتی ہے۔ فیسیبیا کو یہ اختیار اس کے شوہر کے بجائے سینٹ دے رہی
 ہے۔ فیسیبیا کا شوہر اس کو جو اختیار دے سکتا تھا، سینٹ اسے نہ اس سے کم دے رہی ہے اور نہ زیادہ۔ لیکن سینٹ جو
 کچھ دے رہی ہے وہ ایک مکمل اختیار ہے، جس پر کوئی پابندی نہیں ہے، تاکہ اگر فیسیبیا اس اختیار کو استعمال کرے تو
 اس کے نئے شوہر کو کوئی پریشانی نہ اٹھانی پڑے۔ بلکہ سینٹ موجودہ اور آئندہ کونسلوں اور پریٹروں کو یہ ہدایت بھی
 دیتی ہے کہ انہیں اس بات کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہئے کہ اس اختیار سے کام لینے کی وجہ سے فیسیبیا کو کوئی تکلیف نہ ہو۔
 اس لئے مومن نے جو بات فرض کی ہے وہ بالکل غلط معلوم ہوتی ہے۔

پھر مان لیجے یکہ کوئی عورت کسی دوسرے گن کے آدمی سے شادی کر لیتی ہے، لیکن رہتی اپنے گن میں ہی
 ہے۔ مذکورہ بالا واقعے کے مطابق ایسی صورت میں اس کے شوہر کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی بیوی کو گن کے باہر شادی
 کرنے کی اجازت دے دے۔ مطلب یہ کہ شوہر کو ایک ایسے گن کے معاملے میں دخل اندازی کرنے کا اختیار ہوگا
 جس کا وہ خود ممبر نہیں ہے۔ یہ بات اتنی نامعقول ہے کہ اس کے بارے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ ایسی
 حالت میں ہمارے سامنے یہ مان کر چلنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہتا کہ اپنی پہلی شادی کے ذریعے عورت نے
 دوسرے گن کے مرد سے بیاہ لیا تھا اور ایسا کرنے پر وہ فوراً اپنے شوہر کے گن کی ممبر ہوگئی۔ خود مومن بھی مانتا ہے
 کہ ایسی صورت میں یہی ہوتا تھا۔ اور یہ ماننے ہی گتھی اپنے آپ سلجھ جاتی ہے۔ عورت کو اس کی شادی نے اپنے گن
 سے علیحدہ کر دیا ہے اور وہ اپنے شوہر کے گن میں شامل ہوگئی ہے۔ اس نئے گن میں اس کی ایک مخصوص حیثیت ہو
 گئی ہے وہ گن کی ممبر ہے مگر گن کے باقی لوگوں سے اس کا خون کا کوئی رشتہ نہیں۔ جس طریقے سے وہ گن کی ممبر
 بنائی گئی ہے، اس کی روشنی میں اس پر یہ روک نہیں لگائی جاسکتی کہ وہ اپنے اس نئے گن کے اندر شادی نہ کرے

کیونکہ وہ تو شادی کر کے ہی اس گن میں شامل ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ وہ گن کی ایک شادی شدہ ممبر سمجھی جاتی ہے اور اپنے شوہر کے مرنے پر، اس کی جائیداد کا ایک حصہ پانے کی حقدار ہوتی ہے یعنی اس جائیداد کو گن کے ایک ساتھی ممبر کی جائیداد کہا جاسکتا ہے۔ اس سے زیادہ قدرتی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ جائیداد کو گن کے باہر نہ جانے دینے کی غرض سے عورت کے لئے یہ لازمی قرار دیا جائے کہ وہ اپنے پہلے شوہر کے گن کے کسی آدمی سے ہی شادی کرے اور دوسرے کسی گن کے آدمی سے شادی کرنے کا ارادہ نہ کرے؟ لیکن اگر اس قاعدے سے کسی کو مستثنیٰ کرنا ہے تو اس کی اجازت دینے کا حق اس آدمی سے یعنی عورت کے پہلے شوہر سے زیادہ اور کس کا ہوگا جو اپنی جائیداد اس کے لئے چھوڑے جا رہا ہے؟ جس وقت وہ اپنی جائیداد کا ایک حصہ اپنی بیوی کے نام وصیت کرتا ہے اور ساتھ ہی اسے اس بات کی اجازت دے دیتا ہے کہ وہ چاہے تو شادی کے ذریعے شادی کے نتیجے کے طور پر یہ جائیداد کسی اور گن میں منتقل کر دے، تو اس وقت تک وہی اس جائیداد کا مالک تھا، یعنی وہ حقیقتاً صرف اپنی جائیداد کی وصیت کر رہا تھا۔ جہاں تک عورت کا اپنے شوہر کے گن کے ساتھ تعلق کا معاملہ ہے، اسے گن میں لانے والا اس کا شوہر تھا جو اپنی مرضی سے شادی کر کے اسے اپنے گن میں لا آیا تھا۔ چنانچہ یہ بات بھی بالکل قدرتی معلوم ہوتی ہے کہ عورت کو نئی شادی کر کے اس گن کو چھوڑ دینے کی اجازت دینے والا شخص اس کا شوہر ہی ہو سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ جوں ہی ہم رومی لوگوں کے گن کے بارے میں یہ عجیب خیال ترک کر دیتے ہیں کہ وہ اندر شادی کرنے والا گن تھا اور جوں ہی ہم مارگن کی طرح یہ مان لیتے ہیں کہ وہ باہر شادی کرنے والا گن تھا، ویسے ہی یہ سارا معاملہ بہت سیدھا اور صاف معلوم ہونے لگتا ہے۔

آخر میں، ایک اور بھی رائے ہے جس کے حامیوں کی تعداد زیادہ سب سے زیادہ ہے۔ اس رائے کے ماننے والوں کا کہنا ہے کہ کیوی کے مذکورہ بالا اقتباس کا مطلب صرف یہ ہے کہ

"جو لڑکیاں غلامی سے آزاد کی جاتی ہیں (liberatae) وہ بغیر خاص اجازت (e gente enubere کے، گن کے باہر شادی نہیں کر سکتیں اور نہ کوئی ایسا قدم اٹھا سکتی ہیں جس کا خاندانی حقوق کے خفیف ترین نقصان (capitis deminutio minima) سے تعلق ہونے کے باعث لڑکی (liberta) گن سے علیحدہ ہو جائے"

(لائیو، "رومی آثار قدیمہ" برلن، 1856، حصہ 1، صفحہ 195-196) جو عبارت ہم نے نقل کی ہے اس میں ہتھیچے کا ذکر کرتے ہوئے کیوی کے مذکورہ بالا اقتباس پر رائے زنی کی گئی ہے۔

اگر یہ مفروضہ صحیح ہے تو کیوی کے اقتباس سے روم کی آزاد عورتوں کے بارے میں تو کچھ بھی نہیں معلوم ہوتا اور تب یہ ماننے کی اور بھی کم بنیاد رہ جاتی ہے کہ روم کی آزاد عورتوں کو صرف اپنے گن کے اندر شادی کرنے پڑتی تھی۔

انچو گنٹس ("enuptio gentis".... گن کے باہر شادی) کا فقرہ صرف اسی ایک عبارت میں استعمال ہوا ہے۔ روم کے سارے ادب میں اور کہیں یہ لفظ نہیں ملتے۔ لفظ اینوبرے (enubere) جس کا مطلب باہر شادی کرنا ہوتا ہے، لیوی کی کتاب میں ہی تین مرتبہ ملتا ہے لیکن کہیں بھی اس کا استعمال گن کے سلسلے میں نہیں کیا گیا ہے۔ یہ بے بنیاد خیال کہ روم کی عورتوں کو صرف اپنے گن کے اندر شادی کرنے کی اجازت تھی، محض اس ایک عبارت پر لڑکا ہوا ہے۔ لیکن اس خیال میں ذرا بھی جان نہیں کیونکہ یا تو اس عبارت میں آزادی کی ہوئی غلام عورتوں کی مخصوص پابندیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ایسی صورت میں اس سے ان عورتوں کے بارے میں کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا جو آزاد پیدا ہوئی تھیں (ingenuae) اور یا وہ عبارت اس عورتوں پر بھی لاگو ہوتی ہے جو آزاد پیدا ہوئی تھیں اور ایسی حالت میں اس سے یہ زیادہ ثابت ہوتا ہے کہ گن کے باہر عورتوں کے شادی کرنے کا قاعدہ تھا اور شادی ہونے پر انہیں ان کے شوہروں کے گن کیس شامل کر لیا جاتا تھا۔ اس لئے یہ اقتباس مومن کی رائے کے خلاف مارگن کی رائے کو تقویت پہنچاتا ہے۔

روم کے قائم ہونے کے تین سو برس بعد بھی گن کے بندھن اتنے مضبوط تھے کہ فی بین نام ایک پٹریشن (شرفا کے) گن نے سینٹ سے اجازت لے کر پڑوس کے ویٹا نامی شہر پر اکیلے ہی چڑھائی کر دی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ تین سو چھ فی بین چڑھائی کرنے نکلے تھے اور راستے میں چھپے ہوئے دشمن نے ان کا صفایا کر دیا۔ صرف ایک لڑکا زندہ بچا جس نے گن کو آگے چلایا۔

جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں، دس گن مل کر ایک فریٹری بنتی تھی جو روم میں کیوریا کہلاتی تھی اور اسے یونانی فریٹری سے زیادہ اہم ذمہ داریاں ادا کرنے ہوتی تھیں۔ ہر کیوریا کے الگ مذہبی رسم و رواج، تبرکات اور پروہت پجاری ہوتے تھے۔ یہ پروہت مل کر روم کی ایک پروہت منڈلی بناتے تھے۔ دس کیوریا مل کر ایک قبیلہ بنتا تھا جو کہ شروع میں دوسرے لاطینی قبیلوں کی طرح، شاید خود اپنا سردار چنا کرتا تھا۔ یہ سردار جنگ میں قبیلے کی رہنمائی کرتا تھا اور ساتھ ہی بڑے پروہت کا بھی کام کرتا تھا۔ تین قبیلے مل کر رومی جاتی پوپولس رومینس (populus romanus) کہلاتے تھے۔

اس طرح رومی جاتی میں صرف وہی لوگ شامل ہو سکتے تھے جو کسی گن کے اور اس لئے کسی کیوریا اور قبیلے کے ممبر تھے۔ اس لوگوں کا پہلا دستور حسب ذیل تھا: امور عامہ کا انتظام سینٹ کے ہاتھ میں تھا۔ سینٹ کے ممبر، جیسا کہ نیور نے سب سے پہلے صحیح بتایا تھا، تین سو گنوں کے سردار ہوتے تھے۔ گنوں کے سرداروں کی حیثیت سے وہ باپ یا پاتریس (patres) کہلاتے تھے اور ان سب کا بحیثیت ایک جماعت کے سینٹ نام تھا (جس کا مطلب ہے بزرگوں کی جماعت، کیونکہ سینکس (senex) کا مطلب ہے بوڑھا)۔ یہاں بھی چونکہ ہر گن کے سردار کو عام

طور پر ایک مخصوص خاندان میں سے چننے کا رواج تھا اس لئے اس سے پہلا موروثی شرفا کا طبقہ پیدا ہوا۔ یہ خاندان اپنے کو پتریشین کہتے تھے اور دعویٰ کرتے تھے کہ سینٹ کا ممبر ہونے اور ریاست کے مختلف عہدوں پر مقرر ہونے کا حق صرف انہیں کو ہے۔ کچھ دنوں بعد عوام نے ان کے اس دعوے کو مان لیا اور وہ ایک اصلی حق بن گیا۔ پرانی روایت کے مطابق یہ بات اس طرح کہی جاتی ہے کہ پہلی بار جو لوگ سینٹ کے ممبر چنے گئے تھے اس کو اور ان کی آئندہ نسلوں کو رومولس نے پتریشین (شرفا کے) طبقے کا مرتبہ اور اس کے کچھ مخصوص حق عطا کئے۔ اتھنز کی بولے (bule) کی مانند رومی سینٹ کو بھی بہت سے معاملوں میں فیصلہ کر دینے کا اختیار تھا۔ اور زیادہ اہم معاملوں میں، مثلاً کوئی نیا قانون بنانے کا سوال اٹھنے پر، ابتدائی بحث سینٹ میں ہوتی تھی اور فیصلہ عوامی اسمبلی میں کیا جاتا تھا جو کہ comitia curiata (کیوریوں کی اسمبلی) کہلاتی تھی اسمبلی میں لوگ اپنی اپنی کیوریوں کے ساتھ بیٹھتے تھے اور ہر کیوری میں شاید ایک ایک گن کے لوگ ساتھ بیٹھتے تھے اور سوالوں پر فیصلہ کرتے وقت تیسوں کیوریوں میں سے ہر ایک کا ایک ووٹ ہوتا تھا۔ کیوریوں کی یہ اسمبلی قانون منظور یا رد کرتی تھی، تمام اونچے عہدہ داروں کو چنتی تھی جن میں rex (نام نہاد بادشاہ) بھی ہوتا تھا، جنگ کا اعلان کرتی تھی (لیکن صلح سینٹ کرتی تھی) اور ایک عدالت عالیہ کی حیثیت سے، فریقین کی اپیل پر، ان تمام مقدمات کو، جن میں رومی شہریوں کو موت کی سزا مل سکتی تھی، فیصلہ کرتی تھی۔ آخر میں سینٹ اور عوامی اسمبلی کے ساتھ ساتھ rex ہوتا تھا جسے ٹھیک یونانی بیسیلس کی مانند سمجھنا چاہئے اور جو اس طرح کا مطلق العنان بادشاہ کبھی نہیں تھا جیسا کہ مومن نے اسے بنا دیا ہے۔ (5) ریکس فوجی سالار کا، بڑے پروہت کا اور کچھ عدالتوں میں صدر اعلیٰ کا کام کرتا تھا۔ اس پر کوئی دیوانی کی ذمہ داری نہیں تھی۔ فوجی سالار کی حیثیت سے سپین قائم رکھنے کا اختیارات اور عدالتوں کے صدر کی حیثیت سے سزا دینے کے اختیار کے علاوہ اس کو شہرتوں کی زندگی، ان کی آزادی اور ان کی جائیداد پر کوئی اختیار نہیں تھا۔ rex کا عہدہ موروثی نہیں تھا۔ اس کے برعکس شروع میں rex کا انتخاب ہوا کرتا تھا۔ شاید اس کا پیش رو عہدہ دار اسے نامزد کرتا تھا اور کیوریوں کی اسمبلی اسے منتخب کرتی تھی اور ایک دوسرے اجلاس میں اسے باقاعدہ گدی پر بٹھایا جاتا تھا۔ اسے گدی سے ہٹایا بھی جاسکتا تھا اور یہ بات ٹارکوئی ٹینس سو پر بس کے انجام سے ثابت ہے۔

سورمائی عہد کے یونانیوں کی طرح، نام نہاد بادشاہوں کے زمانے کے رومی لوگ بھی ایک فوجی جمہوریت میں رہتے تھے جو گنوں، فریڈریوں اور قبیلوں پر مبنی تھی اور انہی سے اس کی نشوونما ہوئی تھی۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ کیوریا اور قبیلے ایک حد تک بناوٹی ڈھنگ سے قائم کئے گئے تھے لیکن انہیں اس سماج کے اصلی اور قدرتی نمونوں کے مطابق بنایا گیا تھا جس سماج سے وہ پیدا ہوئے تھے اور جوان کے قائم ہونے کے وقت بھی چاروں طرف سے ان کو گھیرے ہوئے تھا۔ اور حالانکہ اس زمانے تک پتریشین شرفا کے طبقے کا، جس کی نشوونما قدرتی طور پر ہوئی تھی، کافی

زور ہو گیا تھا اور حالانکہ ریکس لوگ اپنے اختیارات کا دائرہ بڑھانے کی کوشش کر رہے تھے، پھر بھی اس سے دستور کی ابتدائی اور بنیادی شکل نہیں بدلتی۔ اور اہمیت اسی کی ہے۔

اسی دوران میں شہر روم اور رومی علاقے کی آبادی بڑھ گئی۔ فتوحات کے ذریعے یہ علاقہ پھیل گیا۔ اس میں نئے اور زیادہ تر لاطینی علاقے قبضہ کر کے ملا لئے گئے۔ کچھ تو ان علاقوں کے لوگوں کی وجہ سے آبادی بڑھی اور کچھ یہ بھی ہوا کہ باہر کے لوگ رومی علاقے میں آکر بس گئے۔ یہ ساری نئے رعایا (نی الحال ہو clients، یعنی سرپرستی میں بسنے والے آزاد باشندوں کے سوال سے بحث نہیں کر رہے ہیں) پرانے گنوں، کیوریوں اور قبیلوں کے باہر تھے اور اس لئے *populus romanus* کا یعنی رومی لوگوں کا حصہ نہیں تھی۔ یہ لوگ انفرادی طور پر آزاد تھے۔ وہ زمین کے مالک ہو سکتے تھے۔ انہیں ٹیکس دینا اور فوج میں کام کرنا پڑتا تھا۔ لیکن انہیں کوئی عہدہ نہیں مل سکتا تھا اور نہ وہ کیوریوں کی اسمبلی میں حصہ لے سکتے تھے اور نہ فتح کی ہوئی ریاستی زمین کے ہنوارے میں انہیں کوئی حصہ مل سکتا تھا۔ یہ عام لوگ (پلے بیٹن) تھے جو تمام سرکاری اختیارات اور حقوق سے محروم تھے۔ چونکہ ان کی تعداد برابر بڑھتی جا رہی تھی، وہ فوجی تربیت پاچکے تھے اور ان کے پاس ہتھیار بھی تھے، اس لئے وہ اس قدیم *populus* کے لئے ایک خطرہ بن گئے جس نے اب اپنے دروازوں کو بالکل بند کر دیا تھا تاکہ اس کی تعداد میں کوئی اضافہ نہ ہو سکے۔ اس کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ *populus* اور پلے بیٹن لوگوں کے درمیان زمین کا ہنوارہ بڑی حد تک برابر برابر ہوا تھا اگرچہ تجارتی اور صنعتی دولت، جو ابھی بہت کافی نہیں ہوئی تھی، زیادہ تر پلے بیٹن لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔

رومی تاریخ کی تمام تر افسانوی سی ابتدا بالکل تاریکی میں لپٹی ہوئی ہے۔ بعد کے جن مصنفوں کی کتابوں سے ہمیں روم کی تاریخ کا مواد ملتا ہے، انہوں نے قانون کی تعلیم پائی تھی اور انہوں نے معقولیت پرستی اور عملیت کے نظریے کے مطابق اس کا مطلب نکالنے کی کوشش کر کے اس تاریکی کو اور گہرا کر دیا ہے۔ اس لئے یقین کے ساتھ یہ کہنا ناممکن ہے کہ پرانے گن دستور کو جس انقلاب نے ختم کیا وہ کب، کیا اور کیسے ہوا تھا۔ اس سلسلے میں یقین کے ساتھ ہم صرف ایک بات کہہ سکتے ہیں اور وہ یہ کہ اس انقلاب کی تہہ میں پلے بیٹن اور *populus* کی کشمکش کام کر رہی تھی۔

نیا دستور ریکس سروینیس ٹولینیس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ یونانی دستوروں اور خاص کر سولون کے دستور کے نمونے پر بنایا گیا تھا۔ اس نے ایک نئی عوامی اسمبلی قائم کی جس میں *populus* اور پلے بیٹن دونوں طرح کے لوگوں کو بغیر کسی فرق کے صرف اس بنیاد پر حصہ لینے یا نہ لینے کی اجازت دی جاتی تھی کہ انہوں نے فوجی خدمت انجام دی ہے یا نہیں۔ آبادی کے تمام مردوں کو، جن سے فوجی خدمت لی جاسکتی تھی، دولت کے مطابق چھ طبقوں میں بانٹ دیا گیا تھا۔ پہلے پانچ طبقوں کے لئے سلسلہ وار کم سے کم حسب ذیل قیمت کی جائیداد ہونی

ضروری تھی: پہلا طبقہ ایک لاکھ اسے، دوسرا طبقہ 75 ہزار اسے، تیسرا طبقہ 50 ہزار اسے، چوتھا طبقہ 25 ہزار اسے، پانچواں طبقہ 11 ہزار اسے، دیور و دے لہ مال کے اندازے کے مطابق یہ تقریباً 14 ہزار، 3600، 7000، 10500 اور 1570 مارک کے برابر ہوتے ہیں۔ چھٹا طبقہ پروتاریوں کا تھا جن کے پاس اس سے بھی کم تھا اور جنہیں فوجی خدمت اور ٹیکسوں سے بری کر دیا گیا تھا۔ سنوریوں کی نئی اسمبلی (comitia centuriata) میں شہریوں کو فوجی سپاہیوں کی طرح سوسو کی ٹکڑیوں میں (اسی کو سنوریا کہتے تھے) صف بند ہو کر بیٹھنا پڑتا تھا اور ہر سنوریا کا ایک ووٹ ہوتا تھا۔ پہلا طبقہ 80 سنوریا بھیجتا تھا، دوسرا طبقہ 22، تیسرا طبقہ 20، چوتھا طبقہ 22، پانچواں طبقہ 30 اور چھٹا طبقہ بھی رسم ادائیگی کے طور پر ایک سنوریا بھیجا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ گھوڑسواروں کی 18 سنوریا تھیں جن میں سب سے زیادہ دولت مند لوگ ہی لئے جاتے تھے۔ کل ملا کر 193 سنوریا تھیں۔ اکثریت حاصل کرنے کے لئے 97 ووٹ ضروری ہوتے تھے۔ مگر گھوڑسواروں اور پہلے طبقے کو ہی ملا کر 98 ووٹ ہو جاتے تھے اور اس طرح نئی عوامی اسمبلی میں ان کی اکثریت تھی۔ جب گھوڑسواروں اور پہلے طبقے کے لوگوں میں اختلاف نہیں ہوتا تھا تو وہ دوسروں سے پوچھتے تک نہیں تھے اور خود فیصلہ کر ڈالتے تھے۔ اور وہ فیصلے سب کو ماننے پڑتے تھے۔

اب پرانی کیوریوں کی اسمبلی کے سبھی سیاسی اختیارات (محض نام کے لئے کچھ اختیارات کو چھوڑ کر باقی سب) سنوریوں کی اس نئی اسمبلی کو مل گئے۔ اور تب جیسا ایتھنز میں ہوا تھا، کیوریوں اور گنوں کی حیثیت محصلوگوں کے نجی اور مذہبی اداروں کی رہ گئی اور اس حیثیت سے وہ بہت دنوں تک گھسٹتے ہوئے زندہ رہے حالانکہ کیوریوں کی اسمبلی کو لوگ جلد ہی بھول گئے۔ تین پرانے قبیلوں کو بھی جو گن پر مبنی تھے، ریاست سے الگ کرنے کے لئے چار علاقائی قبیلے بنائے گئے۔ ہر قبیلہ شہر کے ایک چوتھائی حصے میں رہتا تھا اور اسے کچھ سیاسی اختیارات حاصل تھے۔

اس طرح روم میں بھی خون کے ذاتی رشتوں کی بنیاد پر جو پرانا سماجی نظام قائم تھا، وہ نام نہاد بادشاہت کے ختم ہونے سے پہلے ہی، برباد کر دیا گیا اور اس کی جگہ علاقوں کی تقسیم اور دولت کے فرق کی بنیاد پر ایک نیا دستور، صحیح معنی میں ایک ریاستی دستور قائم ہوا۔ یہاں اقتدار عامہ ان شہریوں کے ہاتھ میں تھا جن سے فوجی خدمت لی جاتی تھی اور اس کا رخ صرف غلاموں کے خلاف نہیں تھا بلکہ پروتاری کہلانے والے لوگوں کے خلاف بھی تھا جنہیں فوجی خدمت سے الگ رکھا گیا تھا اور جن کو ہتھیار رکھنے کا حق نہیں تھا۔

جب آخری رومی ریکس ٹاکوئی نیئس سو پر بس کو، جو طاقت غصب کر کے سچ مچ بادشاہ بن گیا تھا، ملک بدر کر دیا گیا اور ایک ریکس کی جگہ پر دو برابر اختیار رکھنے والے فوجی کمانڈر (تو نصل) مقرر کئے گئے (جیسا کہ اریوکواس

لوگوں میں بھی ہوتا تھا)، تو نئے دستور نے مزید ترقی ہی کی۔ اسی دستور کے دائرے کے اندر رومی ریپبلک کی تاریخ کا پہیہ گھومتا رہا ہے۔ اسی کے اندر عہدوں اور ریاستی زمین کے حصے کے لئے پٹریٹیشن اور پلے بین لوگوں کی تمام جدوجہد ہوتی رہی ہے۔ اور آخر میں اسی کے اندر پٹریٹیشن شرفا زمین اور نقد روپے کے بڑے بڑے مالکوں کے طبقے میں گھل مل گئے جنہوں نے فوجی خدمت سے برباد ہونے والے کسانوں کی ساری زمین رفتہ رفتہ اپنے قبضے میں لی تھی اور اس طرح زمین کے بڑے بڑے رقبے حاصل کر کے غلاموں کی مدد سے کھیتی کرنے لگے تھے، جنہوں نے اٹلی کو ویران کر دیا اور اس طرح نہ صرف شہنشاہوں کی حکومت کے لئے بلکہ ان کے جانشین بربری جرمنوں کے لئے بھی راستہ صاف کر دیا۔

حوالہ جات

1- گن کاٹیلہ۔ (ایڈیٹر)

2- ملاحظہ ہو "مارکس اور اینگلس کی دستاویزات" جلد 9، صفحہ 134-1 (ایڈیٹر)

3-The Mommsen, "Romische Forschungen", Aufl. 2. Bd, Berlin, 1864. ایڈیٹر

4-Lange L; "Romische Alterthumer", Bd. 1, Berlin, 1856. S. 195.

ایڈیٹر

5- لاطینی زبان کا لفظ rex، کیلک آئرش زبان کے righ (قبیلے کا سردار) اور گوتھک زبان کے reiks سے ملتا جلتا ہے۔ جرمن زبان کے لفظ Furst (انگریزی زبان کا first اور ڈینش کا forste) کی طرح اس لفظ کا بھی شروع میں یہی مطلب تھا۔ گن یا قبیلے کا سردار۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ چوتھی صدی تک گوتھ لوگوں کے پاس بعد کے زمانے کے بادشاہ کے لئے یعنی پوری جاتی کے فوجی سالار کے لئے ایک خاص لفظ ہو گیا تھا۔ وہ لفظ تھا: thiudans۔ بائبل کے الفیلا کے ترجمے میں آردشیر اور ہیروڈ کو کبھی reiks نہیں کہا گیا ہے بلکہ ان کو ہر جگہ thiudans کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ اور شہنشاہ ٹائی پیرکس کی مملکت کو reiki نہیں کہا گیا ہے بلکہ تھیوڈی ناسس (thiudinassus) کہا گیا ہے۔ گوتھک تھیوڈانس یا بادشاہ کے نام میں، جیسا کہ ہم اکثر غلط

ترجمہ کرتے ہیں، دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور یہ دونوں ہیں تھیوڈور اگس، تھیوڈور ایک یعنی ڈائریکٹ۔

ساتواں باب

کیلیٹ اور جرمن لوگوں میں گن

جگہ کی کمی کی وجہ سے ہم گن نظام کے ان اداروں کا تذکرہ نہیں کر سکتے جو موجودہ زمانے کے مختلف اقسام کی وحشی اور بربری لوگوں میں آج بھی کم و بیش خالص صورت میں پائے جاتے ہیں اور نہ ہم ایشیا کی متمدن قوموں کی قدیم تاریخ میں ان اداروں کے آثار کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ یہ ادارے یا ان کے آثار ہر جگہ چلتے ہیں۔ کچھ مثالیں کافی ہوں گی۔ جس وقت گن کو پہچانا بھی نہیں گیا تھا، اس وقت اس کا تذکرہ اس آدمی نے کیا اور اس کے بنیادی خدوخال صحیح طور پر بتائے جس نے اس کو غلط ڈھنگ سے سمجھنے کے لئے سب سے زیادہ زحمت اٹھائی تھی۔ ہماری مراد میکسیکن سے ہے جس نے کالمیک، چرکس، ساموئد (Samojeden) (1) میں اور ہندوستان کی تین جاتیوں۔ وارلی، ماگراورمی پورپوں میں گن نظام پایا تھا اور اس کے بارے میں لکھا تھا۔ حال میں میکسم کولیفسکی نے اس کی تصویر کشی کی ہے۔ اسے پشاور، خیوسور، سوانیوں اور قفقاز کے اور متعدد قبیلوں میں اس کا سراغ ملا ہے۔ کیلیٹ اور جرمن لوگوں میں بھی گن ہوتے تھے اور یہاں ہم اسی کے بارے میں چند مختصر باتوں تک اپنے آپ کو محدود رکھیں گے۔

قدیم ترین کیلیٹی قوانین جو ہم تک پہنچے ہیں، یہ بتاتے ہیں کہ گن آج بھی پورے شباب پر ہیں۔ آئرلینڈ میں جہاں انگریزوں نے زبردستی گن نظام کو برباد کر ڈالا، وہ آج بھی کم سے کم نیم شعوری طور پر لوگوں کے ذہن میں موجود ہے۔ اسکاٹ لائنڈ میں وہ گزشتہ صدی کے وسط تک پوری توانائی کے ساتھ پایا جاتا تھا اور وہاں بھی اسے صرف انگریزوں کے ہتھیاروں، قانونوں اور عدالتوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑے ہیں۔

ویلز کے پرانے قانون انگریزوں کی فتح سے (29) کئی صدی پہلے لکھے گئے تھے۔ وہ گیارہویں صدی تک

تیار ہو چکے تھے۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ کہیں کہیں پورے گاؤں کے گاؤں مل کر کھیتی کرتے تھے لاکھ اس زمانے تک یہ چیز ایک پرانے عام رواج کے باقی ماندہ اثر کے طور پر ہی کہیں کہیں رہ گئی تھی اور مستثنیٰ حیثیت رکھتی تھی۔ ہر خاندان کے پاس پانچ ایکڑ زمین خود جو تنے کے لئے ہوتی تھی اور ایک ٹکڑا دوسرے خاندانوں کے ساتھ مل کر جو تنے کے لئے ہوتا تھا۔ اس ٹکڑے کی پیداوار سب میں بٹ جاتی تھی۔ آئر لینڈ اور اسکاٹ لینڈ کی اتنی ملتی جلتی مثالوں کی بنیاد پر اگر ویلز کی ان دیہی برادریوں کا جائزہ لیا جائے تو اس بات میں ذرہ برابر شبہ کی گنجائش نہیں رہے گی کہ وہ یا تو گن کی نمائندہ ہیں یا گن کی شانیں.... خواہ ویلز کے قوانین کی پھر سے چھان بین کرنے پر جو میں اس موقع پر وقت کی تنگی کی وجہ سے نہیں کر سکتا، (میرے نوٹ 1869 کے ہیں) (30) اس کا کوئی براہ راست ثبوت ملے یا نہ ملے، لیکن ویلز اور آئر لینڈ کے مواد سے جس بات کا براہ راست ثبوت مل جاتا ہے وہ یہ کہ گیارہویں صدی تک کیلٹ لوگوں میں جوڑا خاندان کی جگہ یک زوجگی کا خاندان پوری طرح قائم نہیں ہوا تھا۔ ویلز میں شادی ہونے کے بعد جب تک سات برس کی مدت پوری نہ ہو جائے، شادی کا رشتہ اٹوٹ نہیں سمجھا جاتا تھا یا یوں کہا جائے کہ سات برس تک شادی کو کسی وقت بھی نوٹس دے کر منقطع کیا جاسکتا تھا۔ سات برس پورے ہونے میں اگر صرف تین راتوں کی کمی ہوتی تھی تب بھی شادی شدہ جوڑا الگ ہو سکتا تھا۔ ایسا ہونے پر جوڑے کی جائیداد دونوں میں بانٹ دی جاتی تھی۔ عورت پوری جائیداد اور ملکیت کے دو حصے کرتی۔ مرد ایک حصہ چن لیتا تھا۔ فرنیچر بانٹنے کے کچھ بہت ہی عجیب طریقے تھے۔ اگر مرد شادی کا رشتہ توڑتا تو اسے عورت کا جینز اور کچھ اور چیزیں واپس کر دینی پڑتی تھیں۔ اگر عورت الگ ہونا چاہتی تھی تو اسے کم ملتا تھا۔ بچوں میں سے دو مرد کو ملتے تھے۔ ایک منجھلا بچا عورت کو ملتا تھا۔ اگر عورت طلاق کے بعد پھر شادی کرتی تھی اور اس کا پہلا شوہر اسے واپس لے جانے کے لئے پہنچ جاتا تھا تو عورت کو، چاہے اس کا ایک بیٹے شوہر کے بستر میں ہی کیوں نہ ہو، لوٹ جانا پڑتا تھا۔ لیکن اگر عورت مرد سات سال تک ساتھ رہ چکتے تھے تو انہیں شادی کی رسم پوری ہوئے بغیر ہی شوہر اور بیوی سمجھا جاتا تھا۔ شادی سے پہلے لڑکیوں کے کنواری رہنے کے بارے میں کوئی خاص سختی نہیں برتی جاتی تھی اور نہ اس کی کوئی ضرورت سمجھی جاتی تھی۔ اس معاملے سے تعلق رکھنے والے قاعدے بہت ہی ہلکے قسم کے ہیں اور بورڈر اخلاق کے بالکل الٹ ہیں۔ اگر کوئی عورت کسی غیر مرد کے ساتھ ہمبستری کرتی تو اس کے شوہر کو اس کے پیٹنے کا حق ہوتا تھا۔۔۔۔۔ جن تین صورتوں میں بیوی کو پیٹنے پر بھی شوہر کو سزا کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا، یہ ان میں سے ایک وجہ تھی۔ لیکن بیوی کو پیٹنے کے بعد شوہر اور کسی قسم کے ہر جانے کا مطالبہ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ

" کسی قصور کا یا تو کفارہ لیا جاسکتا ہے یا بدلہ، لیکن دونوں نہیں لئے جاسکتے۔ " (31)

بہت سی وجوہات تھیں جن سے مرد کو عورت طلاق دے سکتی تھی اور ایسا کرنے پر بھی جائیداد وغیرہ پر اس کے

حق کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا۔ مرد کے منہ سے بد بو آنا بھی طلاق دینے کی ایک کافی وجہ سمجھی جاتی تھی۔ تو انہیں میں معاوضے کی اس رقم کی بہت نمایاں جگہ تو تھی جو قبیلے کے سردار یا بادشاہ کو پہلی رات کے حق کے بدلے میں دینی پڑتی تھی (اس حق کو گوبر مرچ (gobr merch) کہتے تھے، جس سے ازمنہ وسطیٰ کا لفظ مارچیتا (marcheta) بنا۔ فرانسیسی میں یہ مارکیٹ (marquette) ہے)۔ عورتوں کو عوامی اسمبلیوں میں ووٹ دینے کا حق تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر ہم ان باتوں پر بھی غور کریں کہ آئر لینڈ میں بھی اسی طرح کی حالت پائی جاتی تھی، وقتی شادیوں کا وہاں بھی کافی رواج تھا، اور طلاق کی صورت میں عورت کو بہت ہی واضح اختیارات اور خاص سہولتیں ملتی تھیں، یہاں تک کہ اسے گھریلو کاموں کا بھی معاوضہ ملتا تھا، متعدد بیویوں کے ساتھ ایک "بڑی بیوی" بھی ہوتی تھی اور کسی متوفی شخص کی جائیداد بانٹتے وقت اس کے جائز اور ناجائز بچوں میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ اگر ہم ان باتوں کو دھیان میں رکھیں تو ہمارے سامنے جوڑا بیاہ کی ایک ایسی تصویر آتی ہے جس کے مقابلے میں شادی کی وہ صورت زیادہ سخت معلوم ہوتی ہے جس کا رواج شمالی امریکہ میں تھا۔ لیکن سیزر کے زمانے میں جو لوگ گروہ وار شادی کی حالت میں تھے، وہ اگر گیارہویں صدی میں جوڑا بیاہ کی حالت میں ہی تھے، تو ان کے لئے وہ کوئی حیرت کی بات نہیں تھی۔

آئر لینڈ کے گن (اسے وہ سپت (sept) کہتے تھے اور قبیلے کو کلان (clainne) کہتے تھے جو انگریزی کے لفظ کلان (clan) کے مشابہ ہے) وجود کا ثبوت اور اس کا حال نہ صرف قانون کی پرانی کتابوں میں ملتا ہے بلکہ اس کی تصدیق سترہویں صدی کے ان انگریز ماہرین قانون نے بھی کی ہے جو آئر لینڈ کے قبیلوں کی زمین کو انگریزوں کے بادشاہ کی جاگیر بنانے کے لئے وہاں بھیجے گئے تھے۔ اس زمانے تک زمین کلان یا گن کی مشترکہ ملکیت ہوتی تھی، سو ان جگہوں کے جہاں قبیلے کے سردار نے زمین کو اپنی ذاتی جاگیر بنا لیا تھا۔ جب گن کا کوئی ممبر مر جاتا تھا اور اس کی وجہ سے کوئی گھرانہ ٹوٹ جاتا تھا تو گن کا سردار (انگریز ماہرین وانون اسے کاپٹ کو گئے شیونس... "caput cognationis" کہتے تھے) گن کی ساری زمین کو باقی گھرانوں میں نئے سرے سے بانٹ دیتا تھا۔ یہ تقسیم بحیثیت مجموعی انہی اصولوں کے مطابق ہوتی تھی جو جرمنوں میں پائے جاتے ہیں۔ آئر لینڈ میں آج بھی ایسے گاؤں ملتے ہیں جہاں زمین پر مشترکہ حق ہے۔ اسے روڈنڈیل (rundale) کہتے ہیں۔ چالیس یا پچاس سال پہلے ایسے گاؤں کی تعداد بہت بڑی تھی۔ جس زمین پر کبھی گن کا مشترکہ حق تھا اسے انگریز فاتحوں نے چھین لیا۔ ہر کسان کو جواب انفرادی طور پر کھیتی کرتا تھا، اپنے کھیت کے لئے لگان دینا پڑتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود گاؤں کے سارے کسان اپنے کھیتی کی اور چراگا ہوں کی تمام زمینوں کو ایک جگہ جمع کر لیتے ہیں اور پھر زمین کی زرخیزی اور عام حالت کا خیال رکھتے ہوئے، اسے قطعات میں یا جیسا کہ وہ موزیل ندی کے علاقے میں کہلاتی ہے، گیوانوں

(Gewanne) میں بانٹ لیا جاتا ہے۔ اور گاؤں کے ہر کسان کو ہر گیوانے (قطعہ) میں حصہ ملتا ہے۔ نجر زمین اور چراگاہ کا استعمال ساجھے میں ہوتا ہے۔ صرف پچاس سال پہلے کی بات ہے کہ وقتاً فوقتاً کبھی کبھی ہر سال، گاؤں کی زمین کا نئے سرے سے بٹوارہ ہو جاتا تھا۔ ایسے کسی روٹڈیل (rundale) گاؤں کا نقشہ دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ موزیل ندی کے علاقے یا ہونخ والڈ میں کاشنکار گھرانوں کی کسی جرمن بستی (Gehoferschaft) کا نقشہ ہے۔ "پارٹیوں" (factions) کی صورت میں بھی گن زندہ ہیں۔ کبھی کبھی آئر لینڈ کے کسان ایسی پارٹیاں بناتے پائے جاتے ہیں جو بالکل مہمل اور بے نکتے فرق پر مبنی معلوم ہوتی ہیں اور انگریزوں کی سمجھ میں بالکل نہیں آتیں۔ ان پارٹیوں کا اس کے سوا کوئی مقصد نہیں معلوم ہوتا کہ وہ ایک کھیل کھیلنے کے لئے جمع ہوں جو بہت مقبول ہے اور جس میں نہایت اطمینان اور سنجیدگی کے ساتھ ایک دوسرے کی خوب مرمت کی جاتی ہے۔ حقیقت میں ان پارٹیوں کے ذریعے پرانے گنوں کو بناوٹی ڈھنگ سے دوبارہ زندہ کیا جاتا ہے جو اب برباد ہو چکے ہیں، اور گن کا جو احساس انہیں وراثت میں ملا ہے اسے اپنے عجیب ڈھنگ سے ظاہر کرتے ہیں۔ اتفاق سے بعض علاقوں میں چند گنوں کے ممبر آج بھی اسی جگہ پر رہتے ہیں جو ان کی پرانی جگہ ہے۔ مثال کے لئے اس صدی کی چوتھی دہائی تک مونانگن سرزمین کے زیادہ تر باشندوں میں صرف چار خاندانی نام پائے جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اس ضلع کے تمام لوگ چار کنوں یا قبیلوں کی اولاد ہیں۔ (2)

اسکاٹ لینڈ میں گن سماج کا زوال 1745 کی بغاوت کے کچلے جانے کے بعد سے شروع ہوا (33)۔ اسکاٹ لینڈ کے جرگے (کلان) کی اس سماج میں کیا جگہ تھی، وہ اس سلسلے کی کون سی کڑی تھی، ان باتوں کی چھان بین ابھی باقی ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس نظام کی کڑی تھا ضرور۔ اسکاٹ لینڈ کی پہاڑیوں میں جرگہ کیا چیز تھی، اس کی زندہ تصویر ہمیں والٹر اسکاٹ کے ناولوں میں ملتی ہے۔ مارگن کے لفظوں میں

یہ

"تنظیم اور سرگرمی کے اعتبار سے گن کا ایک بہت اچھا نمونہ ہے اور اس بات کا غیر معمولی ثبوت ہے کہ گن کی زمندگی کا اپنے ممبروں پر کتنا اختیار ہوتا ہے... خاندانی جھگڑے ہوتے ہیں، خون کا بدلہ خون سے لیا جاتا ہے، ان کی جائے رہائش وہی ہوتی ہے جو پہلے ان کے گنوں کی تھی، زمین کا جو تنا بونا مشترک طور پر ہوتا ہے۔ جرگے کے لوگوں میں سردار کے لئے اور آپس میں ایک دوسرے کے لئے بڑی وفاداری ہوتی ہے۔ یہ گن سماج کی عام اور مستقل خصوصیتیں تھیں جو ان میں بھی پائی جاتی ہیں۔ نسل مردوں سے چلتی ہے۔ یعنی صرف مردوں کے بچے جرگے کے ممبر مانے جاتے تھے۔ اور عورتوں کے بچے اپنے اپنے باپ کے جرگے کے ممبر سمجھے جاتے

تھے۔" (34)

پکٹ لوگوں کا شاہی خاندان اس بات کا ثبوت ہے کہ اسکاٹ لینڈ میں پہلے مادری حق قائم تھا۔ بیڈے کی روایت کے مطابق اس شاہی خاندان میں عورتوں کی اولاد کو گدی ملتی تھی۔ ہمیں پوناوان خاندان کے آثار بھی ملتے ہیں جو اسکاٹس اور ویلز کے لوگوں میں عہد وسطیٰ تک قائم تھا۔ اس کا اثر پہلی رات کے حق کی صورت میں باقی تھا یعنی جرگے کا سردار یا بادشاہ پہلے زمانے کے مشترک شوہروں کے آخری نمائندے کی حیثیت سے ہرنی دلہن کے ساتھ پہلی رات ہمبستر ہونے کا مطالبہ کر سکتا تھا اور اس کو کچھ معاوضہ ادا کر کے ہی اس کے اس دعوے سے چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا تھا۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہجرت یا نقل وطن کے زمانے تک جرمن لوگ گنوں میں منظم تھے۔ ہمارے عہد (یعنی عیسوی سن) سے کئی سو سال پہلے ہی یہ لوگ ڈینوب، رائن اور وینولا دریاؤں اور شمالی سمندروں کے درمیانی علاقے میں آکر بسے ہوں گے۔ سیری اور تیتونی لوگوں کا ہجرت کا سلسلہ زوروں پر تھا، اور سونیوی لوگوں کو نیزر کے زمانے تک کوئی مستقل جائے رہائش نہیں ملی تھی۔ نیزر نے صاف کہا ہے کہ ان لوگوں میں گنوں کے ممبر اور خون کے رشتہ دار ساتھ ساتھ رہتے تھے (gentibus cognationibusque) اور جب جولیا گن (gens julia) کے ایک رومی کی زبان سے gentibus لفظ نکلتا ہے تو اس کا ایک مخصوص مطلب ہوتا ہے جس کو کسی طرح توڑا مروڑا نہیں جاسکتا۔ یہ بات سبھی جرمنوں کے لئے سچ ہے۔ یہاں تک کہ مفتوحہ رومی صوبوں میں بھی جرمن لوگ گنوں کے جنوب کے مفتوحہ علاقے میں جرمن لوگ گنوں (genealogiae) کے مطابق جا کر بسے تھے (35)۔ یہاں genealogia لفظ کا استعمال ٹھیک اسی معنی میں ہوتا ہے جس معنی میں ہوتا ہے جس معنی میں بعد میں Mark یا Dorfgenossenschaft (3) کا استعمال ہوا۔ حال میں گولہنسکی نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ genealogiar بڑی بڑی گھریلو برادریاں تھیں جن میں زمین بٹی ہوتی تھی اور جن سے بعد میں چاکر دیہی برادریاں بنیں۔ یہی بات fara کے بارے میں بھی سچ ہو سکتی ہے۔ برگنڈی یا لیستو بارڈ لوگ یعنی ایک گوتھ اور ایک ہرمی نونی یا شمالی جرمن قبیلہ اس لفظ fara کو اگر ٹھیک اس چیز کے لئے نہیں تو لگ بھگ اسی چیز کے لئے استعمال کرتا تھا جس کے لئے "المانی قانون" کی کتاب میں genealogia کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ چیز اصل میں گن تھی یا گھریلو برادری، اس کے بارے میں ابھی اور چھان بین کرنے کی ضرورت ہے۔

تحریری شہادتوں سے یہ بات صاف نہیں ہوتی کہ سبھی جرمن گن کے لئے ایک ہی لفظ استعمال کرتے تھے یا نہیں، اور اگر کرتے تھے تو وہ لفظ کیا تھا۔ علم نحو کی رو سے یونانی genes اور لاطینی gens گوتھی زبان کا kuni

اور وسطیٰ شمالی جرمن زبان کا kunne سب متشابہ الفاظ ہیں اور یہ سب ایک ہی معنی میں استعمال کئے جاتے ہیں اور چونکہ یونانی زبان کا لفظ gyne سلاف لفظ zena گوٹھی لفظ qvino اور قدیم نارس زبان کا kona یا kuna عورت کے یہ مختلف نام ایک ہی مادے سے نکلے ہیں اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک زمانہ ایسا رہا ہوگا جب ان تمام لوگوں میں مادری نظام قائم تھا۔ جیسا کہ اوپر بتایا گیا لینگو بارڈ اور برگنڈی لوگوں میں fara لفظ استعمال کیا جاتا تھا جس کے بارے میں گریم کا کہنا ہے کہ وہ ایک فرضی مادہ fisan سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں: پیدا کرنا۔ میری رائے میں لفظ fara کا تعلق fahren یا faran سے جوڑنا چاہئے۔ یہ ایک مفرد مادہ ہے جس کا مطلب گھومنا یا چا ترا کرنا ہے۔ تب faran کا مطلب ہوگا خانہ بدوش، آوارہ گرد لوگوں کا ایک مخصوص گروہ جس میں، یہ کہنے کی ضرورت نہیں، کہ سبھی ایک دوسرے کے رشتہ ہوتے تھے۔ یہ لوگ ایک عرصے تک پہلے مشرق کی طرف اور پھر مغرب کی طرف گھومتے رہے اور اسی خانہ بدوشی کے زمانے میں رفتہ رفتہ یہ لفظ خود گن سماج کے لئے استعمال ہونے لگا۔ اس کے علاوہ گوٹھی لفظ sibja اینگلو سیکسن لفظ sib، قدیم شمالی جرمن کا لفظ sippia یا جرمن sippe ہے۔ (4) قدیم نارس میں صرف صیغہ جمع لفظ sif jar استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں رشتے دار۔ صیغہ واحد کا لفظ sif، ایک دیوی کا نام ہے۔ آخر میں "ہلدے براند کے گیت" میں (36) اس کا ایک اور استعمال ملتا ہے۔ اس میں ہلدے براند بادو براند سے پوچھتا ہے کہ "جاتی لوگوں میں تیرا باپ کون ہے، یعنی تیرا گھرانہ کون سا ہے؟ (eddo huelihhes cnuosles du sis)

اگر گن کے لئے سبھی جرمن ایک ہی لفظ استعمال کرتے تھے تو بہت ممکن ہے کہ یہ لفظ گوٹھی زبان کا kuni جیسا ہو کیونکہ نہ صرف گوٹھی کی قرابت دار دوسری زبانوں میں اس سے ملتا جلتا لفظ استعمال ہوتا ہے بلکہ Kuning یا Konig لفظ بھی جس کا مطلب شروع میں گن یا قبیلہ کا سردار تھا، اسی لفظ سے نکلا ہے۔ Sibja یا Sippe کی طرف دھیان دینے کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ کم سے کم قدیم نارس میں sif jar کا مطلب صرف خون کی قرابت داری نہیں ہوتا بلکہ اس کے دائرے میں وہ لوگ بھی آتے ہیں جن سے شادی کے ذریعے رشتہ داری قائم ہوتی ہے۔ اس لئے اس لفظ میں کم سے کم دو گنوں کے لوگ شامل ہیں۔ مطلب یہ کہ sif کا لفظ گن کے لئے استعمال نہیں ہوتا تھا۔

میکسیکو کے باشندوں اور یونانیوں کی طرح جرمنوں میں بھی گھوڑ سواروں اور پیدل سپاہیوں کے گاؤدم مثلث شکل کے دستے لڑائی میں گن کے لحاظ سے صف بند ہوتے تھے۔ جب تاسیت کہتا ہے کہ خاندانوں اور رشتہ داروں کے اعتبار سے صف بندی ہوتی تھی تو وہ اس غیر واضح لفظ کو اس لئے استعمال کرتا ہے کہ روم میں بہت عرصے سے گن کوئی زندہ ادارہ نہیں رہا تھا۔

تائید کی وہ عبارت فیصلہ کن اہمیت رکھتی ہے جس میں اس نے کہا ہے کہ ماں کا بھائی اپنے بھانجے کو اپنا بیٹا سمجھتا ہے اور کچھ لوگوں کی تو یہ رائے ہے کہ ماموں اور بھانجے کا خون کا رشتہ باپ اور بیٹے کے رشتے سے زیادہ مقدس اور قریبی ہے، چنانچہ جب یرغمال (یعنی ضمانت کے طور پر دشمن کے حوالہ کرنے کے لئے کسی شخص کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو جس آدمی کو اس طرح پابند کرنا مقصود ہوتا ہے، اس کے بیٹے کے مقابلے میں اس کے بھانجے کو ترجیح دی جاتی ہے۔ یہ مادری حق کی اور اسی لئے ابتدائی گن کی ایک زندہ نشانی ہے۔ اور اس کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے گویا وہ جرمنوں کی کوئی امتیازی خصوصیت ہے۔ (5) اگر ایسے کسی گن کا کوئی ممبر اپنے کسی وعدے کی ضمانت کے طور پر اپنے سگے بیٹے کو دے دیتا تھا اور پھر وعدہ پورا نہیں کرتا تھا اور بیٹے کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا تھا تو یہ صرف باپ کا اپنا معاملہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اگر کسی آدمی کی بہن کے بیٹے کی قربانی ہو جاتی تو یہ گن کے نہایت مقدس قانون کی خلاف ورزی سمجھی جاتی تھی۔ ماموں سب سے قریبی رشتہ دار ہوتا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ اس کا فرض تھا کہ وہ لڑکے یا نوجوان کی حفاظت کرتا۔ اسے چاہئے تھا کہ یا تو ضمانت میں وہ اس لڑکے (یعنی اپنے بھانجے) کو نہ دیتا یا اپنا وعدہ پورا کرتا۔ اگر جرمنوں میں گن تنظیم کا کوئی اور ثبوت نہ بھی ملتا تو صرف یہ عبارت ہی اس کی کافی شہادت تھی۔

پرانے ناردگیت "وولوسپا" (Voluspa) یعنی وہ گیت جس میں دیوتاؤں کی آخری گھڑی اور قیامت یعنی دنیا کی تباہی کا ذکر کیا گیا ہے اس کا ایک ٹکڑا اس سے بھی زیادہ فیصلہ کن ہے چونکہ وہ آٹھ سو برس بعد کی چیز ہے۔ اس حصے میں جسے "غیب داں عورت کا کشف" کہا گیا ہے اور جس میں جیسا کہ پیٹنگ اور گے نے اب ثابت کر دیا ہے عیسائیت سے عناصر بھی ملے ہوئے ہیں، بتایا گیا ہے کہ قیامت سے پہلے عام فق و فجور اور برائی اور بد اخلاقی کا ایک زمانہ آئے گا۔ اس زمانے کا حال بیان کرتے ہوئے ایک جگہ کہا گیا ہے؛

"Broedhr munu derjask ok at bonum verdask, munu systrungar
sif jum spilla."

"بھائی بھائی ایک دوسرے سے جنگ کریں گے اور ایک دوسرے کا خون بہائیں گے اور بہنوں کی
اولاد خون کی قربت داری کے تعلق کو توڑے گی۔"

ماں کی بہن کے بیٹے کے لئے systrungar کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور شاعر کی نظر میں خون کے ایسے رشتے کو منقطع کرنا بھائیوں کے آپس کے خون خرابے کے مقابلے میں زیادہ بڑا جرم ہے۔ یہ انتہا systrungar لفظ پر پہنچ کر آتی ہے جس میں ماں کی طرف کے خون کے رشتے پر زور دیا گیا ہے۔ اگر اس جگہ پر لفظ syskins- born یعنی بھائی اور بہن کی اولاد، یا syskina- synir یعنی بھائیوں اور بہنوں کے بیٹے استعمال کیا جاتا تو پہلے کے مقابلے میں دوسری سطر چڑھتے ہوئے سروں میں نہیں ہوتی بلکہ اس کا سر بہت دھیمہ ہو

جاتا۔ چنانچہ وائیکنگ کے زمانے میں بھی جبکہ "Voluspa" گیت بنایا گیا تھا، اسکی نڈی نیویا میں مادری حق کی یاد مٹی نہیں تھی۔

لیکن تاسیت کے زمانے میں کم سے کم ان جرمنوں میں جن سے وہ زیادہ واقف تھا، مادری حق کی جگہ پدری حق قائم ہو چکا تھا یعنی باپ کے حقدار اس کے بچے ہوتے تھے اور بچوں کے نہ ہونے پر بھائی اور چچا اور ماموں ہوتے تھے۔ ماموں کو وارث بنانا بھی مذکورہ بالا رسم و رواج کا ہی نتیجہ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک جرمنوں میں پدری حق کو قائم ہوئے بہت دن نہیں ہوئے تھے۔ عہد وسطی کے اواخر تک بھی ہمیں مادری حق کے آثار ملتے ہیں۔ اس دور میں خاص کر زرعی غلاموں میں کسی کے باپ کا پتہ لگانا کافی مشکل کام تھا۔ اور اس لئے ضروری ہوتا تھا کہ وہ زرعی غلام کی محض ماں کی طرف کے چھ سب سے قریبی خون کے رشتہ داروں کی حلفیہ گواہی سے یہ ثابت کرے کہ وہ اس کا زرعی غلام تھا۔ (ماورر۔ "شہری دستور"۔ جلد 1، صفحہ 381-) (6)

مادری حق کی ایک اور نشانی تھی جو کہ اس وقت تک مٹنے لگی تھی اور جو روم کے باشندوں کے نقطہ نظر سے سمجھ میں نہ آنے والی بات تھی، وہ یہ کہ جرمن لوگ عورتوں کی بڑی عزت کرتے تھے۔ جرمنوں سے اگر کسی وعدے کو پورا کرانا ہوتا تھا تو اس کا سب سے اچھا طریقہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ شریف خاندانوں کی لڑکیوں کو ضمانت کے طور پر رکھ لیا جائے۔ جنگ کے وقت جرمنوں کی ہمت اور کسی چیز سے اس قدر جوش میں نہیں آتی تھی جتنی اس خوفناک خیال سے کہ اگر انہیں شکست ہوئی تو دشمن ان کی بہو بیٹیوں کو پکڑ کر لے جائیں گے اور اپنی باندیاں بنا لیں گے۔ جرمن لوگ عورت کو مقدس مانتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس میں مستقبل کو دیکھ لینے کی طاقت موجود ہے۔ چنانچہ وہ سب سے اہم معاملوں میں عورتوں کی صلاح پر عمل کرتے تھے۔ لپے ندی کے کنارے رہنے والے بروکٹر نین قبیلے کی پجارن ویلید اہتا وین قبیلے کی اس پوری بغاوت کی روح رواں تھی جس کی بدولت جرمنوں اور بلجیوں نے سوی لئس کی رہنمائی میں گال علاقے میں رومی حکومت کی بنیاد ہلا ڈالی تھی (37)۔ معلوم ہوتا ہے کہ گھر کے اندر عورتوں کی مطلق العنان حکومت تھی۔ تاسیت کہتا ہے کہ عورتوں کو، بوڑھوں اور بچوں کے ساتھ سارا کام کرنا پڑتا تھا کیونکہ مرد شکار کرنے جاتے تھے، شراب پیتے تھے اور آوارہ گردی کرتے تھے۔ لیکن وہ یہ نہیں بتاتا کہ کھیت کون جوتتا تھا اور چونکہ یہ اس نے صاف صاف کہا ہے کہ غلاموں کو صرف خراج ادا کرنا پڑتا تھا اور ان سے زبردستی کوئی کام نہیں لیا جاتا تھا اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ کھیتی کا تھوڑا بہت جو کام ہوتا تھا اسے بالغ مردوں کی بڑی تعداد ہی کرتی تھی۔

جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے شادی کی شکل جوڑا بیاہ کی تھی جو رفتہ رفتہ یک زوجگی میں بدلتی جا رہی تھی۔ ابھی سختی کے ساتھ یک زوجگی پر عمل نہیں ہوتا تھا کیونکہ شرفا کے لئے کئی بیویوں کی اجازت تھی، جیثیت مجموعی (کیٹ لوگوں کے برخلاف) جرمن لوگ لڑکیوں کی پاک دامنی پر زور دیتے تھے۔ تاسیت اس بات کا بڑے جوش کے ساتھ ذکر

کرتا ہے کہ جرمنوں میں شادی کا رشتہ اٹوٹ سمجھا جاتا تھا۔ وہ بتاتا ہے کہ طلاق کی اجازت صرف اسی صورت میں ملتی تھی جب عورت نے کسی اور مرد کے ساتھ ہمبستری کی ہو۔ لیکن تاسیت کی رپورت میں کئی خامیاں ہیں۔ اور اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ نیک چلنی کی مثال سامنے رکھ کر وہ بدچلن رومیوں کو اخلاق کا سبق پڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اتنی بات تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جرمن اپنے جنگلوں میں بھلے ہی نیک چلنی اور اخلاق کی بلندی اور پاکیزگی کا نمونہ رہے ہوں لیکن باہری دنیا کا ذرا سا تعلق ہی انہیں دوسرے اوسط یورپیوں کی سطح پر کھینچ لانے کے لئے کافی تھا۔ رومی زندگی کے تیز بھنور میں بڑ کر جرمنوں کی اخلاقی پاکیزگی جرمن زبان سے بھی زیادہ تیزی سے مٹ گئی اور اس کا کوئی نشان بھی باقی نہیں بچا۔ اس کے لئے تورس کے گریگری کی کتاب کو پڑھنا کافی ہوگا۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ جرمنی کے قدیم جنگلوں میں وہ لطافت اور نزاکت بھری عیاشی ممکن ہی نہیں تھی جو روم میں ہوتی تھی۔ اس لئے اس معاملے میں بھی جرمن لوگ رومیوں پر فوقیت رکھتے تھے لیکن اس کے لئے ان کی طرف یہ بات منسوب کرنے کی ضرورت نہیں کہ نفسانی خواہشیں انہیں چھو نہیں گئی تھیں اور وہ تقویٰ اور پرہیزگاری کا نمونہ تھے کیونکہ بحیثیت مجموعی کوئی قوم بھی کبھی ایسی نہیں رہی۔ گن نظام سے ہر شخص پر یہ فرض عائد ہوا کہ وہ اپنے باپ اور رشتہ داروں کے دشمنوں کو اپنا دشمن مانے اور ان کے دوستوں کو اپنا دوست۔ اسی سے "ویرگلڈ" کا رواج ہوا جس میں کسی کو قتل یا زخمی کرنے کی پاداش میں جرمانہ ادا کرنے سے کام چل جاتا تھا اور خونی انتقام کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ ایک پشت پہلے "ویرگلڈ" کو ایک ایسا رواج مانا جاتا تھا جو خاص طور پر جرمنوں میں پایا جاتا ہے۔ لیکن اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ خونی انتقام کی یہ زیادہ ہلکی صورت سینکڑوں جاتیوں میں پائی جاتی ہے اور وہ گن نظام سے پیدا ہوئی ہے۔ مثال کے لئے مہمان نوازی کی طرح یہ رواج بھی امریکہ کے انڈینوں میں پایا جاتا ہے۔ جرمنوں میں مہمان نوازی کا جو حال تاسیت نے بیان کیا ہے ("جرمنی" - باب 21) وہ چھوٹی موٹی باتوں میں بھی تقریباً وہی ہے جو مارگن نے اپنے امریکی انڈینوں کے بارے میں بیان کیا ہے۔

ایک زمانے میں اس بات پر بڑی گرم بحث چھڑی ہوئی تھی جو کبھی ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتی تھی کہ تاسیت کے وقت تک جرمنوں نے کھیتی کی زمین کا آخری طور پر بٹوارہ کر ڈالا تھا یا نہیں، اور اس سوال سے متعلق تاسیت نے جو کچھ لکھا ہے اس کا کیا مطلب لگایا جائے۔ اب یہ بحث پرانی ہو چکی۔ اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ تقریباً سبھی قوموں میں شروع میں پورا گن اور بعد میں قدیم کیونٹھی خاندانی برادریاں مل کر کھیتی کرتی تھیں اور سیزرنے اس وقت تک سویٹری لوگوں میں یہ رواج پایا تھا۔ بعد میں زمین تقسیم کرنے کا رواج ہوا۔ اور تھوڑے تھوڑے دنوں بعد الگ الگ خاندانوں میں زمین کو نئے سرے سے بانٹ دیا جاتا تھا۔ جرمنی کے کچھ حصوں میں تو کھیتی کی زمین کو ایک مقررہ میعاد کے بعد پھر سے بانٹ دینے کا وہ رواج آج تک پایا جاتا ہے۔ یہ سب ثابت ہو جانے کے بعد اب اس بحث

میں اور سرکھپانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ سیزر کے زمانے سے تاسیت کے زمانے تک کے ڈیڑھ سو برس کے عرصے میں اگر جرمن لوگ اجتماعی کھیتی سے سیزر نے صاف لفظوں میں کہا ہے کہ سویویوں لوگوں میں زمین کا ہتھوڑا یا انفرادی کھیتی نہیں ہوتی تھی آگے بڑھ کر ہر سال زمین کو پھر سے بانٹنے اور انفرادی طریقے سے کھیتی کرنے لگے تھے تو ماننا پڑے گا کہ انہوں نے کافی ترقی کی تھی۔ اتنے کم عرصے میں اور بغیر کسی بیرونی مداخلت کے اس حالت سے آگے بڑھ کر زمین کی مکمل طور پر نجی ملکیت کی منزل پر پہنچ جانا بالکل ناممکن تھا۔ لہذا میں تاسیت کے لفظوں کا صرف یہی مطلب نکالتا ہوں جو اس نے لکھا ہے اور اس نے لکھا یہ ہے: جرمن لوگ ہر سال کھیتی کی زمین کو بدل دیتے ہیں (یا پھر سے بانٹ لیتے ہیں) اور ایسا کرنے کے دوران میں کافی اجتماعی زمین بچ جاتی ہے۔ کھیتی اور زمین کی ملکیت کی یہ حالت جرمنوں کے اس زمانے کے گن دستور سے بالکل میل کھاتی ہے۔

مذکورہ بالا پیرا گراف کو میں نے بغیر کسی تبدیلی کے اسی طرح چھوڑ دیا ہے جس طرح وہ اس کتاب کے پرانے ایڈیشنوں میں چھپا ہے۔ لیکن اس دوران میں سوال کا ایک اور پہلو سامنے آ گیا ہے کولہشسکی نے یہ ثابت کر دیا ہے (دیکھئے اس کتاب کا صفحہ 44) (7) کہ پدری اقتدار والی گھریلو برادری، مادری حق والے کمیونسٹی خاندان اور موجودہ زمانے کے الگ الگ رہنے والے خاندان کو ملانے والی ایک درمیانی کڑی تھی اور اس حیثیت سے اگر یہ ہر جگہ نہیں پائی جاتی تو بھی اس کا بہت وسیع رواج تھا۔ جب سے یہ ثابت ہوا ہے تب سے بحث اس بات پر نہیں رہی کہ زمین سب کی مشترکہ ملکیت تھی یا نہیں، جس پر مارورا اور ویز میں اب تک مباحثہ ہو رہا تھا، بلکہ اب سوال یہ ہے کہ مشترکہ ملکیت کی کیا شکل تھی۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ سیزر کے زمانے میں سویوی لوگوں میں زمین کی مشترکہ ملکیت ہوتی تھی بلکہ سب لوگ مل کر سامجے کی کھیتی کرتے تھے۔ ان لوگوں کی اقتصادی اکائی کیا تھی۔ گن، گھریلو برادری یا خون کے رشتوں پر مبنی کوئی درمیانی کمیونسٹی گروہ، یا زمین کے مختلف مقامی حالات کے مطابق یہ تینوں ہی شکلیں پائی جاتی تھیں۔ ان سوالوں پر ابھی بہت دنوں تک بحث چلتی رہے گی۔ کولہشسکی کا کہنا ہے کہ تاسیت نے جن حالات کا ذکر کیا ہے وہ مارک یا دیہی برادری پر دلالت نہیں کرتے بلکہ گھریلو برادری پر دلالت کرتے ہیں جو بہت آگے چل کر آبادی کر بڑھ جانے کی وجہ سے دیہی برادری میں بدل گئی۔

اس لئے کہا جاتا ہے کہ رومیوں کے زمانے میں جس علاقے میں جرمن بے ہوئے تھے اور بعد میں جس علاقے کے انہوں نے رومیوں سے چھیننا، وہاں جرمنوں کی بستیاں گاؤں کی شکل میں نہیں تھیں بلکہ بڑی بڑی خاندانی برادریوں کی شکل میں تھیں جن میں کئی پشت کے لوگ رہتے تھے، جو زمین کے ایک کافی بڑے علاقے پر کھیتی کرتے تھے اور ارد گرد کی صحرائی زمین کو اپنے پڑوسیوں کے ساتھ مل کر مشترکہ مارک کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ یہ بات صحیح مان لی جائے تو کھیتی کی زمین کو بدلنے کے بارے میں تاسیت میں جو عبارت ہے، اس کا زریعہ

مفہوم نکالنا ہوگا یعنی ہر گھر یلو برادری ہر سال نئی زمین پر کھیتی کرتی تھی اور پچھلے سال کی جوتی ہوئی زمین کو بل چلا کر خالی چھوڑ دیتی تھی یا اسے بالکل کام میں نہ لاتی تھی۔ چونکہ آبادی بہت کم تھی اس لئے صحرائی زمین کی کوئی کمی نہ تھی اور اس لئے زمین کے لئے کسی کو بھگڑنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ کہا جاتا ہے کہ کئی صدیوں کے بعد جب گھرانے کے ممبروں کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ پیداوار کی اس وقت جو حالت تھی اس میں مل کر کھیتی کرنا ناممکن ہو گیا، تب کہیں ان گھر یلو برادریوں کا شیرازہ منتشر ہوا۔ پہلے جو سا جھے کے کھیت اور چراگا ہیں تھیں، انہیں الگ الگ گھرانوں میں، جو اس وقت تک بن چکے تھے، مروجہ طریقے کے مطابق بانٹ دیا گیا۔ شروع میں یہ بڑا رہ ایک مقررہ وقفے کے بعد بار بار ہوتا تھا، پھر یہ ایک بار ہمیشہ کے لئے ہو گیا لیکن جنگل، چراگا، ندی نالی اور تالاب سبھی کی مشترکہ ملکیت رہے۔

جہاں تک روس کا تعلق ہے، ارتقا کا یہ سلسلہ یہاں بھی تاریخی طور پر پوری طرح ثابت معلوم ہوتا ہے۔ جہاں تک جرمنی اور پھر ان ملکوں کا تعلق ہے جن میں جرمن لوگ رہتے تھے، اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تاسیت کے زمانے میں بھی دیہی برادری کا وجود ماننے کے پرانے خیال کے مقابلے میں یہ خیال بنیادی مواد کی زیادہ اچھی توجیہ کرتا ہے اور مشکلات کو زیادہ آسانی سے حل کرتا ہے۔ جرمنوں کی سب سے پرانی دستاویزوں کو.... مثال کے طور پر Codex Laureshamensis (38) کو۔ دیہی مارک برادری کے مقابلے میں گھر یلو برادری کی بنیاد پر زیادہ آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ دوسری طرف اس خیال سے نئی دشواریاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں اور نئے مسائل اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جنہیں حل کرنا ضروری ہے۔ یہ معاملہ مزید چھان بین کے بعد ہی طے ہو سکے گا۔ لیکن میں اس بات سے انکار نہیں کر سکتا نہیں کہ بہت ممکن ہے کہ جرمنی، اسکیڈی نیویا اور انگلینڈ میں گھر یلو برادری ایک درمیانی منزل بھی رہی ہو۔

جہاں سیزر کے زمانے میں جرمنوں نے ابھی حال میں کسی حد تک بستی بنا کر مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اور کسی حد تک وہ مستقل سکونت اختیار کرنے کے لئے مناسب جگہ کی تلاش میں تھے، وہاں تاسیت کے زمانے میں انہیں بستیوں میں جم کر رہتے ہوئے ایک پوری صدی گزر چکی تھی۔ اس سے ذرا نچ زندگی کی پیدائش میں جو ترقی ہوئی، اسے کوئی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ یہ لوگ لکڑی کے لٹھوں سے بنے ہوئے مکانوں میں رہتے تھے۔ ان کے لباس ابھی تک ابتدائی جنگلیوں کے سے تھے۔ وہ موٹے اونٹنی لبادے اور جانوروں کی کھالیں پہنتے تھے۔ عورتیں اور شرفا زیر جامدہ کے طور پر سن کے بنے ہوئے کپڑے استعمال کرتے تھے۔ ان لوگوں کی غذا تھی دودھ، گوشت، جنگلی پھل اور جیسا کہ پلینی نے بتایا ہے، جئی کا دلیا (جو کہ آج بھی آئر لینڈ اور اسکاٹ لینڈ میں کیلٹ لوگوں کی قومی غذا ہے)۔ ان کی دولت گائے بیل تھی۔ مگر ان کی نسل اچھی نہیں تھی اور جانور چھوٹے چھوٹے، بے ڈھنگے، بے ڈول اور

بغیر سینگوں کے ہوتے تھے۔ ان کے گھوڑے چھوٹے چھوٹے ٹٹوؤں جیسے ہوتے تھے جو تیز نہیں دوڑ سکتے تھے۔ سکے کا بہت کم استعمال ہوتا تھا اور وہ بھی بہت تھوڑی تعداد میں۔ صرف رومی سکے ہی چلتا تھا۔ جرمن لوگ سونے یا چاندی کے سامان نہیں بناتے تھے اور نہ وہ ان دھاتوں کو کوئی اہمیت دیتے تھے۔ لوہے کی بہت کمی تھی اور کم سے کم رائن اور ڈینیوب دریاؤں کے کنارے رہنے والے لوگ اپنی ضرورت کا سارا لوہا باہر سے منگواتے تھے اور خود زمین سے نہیں نکالتے تھے۔ رونک رسم الخط (جو یونانی اور لاطینی حروف کی نقل کر کے لکھا جاتا تھا) صرف ایک خفیہ اشارتی ابجد کے طور پر محض مذہبی جادوؤں کے کام آتا تھا۔ انسانوں کی قربانی کرنے کی رسم ابھی تک جاری تھی۔ مختصر یہ کہ اس زمانے میں جرمنوں نے بربریت کے درمیانی دور سے نکل کر آخری دور میں حال ہی میں قدم رکھا تھا۔ جن جرمن قبیلوں سے روم کے باشندوں کا براہ راست تعلق قائم ہو گیا تھا اور اس لئے جو آسانی سے روم والوں کی صنعتی پیداوار حاصل کر سکتے تھے، وہ دھات یا کپڑے کی خود اپنی صنعتیں نہیں قائم کر پائے تھے۔ لیکن اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ بحیرہ بالٹک کے ساحل پر رہنے والے شمال مشرقی قبیلوں نے یہ صنعتیں قائم کر لی تھیں۔ شیلر ڈگ کے دلہلی علاقے میں زرہ بکتر کے جو کگلے ملتے ہیں.... لوہے کی لمبی تلوار، بکتر، چاندی کا خود وغیرہ، جو چیزیں دوسری صدی کے آخر کے رومی سکوں کے ساتھ ملی ہیں.... اور لوگوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے سے جرمنوں کے بنائے ہوئے دھات کے سامان جو چاروں طرف پھیل گئے ہیں وہ سب ایک مخصوص قسم کی عمدہ کاریگری کے نمونے پیش کرتے ہیں اور یہی بات ان چیزوں پر بھی صادق آتی ہے جو رومی چیزوں کے نمونے پر بنائی گئی تھیں۔ مگر جب جرمن لوگ ترک وطن کر کے متمدن رومن ایمپائر (سلطنت) میں آئے تو انگلینڈ کے سوا باقی سب جگہ ان کی اپنی صنعتیں ختم ہو گئیں۔ ان صنعتوں کی ابتدا اور ان کی نشوونما کس قدر سلیتے سے اور یکساں طور پر ہوئی تھی اس کا ایک اچھا ثبوت ہے کانسی کا بنا ہوا بروج۔ برگنڈی میں، رومانیہ میں اور آرف سمندر کے ساحل پر جو نمونے ملے ہیں، وہ دیکھنے میں ایسے معلوم ہوتے ہیں گویا وہ بھی برطانیہ اور سویڈن کے کارخانوں میں بنائے گئے ہوں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بھی جرمن کاریگری کی پیداوار ہیں۔

ان لوگوں کا دستور بھی بربریت کے آخری دور کے حسب حال تھا۔ تاسیت کی روایت کے مطابق سرداروں (principes) کی ایک کونسل ہوتی تھی جو کم اہمیت کے معاملوں کو طے کر دیتی تھی اور زیادہ اہم سوالوں کو عوامی اسمبلی کے سامنے فیصلے کے لئے پیش کر دیتی تھی۔ بربریت کے ابتدائی دور میں کم سے کم ان لوگوں میں جن کی ہمیں واقفیت ہے، یعنی امریکہ کے انڈینوں میں، عوامی اسمبلی صرف گن میں ہوتی تھی۔ اس زمانے تک قبیلے میں یا قبیلوں کے وفاق میں عوامی اسمبلی کا رواج شروع نہیں ہوا تھا۔ ابرو کو اس لوگوں کی طرح جرمنوں میں بھی کونسل میں بیٹھنے والے سردار (pricipes) ابھی تک زمانہ جنگ کے سرداروں (duces) سے صاف طور پر ممتاز کئے جاسکتے

تھے۔ اول الذکر کو اپنے قبیلے کے لوگوں سے تختے کے طور پر مویشی، غلہ وغیرہ ملنے لگا تھا اور وہ ابھی سے، ایک حد تک، اسی پر گزارا کرنے لگے تھے۔ امریکہ کی طرح یہاں بھی یہ لوگ ایک ہی خاندان سے چنے جاتے تھے۔ یونان اور روم کی طرح یہاں بھی پدری حق قائم ہو جانے کی وجہ سے رفتہ رفتہ یہ تبدیلی ہوئی کہ جن عہدوں کے لئے پہلے انتخاب ہوا کرتا تھا، وہ اب موروثی بن گئے۔ اس طرح ہر گن میں شرفا کا ایک خاندان پیدا ہو گیا۔ اس قدم، نام نہاد قبائلی شرفا کے طبقے کا ایک بڑا حصہ لوگوں کے نفل وطن یا ہجرت کے دوران میں یا اس کے تھوڑے ہی دنوں کے اندر ختم ہو گیا۔ فوجی قائد یا رہنما محض اپنی صلاحیتوں کی بنیاد پر چنے جاتے تھے۔ اس میں یہ خیال نہیں کیا جاتا تھا کہ ان کی پیدائشی حیثیت کیا ہے۔ ان کو اختیار بہت کم تھا اور اپنی بات منوانے کے لیے خود کام کر کے مثال قائم کرنا ہوتی تھی۔ جیسا کہ تاسیت نے صاف لکھا ہے فوج کے اندر ڈسپلن قائم رکھنے کا اصلی اختیار پجاریوں کے ہاتھ میں تھا۔ اصلی اقتدار عوامی اسمبلی کے ہاتھ میں تھا۔ بادشاہ یا قبائلی سردار صدارت کرتا تھا۔ فیصلہ عوام کرتے تھے۔ ... زیر لب بڑبڑانے کا مطلب ہوتا تھا "نہیں" اور زور سے نعرے لگانے اور ہتھیار کھڑکھڑانے کا مطلب ہوتا تھا "ہاں"۔ عوامی اسمبلی عدالت کا کام بھی کرتی تھی۔ اس کے سامنے شکاریتیں پیش ہوئی تھیں اور ان کا فیصلہ کیا جاتا تھا اور سزائے موت تک دی جاتی تھی۔ موت کی سزا صرف بزدلی، غداری اور غیر فطری اخلاقی برائیوں کے لئے دی جاتی تھی گن اور دوسری شاخیں بھی مقدموں کی شنوائی کرتی تھیں۔ ان کا سردار صدارت کرتا تھا۔ جرمنوں کی سبھی ابتدائی عدالتوں کی طرح یہاں بھی صدر کا کام صرف عدالت کی کارروائی کو چلانا اور جرح کرنا تھا۔ جرمنوں میں ہر جگہ اور ہمیشہ یہی رواج تھا کہ کسی جرم کی سزا پورا سماج دیتا تھا۔

سینر کے زمانے سے قبیلوں کے وفاق بننے لگے۔ ان میں سے بعضوں میں بادشاہ بھی ہونے لگے تھے۔ یونانیوں اور رومیوں کی طرح ان لوگوں میں بھی سب سے بڑا سپہ سالار جلد ہی مطلق العنان حکمران بننے کے خواب دیکھنے لگا۔ کبھی کبھی ان کے حوصلے پورے ہو جاتے تھے۔ اس طرح جو لوگ اقتدار غصب کرنے میں کامیاب ہو جاتے تھے وہ اپنی مطلق العنان حکومت نہیں قائم کر پاتے تھے۔ لیکن پھر بھی وہ گن دستور کی بندشوں کو توڑنے لگے۔ جن غلاموں کو آزاد کر دیا جاتا تھا، ان کی گن دستور میں حیثیت عام طور پر نیچی ہوتی تھی کیونکہ وہ کسی گن کے ممبر نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن نئے بادشاہوں کی مہربانی سے یہ لوگ اکثر اونچے عہدے، دولت اور اعزاز حاصل کرتے تھے۔ رومن ایمپائر کی فتوحات کے بعد، ان فوجی رہنماؤں کے سلسلے میں جو بڑے بڑے ملکوں کے بادشاہ بن گئے تھے، یہی بات ہوئی۔ فرینک لوگوں میں بادشاہ کے غلاموں اور آزاد کئے ہوئے لوگوں کا شروع میں دربار میں اور بعد میں پوری ریاست میں بڑا ادب بہ تھا۔ نئے امر اور شرفا کی ایک بڑی تعداد انہیں کی اولاد میں تھی۔ بادشاہت کے ارتقا میں ایک ادارے سے بہت مدد ملی اور وہ ادارہ تھا افراد کی اپنی اپنی فوج۔ ہم اوپر دیکھ چکے

ہیں۔ کہ کس طرح امریکی انڈینوں میں گنوں کے ساتھ ساتھ اپنے طور پر جنگ کرنے کے لئے نئی جماعتیں بنائی جانے لگی تھیں۔ جرمنوں میں ان نئی جماعتوں نے مستقل حیثیت اختیار کر لی۔ اگر کوئی سپہ سالار شہرت حاصل کر لیتا تو لوٹ کے مال کے شوق میں جنگجو جوانوں کی ایک بڑی تعداد اس کے گرد جمع ہو جاتی۔ یہ لوگ ذاتی طور پر اس سے وفاداری کا عہد کرتے تھے اور وہ سپہ سالاران سے۔ وہ انہیں کھانا دیتا تھا، تحفے تحائف دیتا تھا اور درجہ بدرجہ کے اصول پر ان کی تنظیم کرتا تھا۔ ایک باڈی گارڈ یا محافظ دستہ، چھوٹی موٹی لڑائیوں میں حصہ لینے کے لئے اور فوری طور پر میدان میں اتر آنے کے لئے ایک کلڑی اور بڑی لڑائیوں کے لئے فوجی افسروں کا تربیت یافتہ جتھہ ہوتا تھا۔ پہنچی فوجیں اگر چہ کافی کمزور ہوتی تھیں اور بعد میں یہ بات ثابت بھی ہو گئی مثال کے لئے اٹلی میں اودو آکر کے تحت بھی ان کی کمزوری ثابت ہو گئی، لیکن پھر بھی انہوں نے قدیم عوامی آزادیوں کے لئے گھن کے کیڑے کا کام کیا اور لوگوں کی ہجرت یا نقل وطن کے دوران میں اور اس کے بعد بھی انہوں نے یہی کام پورا کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو بادشاہت کے ارتقا کے لئے انہوں نے مناسب زمین تیار کی اور دوسرے جیسا کہ تاسیت نے کہا ہے، ان فوجوں کو بنائے رکھنے کے لئے انہیں ہمیشہ لڑائی اور لوٹ مار کی مہموں میں مصروف رکھنا ضروری تھا۔ لوٹنا ان کا اصلی مقصد بن گیا۔ اگر فوجی سردار کو اپنے آس پاس کے علاقے میں اس کی کوئی گنجائش نہیں دکھائی دیتی تھی تو وہ اپنی فوجوں کو لے کر دوسرے ملکوں پر چڑھائی کر دیتا جہاں جنگ کرنے اور لوٹ کا مال حاصل کرنے کی گنجائش ہوتی۔ جرمن امدادی فوجیں جو رومی جھنڈے کے نیچے خود جرمنوں سے بھی بڑی تعداد میں لڑتی تھیں، ایسے ہی نئی دستوں اور کلڑیوں سے بنی تھیں۔ یہی وہ پہلا بیج تھا جس سے آگے چل کر لینڈس کنخت (8) نظام کی پیدائش ہوئی جو جرمنوں کے لئے کانک اور لعنت ثابت ہوا۔ رومی سامراج کی فتح کے بعد بادشاہوں کی یہ نئی فوجی بھی غلاموں اور روم کے درباریوں کی طرح بعد کے زمانے کے شرفا کا حصہ بن گئے۔

غرضیکہ عام طور پر جرمن قبیلوں نے بھی مل کر جاتیوں کی شکل اختیار کی اور ان کا وہی دستور تھا جو سوری مائی عہد کے یونانیوں میں اور رومیوں میں نام نہاد بادشاہوں کے زمانے میں پایا جاتا تھا۔ یعنی ان میں بھی اسی طرح کی عوامی اسمبلی، گن سرداروں کی کونسل اور فوجی کمانڈر ہوا کرتے تھے جو سچ مچ کے بادشاہ بننے کے خواب دیکھنے لگے تھے۔ یہ ایک نہایت ترقی یافتہ دستور تھا جو کسی گن سماج میں قائم ہو سکتا تھا۔ وہ بربریت کے آخری دور کا معیاری دستور تھا۔ جیسے ہی سماج ان حدود کے باہر نکل گیا جن کے لئے وہ دستور موزوں تھا، ویسے ہی گن نظام کا خاتمہ ہو گیا۔ گن نظام ٹوٹ گیا اور اس کی جگہ ریاست نے لے لی۔

حوالہ جات

- 1- آجکل انہیں نینسی کہتے ہیں۔ (ایڈیٹر)
- 2- میں نے آئرلینڈ میں کچھ دن گزارے (32) تو ایک بار پھر مجھے اس بات کا احساس ہو کہ اس ملک کی دیہاتی آبادی آج بھی کسی حد تک گن کے زمانے کے خیالات اور تصورات سے لپٹی ہوئی ہے۔ زمیندار کو جس سے لگان پر زمین لے کر کسان کھیتی کرتا ہے، وہ اپنے جرگے کا ایسا سردار سمجھتا ہے جو سب کے فائدے کے لئے کھیتی کی دیکھ بھال کرتا ہے، جسے کسانوں سے لگان کی شکل میں خراج لینے کا حق ہے، پر ساتھ ہی جس کا یہ فرض بھی ہے کہ ضرورت پڑنے پر کسان کی مدد کرے۔ اسی طرح ہر کھاتے پیتے آدمی کا فرض سمجھا جاتا ہے کہ جب بھی اس کے غریب پڑوسی مصیبت میں ہوں تو وہ ان کی مدد کرے۔ یہ مدد خیرات نہیں ہے۔ جرگے کے غریب ممبروں کا حق ہے کہ جرگے کے دولت مند لوگ یا جرگے کا سردار ان کی مدد کرے۔ اسی وجہ سے اقتصادیات اور قانون کے پنڈت اکثر یہ شکایت کرتے سنے جاتے ہیں کہ آئرلینڈ کے کسانوں کے دماغ میں بورژوا ملکیت کے جدید خیالات کو جمانا ناممکن ہے۔ آئرلینڈ کے باشندوں کی سمجھ میں یہ بات کسی طرح نہیں آتی کہ ایسی بھی کوئی ملکیت ہو سکتی ہے جس میں محض اختیارات اور حقوق ہوں اور ذمہ داری کوئی نہ ہو۔ کوئی حیرت نہیں کہ گن سماج کے ایسے بھولے بھالے خیالات کو لئے ہوئے آئرلینڈ کے باشندے جب اچانک انگلینڈ یا امریکہ کے بڑے شہروں میں، ایسی آبادی میں پہنچ جاتے ہیں جس کے اخلاق اور قانون کے معیاری اصول بالکل مختلف ہوتے ہیں تو اخلاق اور انصاف دونوں کے بارے میں ان کے خیالات گڈمڈ ہو جاتے ہیں، انہیں اپنے آپ پر قابو نہیں رہتا اور اکثر ان کی ایک بڑی تعداد بددلی اور پست ہمتی کا شکار ہو جاتی ہے۔ (1891 کے ایڈیشن کے لئے نوٹ از اینگلز۔)
- 3- دیہی برادری۔ (ایڈیٹر)
- 4- قرابت دار۔ (ایڈیٹر)
- 5- ماموں اور بھانجے کے رشتے کا گہرا تعلق اور اس کی خصوصیت جو بہت سے لوگوں میں مادری حق کی ایک نشانی کے طور پر باقی ہے، یونانیوں میں صرف سورمائی عہد کی دیوالا میں پائی جاتی ہے۔ دیودورس کی جلد 4، صفحہ 34 میں میلیا گیر اپنی ماں آلتھیا کے بھائیوں، تھیسٹیس کے بیٹوں کو مار ڈالتا ہے۔ آلتھیا اس قتل کو اتنا سنگین جرم سمجھتی ہے کہ قاتل کو جو خود اس کا بیٹا ہے، سراپ دے ڈالتی ہے اور دعا کرتی ہے کہ وہ مر جائے۔ لکھا ہے کہ "دیوتاؤں نے اس کی دعا سن لی اور میلیا گیر کی زندگی کو ختم کر دیا۔" اسی مصنف کے قول کے مطابق (دیودورس، جلد 4، صفحات

44,43) جب ہرقلیس کی رہنمائی میں ارگونٹا کا گروہ تھریسیا (Thracia) میں اتر اتواس نے دیکھا کہ فینیسیس نے پہلی بیوی کلیا پیٹر ابوریہ سے قطع تعلق کر لیا ہے اور اپنی دوسری بیوی کے کہنے میں آکر ان دونوں بیٹوں کے ساتھ جو کلیو پیٹرا کے بطن سے تھے، نہایت شرمناک برتاؤ کر رہا ہے۔ لیکن ارگونٹا کے گروہ میں بھی کچھ بورنیڈ خاندان کے لوگ تھے جو کلیو پیٹرا کے بھائی ہوتے تھے اور اس طرح ان مصیبت زدہ لڑکوں کے ماموں تھے۔ ماموں نے فوراً اپنے بھانجوں کی مدد کی، انہیں قید سے چھٹکارا دیا اور ان کو قید میں رکھنے والے پہرہ داروں کو مار ڈالا۔ (نوٹاز اینگلز۔)

6-Maurer G. L; "Geschichte der Stadteverfassung in Deutschland", Bd. i, Erlangen, 1869. (ایڈیٹر)

7- اینگلز نے جس صفحے کی طرف اشارہ کیا ہے وہ چوتھے جرمن ایڈیشن کا ہے۔ دیکھئے اسی جلد کے صفحات 76-78- (ایڈیٹر)

8- لینڈس کتھ (Landsknecht) تنخواہ دار سپاہی۔ (ایڈیٹر)

آٹھواں باب

جرمن لوگوں میں ریاست کا آغاز

تاسیت کا کہنا ہے کہ جرمن لوگوں کی تعداد بہت بڑی تھی۔ الگ الگ جرمن جاتیوں کی تعداد کم و بیش اندازہ سیزرنے دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اودی بیتن اور تیکتیرن لوگوں کی تعداد عورتوں اور بچوں کو ملا کر ایک لاکھ اسی ہزار تھی۔ یہ لوگ دریائے رائن کے بائیں کنارے پر آسے تھے۔ اسی طرح ہر جاتی میں تقریباً ایک لاکھ آدمی ہوتے تھے۔ (1) ایروکو اس لوگ اپنے انتہائی عروج کے زمانے میں بھی تعداد میں اس سے کہیں کم تھے۔ ان کی تعداد جب بیس ہزار بھی نہیں تھی تو وہ بڑی جھلپوں سے لے کر اویو اور پولو مک تک کے پورے ملک میں لوگوں کے لئے ایک دہشت کی چیز بنے ہوئے تھے۔ اگر ہم رائن علاقے کی الگ الگ جاتیوں کو جن کے بارے میں رپورٹوں کی بدولت ہماری واقفیت زیادہ ہے، نقشے پر جمع کریں تو ہم دیکھیں گے کہ ان میں سے ہر جاتی اوسطاً پروشیا کے ایک

موجودہ انتظامی ضلع کے برابر یعنی دس ہزار مربع کلومیٹر یا 182 جغرافیائی مربع میل کے علاقے میں بسی ہوئی تھی۔ لیکن روم والے جس کو Germania Magna (2) کہتے تھے، اس کی سرحد دریائے سوٹولا تک پہنچتی تھی، اس کا رقبہ کم و بیش پانچ لاکھ مربع کلومیٹر تھا۔ اگر ایک جاتی کے لئے اوسطاً ایک لاکھ کا حساب رکھائے تو Germanis Magna کی کل آبادی 50 لاکھ ہو جاتی ہے جو بریت کی جاتیوں کے ایک گروہ کے لئے ذرا بڑی تعداد ہے، حالانکہ یہی مربع کلومیٹر دس آدمی یا ایک جغرافیائی مربع میل کے لئے 550 کی آبادی آج کل کی حالت کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ لیکن اس تعداد میں اس زمانے کے تمام جرمن شامل نہیں ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ گوتھ نسل کی جرمن جاتیاں، یعنی باسٹرنین، پیوکنین اور دوسری جاتیاں کارپے تھین پہاڑوں کے کنارے کنارے دریائے ڈینوب کے دہانے تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کی تعداد اتنی بڑی تھی کہ پلینین نے انہیں جرمنوں کا پانچواں بنیادی قبیلہ کہا تھا۔ 180 ق۔م۔ میں یہ لوگ مقدونیہ کے بادشاہ پرسیس کے تنخواہ دار سپاہیوں کا کام کرنے لگے تھے اور آگسٹن کے عہد حکومت کے شروع میں وہ ایڈریانوپل کے پاس تک بڑھ آئے تھے۔ اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ ان کی تعداد صرف دس لاکھ تھی تو سن عیسوی کے شروع میں جرمنوں کی کل تعداد ساٹھ لاکھ سے کم نہیں رہی ہوگی۔

جرمنی میں بس جانے کے بعد آبادی نہایت تیزی سے بڑھی ہوگی۔ اور جس صنعتی ترقی کا ذکر ہوا ہے وہ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ ہلیز وگ کے دلدل میں جو چیزیں ہیں، وہ اسی زمانے کے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تیسری صدی تک بحیرہ بالٹک کے ساحلوں پر دھات اور کپڑے کی صنعت کا یہ ترقی کر چکی تھی، سلطنت روم کے ساتھ کافی تجارت ہوتی تھی اور دو تہہ طبقہ نہایت عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ یہ تمام باتیں بتاتی ہیں کہ آبادی پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئی تھی۔ لیکن اسی زمانے میں جرمنوں نے دریائے رائن، رومن سرحدی فصیل اور دریائے ڈینوب تک کی پوری سرحد پر، بحر شمالی سے بحیرہ اسود تک عام دھاوا بول دیا۔ یہ اس بات کا براہ راست ثبوت ہے کہ برابر بڑھتی ہوئی آبادی اپنے علاقوں سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کشمکش کے تین سو برس کے عرصے میں گوتھ لوگوں کی اصلی جماعت (اسکینڈینی نیویا کے گوتھ لوگوں اور برگنڈیوں کو چھوڑ کر) جنوب مشرق کی طرف بڑھ گئی اور اس حملے کے مورچے کا بھی بایاں بازو بنا۔ شمالی جرمن لوگ (ہرمی نوئی) اس مورچے کے وسط میں اوپری ڈینوب تک بڑھ آئے اور اتنی دوئی لوگ جو اس زمانے میں فرینک کہلانے لگے، دریائے رائن کے کنارے کنارے اس مورچے کے دائیں حصے میں بڑھ آئے۔ برطانیہ کو فتح کرنا کا کام انگیوونی لوگوں کے حصے میں آیا۔ پانچویں صدی کے آخر میں روم کی کمزور و ناتواں اور بے یار و مددگار سلطنت کے دروازے جرمن حملہ آوروں کے لئے کھلے ہوئے تھے۔

اس سے پہلے کے ابواب میں ہم قدیم یونانی اور رومی تمدن کے گوارے کے پاس کھڑے تھے۔ اب ہم اس کی قبر کے پاس کھڑے ہیں۔ کئی صدیوں سے بحیرہ روم کے تمام ملکوں پر روم کی عالمگیر طاقت کا رندا چل کر ان کی تمام امتیازی خصوصیات مٹاتا جا رہا تھا۔ ان چند جگہوں کو چھوڑ کر جہاں یونانی زبان نے اس کا مقابلہ کیا، تمام قومی زبانیں ایک خراب اور بگڑی ہوئی لاطینی سے مغلوب ہو کر پیچھے ہٹ گئیں۔ قومیتوں کا کوئی امتیاز اور فرق باقی نہیں رہا۔ نہ کوئی گال تھا، نہ اسپیرین، نہ لیگورین تھا اور نہ ناریکن۔۔۔ سب رومن ہو گئے تھے۔ رومی نظم و نسق اور رومی قانون نے ہر جگہ خون کے رشتوں یا سگوتری کی پرانی جماعتوں کا شیرازہ منتشر کر دیا تھا، اور مقامی اور قومی خود اختیاری کے آخری آثار کو بھی مٹا دیا تھا۔ نو ساختہ اور نو ایجاد رومنیت اس نقصان کی تلافی نہیں کر سکتی تھی۔ یہ کسی قومیت کا نہیں بلکہ قومیت نہ ہونے کا اظہار تھا۔ نئی قوموں کی تعمیر کے عناصر ہر جگہ موجود تھے۔ مختلف صوبوں کی لاطینی بولیوں کا فرق روز بروز بڑھتا تھا۔ جن قدرتی سرحدوں نے کسی زمانے میں اٹلی، گال، اسپین، افریقہ کو الگ الگ آزاد ملک بنا دیا تھا، وہ آج بھی موجود ہیں اور ان کا اثر بھی پڑ رہا تھا۔ پھر بھی کہیں کوئی ایسی قوت نہیں تھی جو ان عناصر کو ملا کر نئی قوموں کی تخلیق کرتی۔ ترقی کی صلاحیت کے کہیں کوئی آثار نہیں دکھائی دیتے تھے اور نہ مقابلے کی کہیں کوئی طاقت نظر آتی تھی۔ ایسی صورت میں تخلیقی قوت کی بھلا کیا گنجائش ہو سکتی تھی۔ اس وسیع علاقے کی کثیر انسانی آبادی کو ایک شیرازے میں باندھ رکھنے والی چیز ایک ہی تھی اور وہ تھی رومی ریاست اور وہی کچھ زمانہ گزرتے گزرتے ان کی بدترین دشمن اور ان پر ظلم ڈھانے والی بن گئی تھی۔ صوبوں نے روم کو برباد کر دیا تھا۔ روم خود بھی اور شہروں کی طرح ایک صوبائی شہر بن گیا۔ اسے کچھ مخصوص حقوق اب بھی حاصل تھے مگر اب وہ حکومت نہیں کرتا تھا، وہ اب ایک عالمگیر سلطنت کا مرکز نہیں تھا، وہ اب شہنشاہوں اور نائب شہنشاہوں کی راجدھانی بھی نہیں تھا کیونکہ وہ تو اب قسطنطنیہ، ترییر اور میلان میں رہنے لگے تھے۔ رومی ریاست اب ایک بھاری بھرم اور پیچیدہ مشین ہو گئی تھی جس کا واحد مقصد اپنی رعایا کا استحصال کرنا تھا۔ ریاست ان سے ٹیکس اور خد متیں لیتی اور طرح طرح کے محصول وصولیتی تھی جس کی وجہ سے لوگ روز بروز افلاس کے گڑھے میں دھنستے گئے۔ سلطنت کے پروکیوریٹر، ٹیکس وصولنے والے افسر اور سپاہی عوام کے ساتھ جیسی زبردستی کرتے تھے، اس سے یہ دباؤ اور بوجھ اور بھی ناقابل برداشت ہو گیا۔ روم کی ریاست نے اپنا عالمگیر تسلط قائم کر کے یہ حالت کر رکھی تھی۔ اس کے قائم رہنے کا جواز یہ بتلایا جاتا تھا کہ ملک میں امن و امان قائم رکھنے اور ملک کو باہر کے بربروں کے حملوں سے بچانے کے لئے اس کی ضرورت ہے۔ لیکن اس کا نظم اور امن و امان بدترین نظمیں اور بد امنی سے بھی بدتر تھا۔ اور جن بربر لوگوں سے ریاست اپنے شہریوں کو بچانے کا دعویٰ کرتی تھی، انہی کو شہریوں نے اپنا نجات دہندہ سمجھا اور ان کا خیر مقدم کیا۔

سماجی حالات بھی کم خراب نہیں تھے۔ ریپبلک برسوں میں ہی رومی حکومت کی بنیاد مفتوحہ صوبوں کے

بدترین استحصال پر تھی۔ شہنشاہوں نے اس استحصال کو ختم نہیں کیا بلکہ اگلے اسے منظم اور باقاعدہ کر دیا۔ جتنا زیادہ سلطنت کا زوال ہوتا گیا اتنا ہی زیادہ ٹیکس اور جبری خدمتیں بڑھتی گئیں اور سرکاری افسرانہی زیادہ بے شرمی کے ساتھ لوگوں کو لوٹنے اور ستانے لگے۔ تجارت اور صنعت سے رومیوں کو کبھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ تو پوری کی پوری قوموں پر حکم چلایا کرتے تھے۔ وہ صرف سود خوری میں اپنے پہلے اور بعد کے سبھی لوگوں سے بڑھے ہوئے تھے۔ تھوڑی بہت تجارت جو تھی اور جس نے کچھ دنوں تک کسی طرح اپنے آپ کو قائم رکھا تھا، وہ سرکاری لوٹ کھسوٹ کی بدولت برباد ہو رہی تھی۔ جو کچھ بچ رہی تھی وہ سلطنت کے مشرقی یعنی یونانی حصے میں تھی لیکن وہ ہمارے موجودہ مطالعے کے دائرے سے باہر ہے۔ افلاس عام تھا۔ تجارت، دستکاری، فنون اور آبادی کا زوال ہو رہا تھا، شہر انحطاط پزیر تھے، زراعت میں بھی تنزل ہو رہا تھا اور وہ نیچے درجے پر پہنچ چکی تھی۔ رومیوں کے عالمگیر تسلط کا خری نتیجہ یہی تھا۔

قدیم زمانے میں ہر جگہ پیداوار کی سب سے اہم اور فیصلہ کن شاخ زراعت تھی۔ اس کی اہمیت اب پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی۔ اٹلی میں بڑی بڑی جاگیروں (latifundia) کو جو ر پبلک کے خاتمے کے زمانے سے تقریباً سارے علاقے پر چھائی ہوئی تھیں، دو طرح سے استعمال کیا جاتا تھا۔ یا تو چراگاہ کے طور پر، جس سے آبادی کو ہٹا کر بیٹھیں اور تیل پالے جانے لگے تھے جن کی دیکھ بھال کے لئے بہت تھوڑے سے غلاموں کی ضرورت تھی، اور یا ایسی جاگیروں کے طور پر جن پر بہت سے غلاموں کی مدد سے بڑے پیمانے پر باغبانی کی جاتی تھی۔ انہیں پیداوار کچھ تو مالکوں کے اپنے عیش و آرام کی ضرورت پوری کرنے کے کام آتی تھی اور کچھ شہروں کے بازاروں میں فروخت کی جاتی تھی۔ بڑی بڑی چراگاہوں کو قائم رکھا گیا تھا اور کسی حد تک بڑھایا بھی گیا تھا۔ لیکن دوسری قسم کی جاگیریں اور باغبانیاں مالکوں کے افلاس اور شہروں کے زوال کی بدولت تباہی کا شکار ہو گئیں۔ بڑی بڑی جاگیروں (لیٹی فنڈیا) کا یہ اقتصادی نظام جس کی بنیاد غلاموں کے کام پر تھی، اب نفع بخش نہیں رہا تھا۔ لیکن اس زمانے میں بڑے پیمانے پر کھیتی کا کام کرنے کی یہی ایک ممکن صورت تھی۔ چھوٹے پیمانے کی کھیتی ہی ایک بار پھر اس کی تباہی نفع بخش صورت رہ گئی۔ یکے بعد دیگرے بڑی بڑی کھیتیاں چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دی گئیں اور انہیں موروثی اسامیوں کے ہاتھوں پٹے پر دے دیا گیا جو اسامی نہیں بلکہ زراعت کے میجر ہوا کرتے تھے اور جنہیں اپنے کام کے لئے چھ میں صرف ایک یا نو میں صرف ایک حصہ ملتا تھا۔ لیکن زیادہ تر یہ چھوٹے چھوٹے قطعہ کولونی (coloni) کو دیئے جاتے تھے جو سالانہ ایک مقررہ رقم ادا کرتے تھے۔ وہ زمین سے وابستہ ہوتے تھے اور انہیں ان قطعہ کے ساتھ ہی فروخت کیا جاسکتا تھا۔ وہ لوگ غلام نہیں تھے لیکن وہ آزاد بھی نہیں تھے۔ وہ آزاد شہریوں سے شادی بیاہ نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی آپس کی شادی، شادی نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ جیسا کہ غلاموں

میں ہوتا تھا اس کی حیثیت محض داشتہ گیری (contubernium) کی تھی۔ وہ ازمنہ وسطی کے زرعی غلاموں کے پیش رو تھے۔

قدیم زمانے کا غلامی کا نظام متروک ہو گیا۔ اس غلامی کے نظام سے نہ تو دیہات کی بڑے پیمانے کی کھیتی میں قابل ذکر منافع ہوتا تھا اور نہ شہروں کے دستی صنعت و حرفت کے کارخانوں میں۔ اس کی پیداوار کے لئے کوئی بازار نہیں رہ گیا تھا۔ چھوٹے پیمانے کی زراعت یا دستکاری میں زیادہ غلاموں کی گنجائش نہیں تھی۔ اور سلطنت کی خوشحالی کے زمانے کی عظیم الشان پیداوار اب گھٹ کر چھوٹے پیمانے کی زراعت اور دستکاری کی صورت میں رہ گئی تھی۔ سماج میں غلاموں کی ضرورت صرف امیروں کے گھر بلوکاموں اور عیش و آرام کے لئے تھی۔ لیکن غلامی کا دم توڑتا ہوا نظام اب بھی اتنا جاندار تھا کہ پیداوار کا تمام کام بظاہر غلاموں کا کام معلوم ہوتا تھا جو آزاد رومنوں کے شایان شان نہیں تھا۔ اور اب ہر شخص ایک آزاد رومن تھا۔ ایک تو یہ وجہ تھی جس سے غیر ضروری طور پر غلاموں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ اور یہ غلام چونکہ ایک بوجھ بن گئے تھے اس لئے انہیں آزاد کر دیا گیا۔ دوسری طرف کولونی اور بھک منگے آزادوں کی تعداد بڑھی۔ (ان بھک منگوں کی حیثیت وہی تھی جو امریکہ کی سابقہ غلام رکھنے والی ریاستوں میں افلاس زدہ سفید فام لوگوں "pro whites" کی تھی)۔ قدیم غلامی کی اس طرح رفتہ رفتہ مٹنے کا عمل عیسائیت کا مرہون منت نہیں ہے۔ عیسائیت نے صدیوں تک سلطنت روم میں غلامی کے نظام کے مزے لوٹے اور بعد میں بھی غلاموں کی اس تجارت کو روکنے کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا جو عیسائیوں کے ہاتھ میں تھی۔ نہ تو شمال میں جرمنوں کی، نہ بحیرہ روم میں وینیشیا والوں کی تجارت کو اور نہ بعد کے زمانے میں حبشی غلاموں کی تجارت کو روکنے کے لئے کچھ کیا۔ (3) غلام رکھنے میں کوئی فائدہ نہیں تھا اور اس لئے یہ نظام مٹ گیا۔ لیکن مرقی ہوئی غلامی نے اپنا زہر یلا اثر چھوڑا جس کی وجہ سے پیداوار کا سارا کام آزاد مردوں کے لئے ذلت و رسوائی کا کام سمجھا جانے لگا۔ رومیوں کی دنیا ایک اندھی گلی میں پھنس گئی: غلامی کا نظام اقتصادی حیثیت سے ناممکن ہو چکا تھا لیکن آزاد آدمیوں کے کام کرنے کو اخلاقی طور پر معیوب سمجھا جاتا تھا۔ ان میں سے پہلی چیز اب سماجی پیداوار کی بنیادی شکل رہ نہیں سکتی تھی، اور دوسری ابھی اس کی بنیادی شکل بن نہیں سکتی تھی۔ ایسی صورت میں صرف ایک مکمل انقلاب ہی کچھ مدد کر سکتا تھا۔

صوبوں میں بھی حالات اس سے کچھ بہتر نہیں تھے۔ ہمارے پاس جو رپورٹیں ہیں وہ زیادہ تر کال کے متعلق ہیں۔ کولونی کے ساتھ چوٹے چھوٹے آزاد کسان ابھی موجود تھے۔ سرکاری افسروں، ججوں اور سود خوروں کے ظلم اور لوٹ کھسوٹ سے بچنے کے لئے اکثر وہ ذی اقتدار اور طاقتور لوگوں کی پناہ اور سرپرستی میں چلے جاتے تھے۔ اور ایسا وہ الگ الگ انفرادی طور پر نہیں بلکہ پورا پورا گروہ یا برادری بھی کرتی تھی۔ اور اس کا رواج اتنا بڑھا کہ چوتھی

صدی میں شہنشاہوں کو اکثر یہ فرمان صادر کرنا پڑتا تھا کہ ایسا کرنے کی ممانعت ہے۔ جو لوگ پناہ قبول کرتے تھے انہیں اس سے کیا مدد ملتی تھی؟ سرپرست کی شرط یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنی زمینوں کا حق ملکیت اس کے نام منتقل کر دیں اور اس کے بدلے میں وہ انہیں زندگی بھر اس زمین پر کھیتی کرنے کا حق دیتا تھا۔ یہ چال، قدس کلیسا کو بھی یا دتھی اور نویں اور دسویں صدی میں اس نے خدا کی عظمت اور اپنی زمینداری دونوں کو بڑھانے کے لئے نہایت آزادی کے ساتھ اس سے کام لیا۔ لیکن اس زمانے میں یعنی 475 کے لگ بھگ ماریسز کے پادری سا لویانس نے اس لوٹ کی بڑی سختی سے مذمت کی۔ اس نے بتایا ہے کہ رومن افسروں اور بڑے زمینداروں کے مظالم اس حد تک ناقابل برداشت ہو چکے تھے کہ بہت سے "رومن" بھاگ کر ان ضلعوں میں چلے گئے جن پر بربروں کا قبضہ تھا اور وہاں جو رومن شہری آئے تھے وہ کسی چیز سے اتنا نہیں ڈرتے تھے جتنا دوبارہ رومن حکومت کی ماتحتی میں جانے سے۔ غریب ماں باپ اس زمانے میں اکثر اپنے بچوں کو غلام بنا کر بیچ دیا کرتے تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کو روکنے کے لئے ایک قانون بنایا گیا تھا۔

رومیوں کو خود ان کی ریاست سے آزاد کرنے کے معاوضے میں بربر جرموں نے ان کی زمین کا دو تہائی حصہ خود لے لیا اور اس کو آپس میں بانٹ لیا۔ یہ بٹوارہ گن نظام کے قاعدے کے مطابق کیا گیا۔ فاتحوں کی تعداد چونکہ نسبتاً کم تھی، اس لئے بہت سی زمینوں کا بٹوارہ نہیں ہوا۔ وہ کچھ تو پوری جاتی کی اور کچھ قبیلوں اور گنوں کی اجتماعی ملکیت رہیں۔ ہر گن میں کھیت اور چراگاہوں کو قرعہ ڈال کر مساوی حصوں میں مختلف انفرادی گھرانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ اس زمانے میں بٹوارہ بار بار تھا یہ نہیں لیکن بہر حال رومی صوبوں میں یہ رواج تھوڑے ہی دنوں میں بند ہو گیا۔ اور الگ الگ گھرانوں کو جو زمین دی گئی تھی وہ ان کی نجی ملکیت ہو گئی جسے ایلوڈیم کہتے تھے۔ جنگل اور چراگاہ کا بٹوارہ نہیں کیا جاتا تھا۔ انہیں سب مل کر ساجھے میں استعمال کرتے تھے۔ اس کا استعمال اور تقسیم کی ہوئی زمین پر کھیتی کرنے کا طریقہ قدیم رواج اور پورے سماج کی رائے سے طے کیا جاتا تھا۔ کوئی گن اپنے گاؤں میں جتنے زیادہ دنوں تک رہ جاتا تھا اور زمانہ گزرنے پر جرمن اور رومن جتنا زیادہ آپس میں گھل مل جاتے تھے اتنا ہی زیادہ یک جدی رشتہ یا سگوتری کا ناتہ، ایک جگہ رہنے کے تعلق کے مقابلے میں کمزور ہو کر پیچھے ہٹا گیا۔ مارک کمیونٹی میں گن کم ہو گئے لیکن اس میں ممبروں کی ابتدائی یک جدی رشتہ داری کے کافی اثرات دکھائی دیتے تھے غرضیکہ کم سے کم ان ملکوں میں جہاں مارک کمیون کو قائم رکھا گیا تھا یعنی شمالی فرانس، انگلینڈ، رمنی اور اسکیڈی نیویا میں گن دستور کو غیر محسوس طریقے پر علاقائی دستور میں بدل دیا گیا اور اس طرح وہ اس قابل ہو گیا کہ ریاست کے ساتھ میل کھا سکے۔ پھر بھی اس کی فطری جمہوریت باقی رہی جو کہ پورے گن نظام کی امتیازی خصوصیت ہے۔ غرضیکہ اس طرح بعد کے اس زمانے میں بھی جبکہ اسے زبردستی انحطاط کے گڑھے میں دھکیل دیا

گیا تھا، اس نے گن دستور کے ایک ٹکڑے کو بچائے رکھا اور اس طرح مظلوموں کے ہاتھ میں ایک ایسا حربہ چھوڑ دیا جو موجودہ زمانے میں بھی استعمال کے لئے تیار ہے۔

گن میں خون کے رشتوں کی اہمیت اتنی جلدی ختم ہو گئی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ قبیلے میں اور پوری جاتی میں بھی سلطنت روم کو فتح کر لینے کے بعد وہ ادارے کمزور پڑ گئے جو خون کے رشتوں پر مبنی تھی۔ ہم جانتے ہیں کہ محکوم لوگوں پر حکومت کرنا گن دستور سے میل نہیں کھاتا۔ یہاں یہ بات بہت بڑے پیمانے پر دکھائی پڑتی ہے۔ جرمن جاتیاں اب رومی صوبوں کی مالک تھیں۔ انہیں اپنی فتح کو منظم شکل دینی تھیں۔ لیکن رومیوں کی کثیر آبادی کو وہ نہ تو اپنے گن کے اداروں میں شامل کر سکتے تھے اور نہ ان اداروں کی مدد سے ان پر حکومت کر سکتے تھے۔ رومیوں کے مقامی حکومتی ادارے شروع میں جرمنوں کی فتح کے بعد بھی کام کرتے رہے تھے۔ لیکن یہ ضروری تھا کہ ان کے اوپر کوئی ایسی تنظیم ہو جو رومی ریاست کی جگہ لے سکے۔ یہ دوسری ریاست ہی ہو سکتی تھی۔ اس لئے گن دستور کے اداروں کے ریاست کے اداروں میں بدلنا ضروری تھا اور حالات کے دباؤ کی بدولت اسے بہت جلدی میں کرنا پڑا۔ لیکن فاتح جاتی کا پہلا نمائندہ ایک فوجی کمانڈر تھا۔ مفتوحہ علاقے کی اندرونی اور بیرونی حفاظت کا تقاضا تھا کہ اس کے اختیارات کے بڑھایا جائے۔ فوجی قیادت کو بادشاہت میں بدلنے کا وقت آ گیا تھا۔ یہ کر دیا گیا۔

فرینک لوگوں کی سلطنت کو لیجئے۔ یہاں نہ صرف رومی ریاست کا وسیع علاقہ فاتح سالین جاتی کو مل گیا تھا بلکہ زمین کے تمام ایسے بہت بڑے بڑے قطععات بھی، خاص کر بڑے بڑے جنگل جو بڑے یا چھوٹے حلقے (Gau) اور مارک برادریوں میں نہیں بانٹے گئے تھے، انہیں مل گئے تھے۔ ان پر ان کا مکمل قبضہ تھا۔ فرینک لوگوں کے بادشاہ نے جو ایک معمولی فوجی کمانڈر سے بڑھ کر سچ مچ کا بادشاہ بن گیا تھا، پہلا کام یہ کیا کہ عوام کی اس ملکیت کو شاہی جاگیر بنادیا، اس زمین کو عام لوگوں سے چھین لیا اور اسے اپنے ذاتی خدمت گزاروں کو انعام یا جاگیر کے طور پر دے دیا۔ اس کے ذاتی خدمت گزاروں میں پہلے صرف اس کی نجی فوج کے سپاہی اور فوج کے باقی تمام نائب سالار ہوا کرتے تھے۔ بعد میں ان کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ ان میں نہ صرف روم کے لوگ یعنی گال علاقے کے وہ باشندے شامل ہو گئے جو رومی بن گئے تھے اور بادشاہ کے لئے بہت ضروری ہو گئے تھے کیونکہ وہ لکھنے کا فن جانتے تھے، پڑھے لکھے تھے اور ملک کے قوانین کے ساتھ ساتھ روم والوں کی بول چال کی زبان اور ادبی لاطینی سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ بلکہ ان میں ان کے علاوہ غلام، زرعی غلام اور غلامی سے آزاد کئے ہوئے لوگ بھی شامل ہو گئے۔ وہ بادشاہ کے درباری بن گئے تھے اور انہیں میں سے وہ اپنے پسندیدہ مصاحب چنا کرتا تھا۔ انہیں تمام لوگوں کو عوامی زمین کے قطععات دیئے گئے..... پہلے زیادہ تر عطیے کے طور پر اور بعد میں بنی فیس (40) کی صورت میں۔ شروع میں یہ زمینیں زیادہ تر بادشاہ کی زندگی بھر کے لئے دی جاتی تھی۔ اور اس طرح عوام کی لوٹ مار

پر شرفا کے ایک نئے طبقے کی بنیاد رکھی گئی۔

لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہوئی۔ دور دور تک پھیلی ہوئی سلطنت پر قدیم گن دستور کے مطابق حکومت نہیں کی جاسکتی تھی۔ سرداروں کی کونسل، اگر بہت پہلے متروک نہ بھی ہوگئی ہو، تو اب منعقد نہیں کی جاسکتی تھی اور جلد ہی بادشاہ کے مستقل خدمت گزاروں اور مصاحبوں نے اس کی جگہ لے لی۔ قدیم عوامی اسمبلی کو بظاہر اب بھی قائم رکھا گیا مگر وہ زیادہ سے زیادہ فوج کے نائب کمانڈروں اور نئے ابھرتے ہوئے عمائدین کی مجلس بنتی گئی۔ جس طرح روم کے کسان رپبلک کے آخری دنوں میں برباد ہو گئے تھے اسی طرح متواتر خانہ جنگیوں اور غیر ملکی جنگوں میں پس کر خاص کر شارلی مین کے عہد میں، زمین کے مالک آزاد کسان یعنی کثیر فرینک آبادی افلاس اور تنگ دستی کا شکار ہو گئی۔ ابتدا میں پوری فوج انہیں کسانوں پر مشتمل تھی۔ فرانس کے علاقے کی فتح کے بعد بھی وہی اس کی ریڑھ کی ہڈی تھے۔ لیکن نویں صدی کی ابتدا میں وہ اس قدر افلاس زدہ ہو چکے تھے کہ بمشکل پانچ میں سے ایک اپنے لئے سامان جنگ فراہم کر سکتا تھا۔ پہلے کی سی فوج جس میں براہ راست بادشاہ کی طلب پر آزاد کسان آتے تھے، اب نہیں رہی۔ اس کی جگہ ایک ایسی فوج نے لے لی جو نوخیز دولت مند جماعت کے تنخواہ دار خدمت گزاروں پر مشتمل تھی۔ ان میں ویلین بھی تھے جو ان کسانوں کی اولاد تھے جو پہلے بادشاہ کے سوا اور کسی کو اپنا آقا نہیں مانتے تھے اور اس سے بھی کچھ پہلے کسی کو اپنا آقا نہیں مانتے تھے، بادشاہ کو بھی نہیں۔ شارلی مین کے چائینوں کے عہد میں فرینک کسانوں کی بربادی مکمل ہو گئی۔ اس کی وجہ کچھ تو اندرونی جنگیں تھیں، کچھ شاہی اقتدار کی کمزوری تھی اور اس کے ساتھ ساتھ دولت مندوں کا غاصبانہ رویہ تھا جن کی صف میں اب گاؤ کاؤنٹ (Gaugrafen) (41) بھی شامل ہو گئے تھے۔ یہ لوگ شارلی مین کے بنائے ہوئے تھے اور اپنے عہدے کو موروثی شکل دینا چاہتے تھے۔ اور آخر میں نارمنوں کے حملوں نے جو کئی تھی پوری کردی۔ شارلی مین کی موت کے پچاس برس بعد فرینک سلطنت نارمنوں کے قدموں پر اسی طرح لاچار پڑی تھی جس طرح چار سو برس پہلے رومی سلطنت فرینکوں کے قدموں میں پڑی تھی۔

فرینک سلطنت اس وقت صرف بیرونی حملہ آوروں کے سامنے ہی بے بس نہیں تھی۔ ساج کے اندرونی نظام یا سچ پوچھئے تو بد نظمی کا بھی یہی حال تھا۔ آزاد فرینک کسانوں نے اپنے آپ کو اسی حالت میں پایا جس میں ان کے پہلے کے لوگ یعنی رومن کولونی تھے۔ جنگ اور لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے برباد ہونے پر انہیں مجبوراً نئے دولت مند لوگوں یا کلیسا کی پناہ لینا پڑی کیونکہ شاہی اقتدار بہت کمزور تھا اور ان کی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ انہیں اس پناہ اور حفاظت کی مہنگی قیمت ادا کرنی پڑی۔ اپنے سے پہلے کے گال کسانوں کی مانند انہیں بھی اپنی زمین میں ملکیت کا حق اپنے سر پرستوں کو دے دینا پڑا اور انہیں یہ زمین مختلف اور متفرق صورتوں میں آسامی کی حیثیت سے جوتنے کے لئے واپس مل گئی۔ لیکن ہمیشہ شرط یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنے سرپرست کی خدمت گزاری کریں اور لگان ادا کریں۔ ایک

مرتبہ جب وہ اس طرح کی محتاجی کی حالت میں پڑ گئے تو رفتہ رفتہ ان کی ذاتی آزادی ختم ہو گئی۔ چند پشت کے بعد ان میں سے زیادہ تر لوگ زرعی غلام بن گئے۔ کتنی تیزی سے آزاد کسانوں کا زوال ہوا، اس کا اندازہ ایبے سیسن ڈرمین دی پسرے کی زمین کے بارے میں ایرمیان کی تاریخ سے ہوتا ہے۔ یہ جگہ اس زمانے میں پیرس کے قریب تھی، اب اس کے اندر ہے۔ شارلی مین کی زندگی میں بھی اس ایبے کی وسیع و عریض جاگیر پر جو آس پاس کے گاؤں میں دور تک پھیلی ہوئی تھی، 2788 گھرانے آباد تھے۔ یہ تقریباً سب کے سب فرینک گھرانے تھے مگر ان کے نام جرمن تھے۔ ان میں سے 2080 کولونی تھے، 35 لیتی تھے، 220 غلام تھے اور صرف 8 آزاد گھرانے تھے! وہ رواج جس کی بدولت سرپرست نے کسانوں کی زمین اپنے نام منتقل کر لی تھی اور انہیں صرف زندگی بھر استعمال کرنے کا حق دیا تھا، وہ رواج جسے سالویانس نے گناہ قرار دیا تھا اور اس کی مذمت کی تھی، اب عام ہو گیا تھا اور کسانوں سے معاملہ کرنے میں کلیسا ہر جگہ اسی پر عمل کرتا تھا۔ سائنٹی غلامی اور خدمت گزاری کی شکل جس کا اب زیادہ سے زیادہ رواج ہوتا جا رہا تھا، رومی انگاریے (angariae) (42) یعنی ریاست کے لئے بیگار بھرنے کے نمونے سے اسی حد تک مشابہ تھی جس حد تک جرمن مارک کی خدمت کے نمونے سے، جس میں مارک کے ممبر پل اور سڑک بنانے اور اجتماعی مقصد کے دوسرے کاموں کے لئے محنت کرتے تھے۔ چنانچہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا چار سو برس کے بعد آبادی کی کثیر تعداد اسی جگہ پہنچ گئی جہاں سے چلی تھی۔

لیکن اس سے وہ بھی باتیں ثابت ہوتی تھیں۔ ایک تو یہ کہ سلطنت روم کے زوال کے زمانے میں سماج کی طبقہ بندی اور ملکیت کی تقسیم جس طرح ہوئی وہ اس وقت کی زراعت اور صنعت کی پیداوار کی حالت کے عین مطابق تھی اور اس لئے ناگزیر تھی۔ دوسرے یہ کہ اگلے چار سو برس کے دوران میں پیداوار کی اس حالت میں کوئی قابل ذکر تبدیلی نہیں ہوئی، نہ تو اس میں کوئی انحطاط ہوا اور نہ ترقی ہوئی۔ اور اس لئے اس کی بدولت ناگزیر طور پر ملکیت کی وہی تقسیم اور آبادی کی وہی طبقاتی درجہ بندی قائم ہوئی۔ سلطنت روم کی آخری صدیوں میں دیہات پر شہر کا غلبہ ختم ہو چکا تھا۔ اور جرمن حکومت کی ابتدائی صدیوں میں بھی یہ دوبارہ قائم نہیں ہو سکا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زراعت نہایت پس ماندہ حالت میں تھی اور یہ حال صنعت کا بھی تھا۔ اس عام حالت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک طرف بڑے بڑے حکمران زمیندار ہوتے ہیں اور دوسری طرف ان کے ماتحت چھوٹے چھوٹے کسان ہوتے ہیں۔ ایسے سماج میں نہ تو غلاموں کی محنت کے سہارے چلنے والی بڑی بڑی جاگیروں (latifundia) کی رومی معیشت کا قلم لگایا جاسکتا ہے اور نہ وہاں زرعی غلاموں کی محنت کے سہارے بڑے پیمانے کی نئی کھیتی کھڑی کی جاسکتی ہے۔ اس بات کا سب سے اچھا ثبوت یہ ہے کہ شارلی مین نے اپنی مشہور شاہی جاگیروں پر بڑے پیمانے کی کھیتی کے جو تجربے کئے، ان کا بعد میں کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ صرف خانقاہوں نے ان تجربوں کو جاری رکھا اور

صرف انہیں کے لئے وہ نفع بخش ثابت ہوئے۔ لیکن عیسائی مذہب کی یہ خانقاہیں غیر معمولی قسم سے سماجی ادارے تھے جن کی بنیاد رہبانیت اور تجرد پر رکھی گئی تھی۔ وہ سماج کی عام نشوونما سے الگ غیر معمولی کام کر سکتے تھے اور خود محض ایک مستثنیٰ حیثیت رکھتے تھے۔

پھر بھی ان چار سو برسوں میں کچھ ترقی ضرور ہوئی۔ اس عہد کے آخر میں اگرچہ ہمیں تقریباً وہی خاص طبقے دکھائی دیتے ہیں جو شروع میں دکھائی دیئے تھے تب بھی اتنا ضرور ہوا تھا کہ یہ طبقے جن لوگوں سے مل کر بنے وہ لوگ بدل گئے تھے۔ پرانی غلامی ختم ہو چکی تھی۔ وہ افلاس زدہ اور تنگ دست آزاد شہری بھی نہیں رہے تھے جو کام کو غلامی کی علامت سمجھتے تھے اور اس سے نفرت کرتے تھے۔ روم کے کولونڈ اور نئے زرعی غلاموں کے درمیان آزاد فربنگ کسان کھڑا تھا۔ مرنے والی روایت کی "لا حاصل یادیں اور بے سود جھگڑے" کب کے مرچکے تھے اور انہیں دفن کر دیا گیا تھا۔ نویں صدی کے سماجی طبقوں کی تشکیل کسی انحطاط پر برتدین کے دلدل میں نہیں بلکہ ایک نئے تمدن کے گہوارے میں ہوئی تھی۔ نئی نسل کے لوگ کیا الگ اور کیا خدمت گار، دونوں ہی اپنے رومی پیش رووں کے مقابلے میں مرد تھے۔ ان کے مقابلے میں یہ مردوں کی نسل تھی۔ طاقتور زمینداروں اور خدمت کرنے والے کسانوں کا تعلق رومیوں کے لئے قدیم دنیا کے زوال کی ایک صورت تھی جس سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں تھا، لیکن نئی نسل والوں کے لئے یہی تعلق ایک نئے ارتقا کے آغاز کا نقطہ تھا۔ اس کے علاوہ اگرچہ یہ چار سو برس کا زمانہ بظاہر بے ثمر معلوم ہوتا ہے لیکن اس نے اپنے بعد ایک بڑی چیز چھوڑی ہے اور وہ چیز ہے: جدید قومیتیں، یعنی تاریخ کے آنے والے زمانے کے لئے مغربی یورپ کی انسانیت کی نئی تشکیل اور نئی گروہ بندی۔ سچ پوچھئے تو جرمنوں نے یورپ میں نئی زندگی کی روح پھونک دی تھی اور یہی وجہ ہے کہ جرمن عہد میں ریاستوں کے ٹوٹنے کا یہ نتیجہ نہیں ہوا کہ نارس سارا سن غلامی قائم ہوئی، بلکہ یہ ہوا کہ شاہی عطیوں اور سرپرستی (commendation) (43) سے ترقی کر کے سامتی یا جاگیر داری نظام قائم ہوا اور آبادی میں اتنا زبردست اضافہ ہوا کہ مشکل سے دو صدی کے بعد صلیبی جنگوں میں جتنی خوزیزی ہوئی اس سے کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا۔

وہ کون سا جادو تھا جس کی مدد سے جرمنوں نے مرتے ہوئے یورپ میں زندگی کی نئی روح پھونک دی تھی؟ کیا یہ جرمن نسل کی کوئی بیدارشی باطنی قوت تھی جیسا کہ ہمارے متعصب قوم پرست مورخین کہتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جرمن ایک نہایت باصلاحیت آریائی قبیلے کے لوگ تھے جو خاص کر اس زمانے میں نہایت پر زور ترقی کے دور سے گزر رہے تھے۔ یورپ کے ناتواں جسم میں جس چیز نے نئی جان ڈالی وہ جرمنوں کی محض قومی خصوصیتیں نہیں تھیں بلکہ محض ان کی بربریت تھی، ان کا گن دستور تھا۔

ان کی ذاتی صلاحیت اور دلیری، آزادی سے ان کی محبت، ان کی جمہوریت پسندی جس کی وجہ سے وہ تمام

امور عامہ کو اپنا ذاتی معاملہ سمجھتے تھے۔ مختصر یہ کہ وہ سبھی خصوصیتیں جن کو روم والے کھو چکے تھے اور محض جن کی مدد سے ہی روم کی دنیا کے گارے سے نئی ریاستیں بنائی جاسکتی تھیں اور نئی قومیتوں کی تعمیر ہو سکتی تھی.... وہ خصوصیتیں اگر بربریت کے آخری دور کی نمایاں خصوصیتیں، ان کے گن دستور کا نتیجہ نہیں تھیں تو اور کیا تھیں؟

اگر جرمنوں نے یک زوگی کی قدیم صورت میں تبدیلی کی، خاندان کی اندر مرد کی حکومت میں نرمی پیدا کی اور عورتوں کو زیادہ اونچا درجہ دیا جو قدیم کلاسیکی عہد میں اسے حاصل نہیں تھا تو یہ سب کرنے کی صلاحیت دراصل انہیں اپنی بربریت سے، اپنے گن رسم و رواج سے اور مادری حق کے زمانے کے اثرات سے جو اس وقت بھی زندہ تھے، ملی تھی۔ ان کی علاوہ یہ صلاحیت انہیں اور کہاں سے مل سکتی تھی؟

کم سے کم تین سب سے اہم ملکوں میں یعنی جرمنی، شمالی فرانس اور انگلینڈ میں اگر وہ گن کے اصلی دستور کا ایک حصہ مارک برادر یوں کی صورت میں قائم رکھنے میں اور سائنسی ریاست تک لے جانے میں کامیاب ہوئے، اور اس طرح مظلوم طبقے یعنی کسانوں کو ازمنہ وسطی کی زرعی غلامی کے سخت ترین حالات میں بھی مقامی شیرازہ بندی اور مقابلہ کرنے کے وہ ذرائع عطا کر سکے جو نہ تو قدیم زمانے کے غلاموں کو میسر تھے اور نہ موجودہ زمانے کے مزدور طبقے کو تیار ملے ہیں۔ تو یہ اگر ان کی بربریت، ان کے گنوں میں بسنے کے خالص بربری طریقے کی بدولت نہیں تو اور کس چیز کی بدولت ہے؟

اور آخر میں اگر وہ غلامی کی اس نسبتاً ہلکی شکل کو ترقی دے کر سبھی ملکوں میں رواج دے سکے، جس کا خود ان کے وطن میں رواج تھا اور جس نے خود سلطنت روم میں بھی غلامی کو رفتہ رفتہ ہٹا کر اس کی جگہ لی تھی، اور جس نے جیسا کہ فورے نے پہلی بار بتلاتا تھا مظلوموں کو وہ اوزار دیا جس سے وہ بحیثیت ایک طبقے کے رفتہ رفتہ آزاد ہو سکیں۔

(fournit aux cultivateurs des moyens d'affranchis semetn collectif et progressif (4)

اور جو اسی لئے غلامی سے کہیں زیادہ بہتر تھا کیونکہ جہاں غلامی کے نظام میں غلام کو محض ایک فرد کی حیثیت سے آزادی مل سکتی تھی اور کوئی عبوری دور ممکن نہیں تھا (قدیم زمانے میں کامیاب انقلاب کے ذریعے کبھی غلامی کے نظام کو ختم نہیں کیا جاسکا) وہاں ازمنہ وسطی کے زرعی غلاموں نے رفتہ رفتہ ایک طبقے کی حیثیت سے اپنے کو آزاد کر لیا تھا۔ اگر جرمن یہ سب کر سکے تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی کہ وہ بربریت کی حلات میں تھے جس کی بدولت وہ قدیم زمانے کی عام محنت کی غلامی یا مشرقی ملکوں کی گھریلو غلامی، دونوں میں سے کسی ایک شکل میں بھی مکمل غلامی کے نظام تک نہیں پہنچ پائے تھے؟

جرمنوں نے روم کی دنیا کو جو کچھ دیا اس میں جو حصہ جان دار اور حیات بخش تھا، وہ بربریت کا نتیجہ تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ صرف بربری لوگوں میں ہی یہ تڑپ رہی تھی، نئی حیات بخش سکیں۔ اور اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں بربریت کی آخری اور اعلیٰ ترین منزل تھی جس میں جرمن لوگ قوموں کی ہجرت یا نقل وطن سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ اس سے ہر بات صاف ہو جاتی ہے۔

حوالہ جات

1- دیودورس نے گال علاقے کے کیٹ لوگوں کے بارے میں جو بات لکھی ہے، اس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس نے لکھا ہے: "گال علاقے میں جو غیر مساوی قوت رکھنے والی کئی جاتیں رہتی ہیں، سب سے بڑی جاتی کی تعداد دو لاکھ اور سب سے چھوٹی کی پچاس ہزار ہے۔" Diodorous Siculus پانچواں باب، صفحہ 25- اس سے سوالا کھ کا اوسط نکلتا ہے۔ چونکہ کئی گال جاتیں زیادہ ترقی کر چکی تھیں، اس لئے ان کی تعداد جرمنوں سے زیادہ رہی ہوگی۔

2- Germania Magna یعنی عظیم ترین زیادہ بڑا جرمنی۔ ایڈیٹر

3- کریمونا کے پادری ایوتیراند کا کہنا ہے کہ دسویں صدی میں ویردیں کی یعنی مقدس جرمن شہنشاہیت (39) کی سب سے اہم صنعت بھجڑے یا خوبہ سرا تیار کرنا تھا، جنہیں مور لوگوں کے حرم سرا کے لئے اسپین بھج کر بہت نفع حاصل کیا جاتا تھا۔

4- کاشت کاروں کو یہ ذریعے مہیا کئے جاتے ہیں کہ وہ مل کر رفتہ رفتہ آزدی حاصل کر سکیں۔ ایڈیٹر

نواں باب

بربریت اور تمدن

یونانی، رومی اور جرمن ان تینوں بڑی مثالوں میں علیحدہ علیحدہ ہم گن سماج کے زوال کی تصویر دیکھ چکے ہیں۔ اب ہم آخر میں ان عام اقتصادی حالات کا مطالعہ کریں گے جنہوں نے عہد بربریت کے آخری دور میں ہی گن سماج کی بنیاد ہلا ڈالی تھی اور جن کی بدولت تمدن کے عہد کے شروع ہوتے ہوتے گن نظام بالکل ختم ہو گیا۔ اس کے مطالعے کے لئے مارکس کی کتاب "سرمایہ" اتنی ہی ضروری ہے جتنی مارگن کی کتاب۔ گن عہد وحشت کے درمیانی دور میں پیدا ہوئے اور اس کے آخری دور میں انہوں نے مزید ترقی کی اور جہاں تک ہمارے موجودہ مواد سے اندازہ ہوتا ہے بربریت کے ابتدائی دور میں وہ اپنے عروج پر پہنچ گئے تھے لہذا اسی دور سے ہم اپنا مطالعہ شروع کریں گے۔ اسی دور میں، جس کے لئے ہمارے پاس بس ایک امریکی انڈینوں کی مثال ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ گن نظام پوری طرح ترقی کر چکا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ گن نظام پوری طرح ترقی کر چکا تھا۔ قبیلہ متعدد گنوں میں لیکن زیادہ تر دو گنوں میں بنا ہوا تھا۔ آبادی کے بڑھنے پر یہ ابتدائی گن پھر کئی دختر گنوں میں تقسیم ہو گئے جن کے مقابلے میں مادر گن فریڈی کہے جانے لگے تھے۔ خود قبیلہ ٹوٹ کر کئی قبیلوں میں بٹ گیا، جن میں سے ہر ایک میں ہمیں زیادہ تر وہی پرانے گن ملتے ہیں۔ کم سے کم بعض صورتوں میں قرابت دار قبیلے ایک وفاق میں متحد ہوتے تھے۔ یہ سادہ تنظیم ان سماجی حالات کیلئے بالکل کافی تھی جن میں اس کا جنم ہوا تھا۔ اس کی حیثیت ایک مخصوص فطری گروہ بندی سے زیادہ نہیں تھی۔ اس میں اتنی صلاحیت تھی کہ ان سبھی اندرونی جھگڑوں کو حل کر سکے جو اس طرح کے سماج میں اٹھ سکتے تھے۔ بیرونی معاملات میں جھگڑوں کا نمٹا راجنگ کے ذریعے کیا جاتا تھا جس کا انجام یہ تو ہو سکتا تھا کہ ایک قبیلہ بالکل برباد ہو جائے لیکن یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ غلامی کو قبول کر لے۔ گن نظام کی عظمت اور اسی کے ساتھ ساتھ اس کی کمزوری بھی یہی تھی کہ اس میں نہ کوئی حاکم ہوتا تھا اور نہ کوئی محکوم۔ اندرونی معاملات میں حقوق اور فرائض کا فرق نہیں پیدا ہوا تھا۔ انڈینوں کے سامنے کبھی یہ سوال ہی نہیں اٹھا کہ امور عامہ میں حصہ لینا، خونی انتقام لینا یا نقصان کی تلافی کرنا گن کے لوگوں کا حق ہے یا فرض۔ یہ بات ان کو اتنی ہی مہمل معلوم ہوتی جتنا یہ سوال کی کھانا، پینا، سونا اور شکار کرنا حق ہے یا فرض۔ کوئی قبیلہ یا گن طبقوں میں نہیں بٹ سکتا تھا۔ اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ اس نظام کی اقتصادی بنیاد کیا تھی۔

آبادی بہت کم اور بکھری ہوئی تھی۔ وہ صرف قبیلوں کے رہنے کی جگہوں میں گنجان ہوتی تھی، جس کے چاروں طرف شکار گاہ ہوتی تھی اور اس کے آگے غیر مقبوضہ جنگل جو اسے دوسرے قبیلوں سے دور رکھتا تھا۔ محنت کی تقسیم محض ایک فطری چیز تھی۔ یہ تقسیم صرف مردوں اور عورتوں کے درمیان تھی۔ مرد لڑائی پر جاتے تھے، شکار کرنے تھے، مچھلی پکڑتے تھے، غذا کے لئے کچا مال لاتے تھے، اور ان کاموں کے لئے ضروری اوزار بناتے تھے، عورتیں گھر سنبھالتی تھیں، کھانا پکاتی تھیں اور کپڑا بنتی اور سیتی تھیں۔ مرد اور عورت دونوں اپنے اپنے کام کے شعبے میں آپ

اپنے مالک تھے۔ جنگل میں مرد اور گھر میں عورت کا بول بالا تھا۔ مرد ہتھیاروں اور شکار کرنے اور مچھلی پکڑنے کے سامان کے مالک تھے اور عورت گھر کے ساز و سامان اور برتنوں کی۔ گھر انہ کی نمونہ تھا جس میں کئی اور اکثر بہت سے خاندان ہوا کرتے تھے۔ (1) جو کچھ مشترک طور پر تیار کیا جاتا تھا اور جسے سب مل کر استعمال کرتے تھے وہ سب کی مشترکہ ملکیت ہوتی تھی۔ گھر، باغ، لمبی کشتی سبھی کی مشترکہ ملکیت تھی۔ چنانچہ وہ "کمانی ہوئی جائیداد" ہمیں یہیں ملتی ہے جسے قانون اور اقتصادیات کے ماہروں نے غلط طور پر متمدن سماج کی طرف منسوب کر دیا ہے اور جو آخری جھوٹا قانونی حیلہ ہے جس پر جدید سرمایہ دارانہ ملکیت کی بنیاد اٹھائی گئی ہے۔

لیکن انسان ہر جگہ اس منزل میں نہیں رہا۔ ایشیا میں اسے ایسے جانور مل گئے جنہیں پالا جاسکتا تھا اور جن کی نسل بڑھائی جاسکتی تھی۔ جنگلی گائے بھینس کا شکار کرنا پڑتا تھا۔ لیکن پللی ہوئی گائے سال میں ایک بار بچہ دیتی تھی اور دودھ تو دیتی ہی تھی۔ کئی سب سے زیادہ ترقی یافتہ قبیلوں مثلاً آریائی، سامی یا اور شاید تورانی قبیلوں نے بھی جانوروں کو پالتو بنانا، بعد میں ان کی نسل بڑھانا اور دیکھ بھال کرنا اپنا خاص کام بنالیا۔ گلہ بان قبیلوں نے اپنے آپ کو بربری لوگوں کی عام آبادی سے الگ کر لیا۔ یہ محنت کی پہلی بڑی سماجی تقسیم تھی۔ یہ گلہ بان قبیلے غذا کا صرف زیادہ سامان ہی نہیں پیدا کرتے تھے بلکہ دوسرے بربری لوگوں کے مقابلے میں زیادہ مختلف النوع غذا کا سامان تیار کرتے تھے۔ ان کے پاس دوسروں کے مقابلے میں صرف دودھ، دودھ سے بنی ہوئی چیزیں اور گوشت ہی زیادہ مقدار میں نہیں تھا بلکہ کھال، اون، بکرے کے بال، اون کے کتے اور بے ہونے کپڑے بھی تھے۔ کچے مال کی مقدار بڑھنے سے ان چیزوں کا استعمال عام ہونے لگا تھا۔ اس کی وجہ سے یہ ممکن ہوا کہ پہلی بار باقاعدگی کے ساتھ تبادلہ ہونے لگا۔ ابتدا میں چیزوں کا تبادلہ کبھی کبھار ہی ہو سکتا تھا۔ ہتھیاروں اور اوزاروں کے بنانے میں اگر کسی نے غیر معمولی مہارت دکھائی تو اس سے محنت کی ایک عارضی تقسیم قائم ہوئی ہوگی۔ چنانچہ عہد حجرہ جدید کے پتھر کے اوزار بنانے کے کئی کارخانوں کے نشان ملے ہیں جن کے بارے میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ ان کارخانوں میں جن کاربگروں نے مہارت پیدا کی وہ غالباً پورے سماج کے لئے کام کرتے تھے جیسا کہ ہندوستان کے گن سماجوں میں مستقل قسم کے دست کار آج بھی کرتے ہیں۔ بہر حال اس منزل پر قبیلے کے اندر کے تبادلے کے سوا اور کسی طرح کا تبادلہ ممکن نہیں تھا اور وہ بھی ایک مستثنیٰ حیثیت رکھتا تھا۔ لیکن گلہ بانی کرنے والے قبیلے جب اچھی طرح قائم ہو گئے تو اس کے بعد ہمیں وہ سبھی حالات ملتے ہیں جن میں مختلف قبیلوں کے لوگوں میں چیزوں کا تبادلہ ہو سکتا تھا اور اس کو مزید ترقی ہو سکتی تھی اور یہ ایک باقاعدہ رواج کی حیثیت اختیار سکتا تھا۔ لیکن جب جانوروں کے ریوڑ الگ الگ افراد کی ملکیت بنے تو رفتہ رفتہ زیادہ تر تبادلہ افراد کے درمیان ہونے لگا حتیٰ کہ آخر میں یہی تبادلے کی واحد صورت قرار پائی۔ گلہ بان قبیلے تبادلے میں اپنے ہمسایوں کو جو خاص چیز دیتے تھے وہ مویشی تھے۔ مویشی

ہی وہ جنس بن گئے جن سے تمام دوسری جنسوں کی قدر و قیمت کا اندازہ کیا جاسکتا تھا اور لوگ ہر جگہ تمام دوسری چیزوں کے مقابلے میں اسے بڑے شوق سے قبول کرنے لگے۔ مختصر یہ کہ مویشی سے زریاروپہ کا کام لیا جانے لگا تھا اور اس دور میں اسی کو روپیہ سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ جنسوں کے تبادلے کی ابتدا ہی ایک جنس یعنی زر کی مانگ اتنے لازمی طور پر اور اتنی تیزی کے ساتھ پیدا ہو گئی۔

عہد بربریت کے ابتدائی دور کے ایشائیوں کو غالباً باغبانی کا علم نہیں تھا لیکن اس کے درمیانی دور میں تو ضرور ہی وہ باغبانی کرنے لگے تھے۔ تاہم، تب اس کی حیثیت ایک پیشرو کی تھی جس نے کھیت بنا کر کھیتی کرنے کا سارستہ صاف کیا۔ توران کے مرتفع خطوں میں جہاں لمبا اور سخت جاڑا پڑتا تھا، چارے کا انتظام کئے بغیر گلہ بانی کی زندگی بسر کرنا ناممکن تھا۔ اس لئے وہاں گھاس اگانا اور اناج پیدا کرنا بہت ضروری تھا۔ بحیرہ اسود کے شمال کے میدانوں پر بھی یہی بات صادق آتی ہے اور جب ایک بار مویشیوں کے لئے اناج پیدا کیا جانے لگا تو پھر وہ جلد ہی انسان کے کھانے کے کام بھی آنے لگا۔ کھیتی کی زمین اس وقت تک قبیلے کی ملکیت تھی۔ اور پہلے یہ لوگوں کے سپرد کی جاتی تھی جو بعد میں اپنے طور پر اسی گھریلو برادریوں میں ان کے استعمال کے لئے بانٹ دیا کرتے تھے۔ اور آخر میں یہ افراد کو دی جانے لگی تھی۔ انہیں ملکیت کے بعض حقوق حاصل ہوں گے مگر اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

اس دور کے صنعتی کارناموں میں دو چیزیں خصوصیت کے ساتھ اہم ہیں۔ ایک ہے کرگھا اور دوسرا ہے کچی دھاتوں کو پگھلا کر صاف کرنا اور آخری، تیار شکل دینا۔ تانبا، ٹین اور ان کو ملا کر بنائے جانے والے کانسی کی اہمیت سب سے زیادہ تھی۔ کانسی سے بڑے کام کے اوزار اور ہتھیار بنتے تھے، لیکن وہ پتھر کے اوزاروں کی جگہ نہیں لے سکتے تھے۔ ان کی جگہ تو صرف لوہا لے سکتا تھا لیکن اس وقت تک لوہے کی پیداوار کسی کو علم نہیں تھا۔ سونا اور چاندی زیور بنانے اور آرائش کے لئے استعمال ہونے لگے تھے اور اس وقت بھی ان کی قدر و قیمت تانبے اور کانسی سے زیادہ ہوگی۔

جب مویشی پالنے، کھیتی اور گھریلو دستکاری غرضیکہ سبھی شاخوں میں پیداوار بڑھی تو انسان کی قوت محنت کو قائم رکھنے کے لئے جتنا پیدا کرنے کی ضرورت تھی، وہ اسے زیادہ پیدا کرنے لگی۔ ساتھ ہی گن یا گھریلو برادری کے یا الگ الگ خاندان کے ہر ممبر کو روز جتنا کام کرنا پڑتا تھا، اس میں بھی اضافہ ہو گیا۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ کہیں سے اور استعداد محنت حاصل کی جائے۔ وہ جنگ سے حاصل ہوئی۔ جنگ میں جو لوگ پکڑے جاتے تھے اب ان کو غلام بنایا جانے لگا۔ اس زمانے کے عام تاریخی حالات میں پہلی بڑی سماجی تقسیم محنت جو ہوئی وہ محنت کی زرخیزی کو بڑھا کر یعنی دولت میں اضافہ کر کے اور پیداوار کے دائرے کو بڑھا کر لازمی طور پر اپنے پیچھے پیچھے غلامی کو لے آئی۔ محنت کی پہلی بڑی سماجی تقسیم سے سماج کی پہلے بڑی تقسیم پیدا ہوئی۔ وہ دو طبقوں میں بٹ

گیا۔ ایک طرف مالک تھے اور دوسری طرف غلام، ایک طرف استحصال کرنے والے اور دوسری طرف وہ جن کا استحصال کیا جاتا تھا۔

ہم آج تک یہ نہیں جان سکتے کہ جانوروں کے ریوڑ اور جھنڈ کب اور کیونکر قبیلے یا گن کی مشترکہ ملکیت سے نکل کر الگ الگ خاندانوں کے سرداروں کی ملکیت بن گئے۔ لیکن بڑی حد تک یہ اسی دور میں ہوا ہوگا۔ مویشی کے گلوں اور دولت کے اور دوسرے نئے سامان کی بدولت خاندان میں ایک انقلاب نمودار ہوا۔ روزی حاصل کرنا ہمیشہ مرد کا کام ہوا کرتا تھا۔ وہی ذرائع زندگی پیدا کرتا تھا اور وہی ان کا مالک ہوتا تھا۔ روزی حاصل کرنے کا نیا ذریعہ مویشی کا گلہ تھا اور شروع میں ان کو پالتو بنانا اور پھر ان کی دیکھ بھال کرنا مرد کا کام تھا۔ اس لئے وہ مویشی کا مالک ہوتا تھا۔ اور اس کے بدلے میں جو چیزیں اور غلام حاصل ہوتے تھے ان کا مالک بھی وہی تھا۔ چنانچہ پیداوار سے جو کچھ فاضل پیدا ہوا اور بیچ رہتا تھا وہ سب مرد کے حصے میں آیا۔ عورت کا ان کے استعمال میں حصہ تھا مگر ان کی ملکیت میں کوئی حصہ نہیں تھا۔ "وحشی" جنگجو اور شکاری گھر میں عورت کو فوقیت دے کر خود اپنی ثانوی حیثیت سے مطمئن رہتے تھے۔ لیکن "زیادہ مہذب" گلہ بان اپنی دولت کے سہارے آگے بڑھ آیا، خود بڑی حیثیت حاصل کر لی اور عورت کو دکھیل کر ثانوی حیثیت پر پہنچا دیا۔ اور بے چاری عورت شکایت کا ایک حرف تک زبان پر نہیں لاسکی۔ خاندان کے اندر محنت کی تقسیم سے مرد اور عورت کے درمیان جائیداد کی تقسیم اور اس کا بٹوارہ ہوا تھا۔ اس تقسیم محنت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، پھر بھی چونکہ خاندان کے باہر محنت کی تقسیم بدل چکی تھی اس لئے اس نے پہلے کے خاندانی تعلقات کو الٹ پلٹ کر دیا۔ وہی چیز جس نے پہلے عورت کو گھر کی مالک بنایا تھا۔ یعنی اس کا گھریلو کام تک محدود رہنا۔ وہی چیز گھر کے اندر مرد کے تسلط کی بنیاد بنی۔ روزی حاصل کرنے کے لئے مرد کے کام کے مقابلے میں عورت کے گھریلو کام کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔ روزی حاصل کرنا ہی سب کچھ تھا۔ گھر کے کام کا ج کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ یہیں پر ہمیں یہ دکھانی دینے لگتا ہے کہ عورتوں کی آزادی اور مردوں کے ساتھ ان کی مساوات اس وقت تک ناممکن ہے اور ناممکن رہے گی جب تک عورتوں کو سماجی پیداوار کے کام سے الگ رکھ کر خانہ داری کے کام تک جو کئی کام ہے، محدود رکھا جائے گا۔ عورتوں کی آزادی اسی وقت ممکن ہوگی جب عورتیں ایک بڑے سماجی پیمانے پر پیداوار میں حصہ لے سکیں گی اور جب گھریلو کاموں پر انہیں بہت کم دھیان دینا پڑے گا۔ اور یہ اب محض بڑے پیمانے کی صنعت کی وجہ سے ممکن ہوا ہے جو نہ صرف یہ کہ عورتوں کے لئے بہت بڑی تعداد میں پیداوار کے کام میں حصہ لینے کی گنجائش پیدا کرتی ہے بلکہ سچ پوچھئے تو اس پر زور دیتی ہے اور اس کے علاوہ کئی گھریلو کام کو بھی عام صنعت بنانے کی کوشش کرتی ہے۔

گھر کے اندر مرد کے واقعی تسلط نے اس کی مطلق العنانی کے راستے سے آخر کار کاٹ بھی دور کر دی۔ مادری

حق کے خاتمے، پدیری حق کے رواج اور جوڑا خاندان سے یک زوجگی تک کی تدریجی تبدیلی نے اس مطلق العنانی پر مہر لگادی اور اسے پکا کر دیا۔ پرانے گن سماج میں اس سے ایک دراڑ پڑ گئی۔ یک زوجگی کا خاندان ایک طاقت بن گیا اور گن کے خلاف ایک خطرہ بن کر اٹھ کھڑا ہوا۔

دوسرا قدیم ہمیں بربریت کے آخری دور میں پہنچا دیتا ہے۔ یہ وہی دور ہے جس میں سبھی متمدن قومیں اپنے سورمائی عہد سے گزرتی ہیں..... یہ لوہے کی تلوار کا ہی نہیں بلکہ لوہے کے ہل اور کلہاڑی کا بھی دور ہے۔ لوہا آدمی کا خادم بن گیا اور یہ تمام کچے مال میں سب سے اہم کچا مال ہے، اور اگر آلو کو چھوڑ دیا جائے تو سب سے آخری بھی، جس نے تاریخ میں ایک انقلابی خدمت انجام دی ہے۔ لوہے کی وجہ سے کھیت بنا کر بڑے پیمانے پر کھیتی کرنا اور جنگل کے بڑے بڑے قطعات کو کھیتی کے لئے صاف کرنا ممکن ہوا۔ اس نے کاریگر کے ہاتھوں میں ایسا اوزار دیا جس کی تختی اور تیزی کا مقابلہ نہ تو پتھر کر سکتا تھا اور نہ کوئی اور دھات جس کو لوگ اس وقت تک جانتے تھے۔ یہ سب بہت دھیرے دھیرے ہوا۔ سب سے پہلے جو لوہا تیار کیا جاتا تھا وہ اکثر تانبے سے بھی زیادہ نرم ہوتا تھا۔ مختصر یہ کہ آہستہ آہستہ پتھر کے ہتھیار رخصت ہو گئے۔ پتھر کی کلہاڑیاں صرف 'ہلدی براند کے گیت' میں ہی نہیں بلکہ 1066 میں ہسٹینگز کی لڑائی میں (44) بھی استعمال ہوئی تھیں۔ لیکن اب جو ترقی ہو رہی تھی اس کو روکا نہیں جا سکتا تھا۔ اس میں رخنے کم ہی پڑتے تھے اور اس کی رفتار تیز تھی۔ قبیلے یا متعدد قبیلوں کے وفاق کا مرکزی مقام شہر بن گیا جس میں پتھر یا اینٹوں کے بنے ہوئے مکان ہوتے تھے اور جو چاروں طرف سے بیٹھوں اور پتھر کی فصیلوں سے گھرے ہوتے تھے جن میں گولی چلانے کے لئے سوراخ بنے ہوتے تھے۔ وہ شہر جہاں ایک طرف فن تعمیر کی تیز ترقی کی گواہی دے رہے تھے وہاں دوسری طرف وہ اس بات کی علامت تھے کہ خطرہ بڑھ گیا ہے اور حفاظت کی ضرورت پیدا ہو گئی ہے۔ دولت میں تیزی سے اضافہ ہوا لیکن یہ الگ الگ افراد کی دولت تھی۔ کپڑا بننے کے فن، دھات کے کام اور دوسری دستکاریوں سے، جن میں سے ہر ایک میں اب مخصوص مہارت کی ضرورت تھی، انواع و اقسام کا سامان نہایت فن کارانہ خوبصورتی سے تیار ہوتا تھا۔ کھیتی سے اب نہ صرف اناج، پھلیاں اور پھل ملتے تھے بلکہ تیل اور شراب بھی ملتی تھی کیونکہ اب لوگ تیل نکالنے اور شراب بنانے کا فن سیکھ گئے تھے۔ اب کوئی ایک فرد اتنے مختلف قسم کے کام نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے اب دوسری بڑی تقسیم محنت ہوئی اور دستکاری کھیتی سے الگ ہوئی۔ پیداوار میں لگاتار اضافہ ہو رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ محنت کی پیداوار قوت میں بھی جو ترقی ہو رہی تھی اس میں انسانی قوت محنت کی قدر و قیمت بڑھادی۔ غلامی جو اس سے پہلے کی منزل میں محض نوزائیدہ شکل میں اور بس کہیں کہیں پائی جاتی تھی اب سماجی نظام کا ایک ضروری حصہ بن گئی تھی۔ غلام اب محض مددگار نہیں رہ گئے تھے بلکہ اب انہیں بیسیوں کی تعداد میں کھیتی اور کارخانوں میں کام کرنے کے لئے ہانکا جانے لگا تھا۔ کھیتی اور دستکاری، ان

وہ بڑی شاخوں میں پیداوار کے بٹ جانے سے تباہی کے لئے پیداوار کی ابتدا ہوئی۔ فروخت کرنے کے لئے مال پیدا کیا جانے لگا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ نہ صرف اپنے علاقے کے اندر، نہ صرف مختلف قبیلوں کے علاقوں کی سرحد پر بلکہ سمندر پار کر کے بھی تجارت کی جانے لگی۔ ان سب چیزوں کا ارتقا ابھی بہت کم ہوا تھا۔ عالمگیر زر کے لئے سونے چاندی کو ترجیح دی جانے لگے تھے لیکن ابھی تک سک نہیں ڈھالا گیا تھا اور تبادلہ محض وزن کے اعتبار سے ہوتا تھا۔

آزاد اور غلام کے ساتھ دو تمدن اور مفلس کے ایک اور فرق کا اضافہ ہوا۔ محنت کی نئی تقسیم کے ساتھ ایک اور تقسیم بھی ہوئی: سماج طبقات میں بٹ گیا۔ پرانی کمیونسٹی گھر یلو برادریاں جہاں کہیں باقی رہ گئی تھیں، وہ مختلف خاندانوں کے سرداروں کی دولت کے فرق کی وجہ سے ٹوٹ گئیں۔ اور اس کے ساتھ سماج کے لئے زمین کی مشترکہ کھیتی کا خاتمہ ہو گیا۔ کھیتی کی زمین استعمال کے لئے مختلف خاندانوں کو دی جانے لگی۔ پہلے یہ زمین ایک محدود عرصے کے لئے دی جاتی تھی اور بعد میں ہمیشہ کے لئے۔ مکمل نجی ملکیت تک کا تغیر رفتہ رفتہ اور جوڑا بیاہ سے یک زبجی تک کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ عمل میں آیا۔ انفرادی خاندان سماج کی اقتصادی اکائی بننے لگا۔

آبادی پہلے سے زیادہ گنجان ہو گئی۔ اس کی وجہ سے ضروری ہوا کہ اندرونی اور بیرونی کاموں کے لئے لوگوں میں اور زیادہ قریبی اتحاد ہو۔ ہر جگہ قرابت دار قبیلوں کا وفاق بنانا ضروری ہو گیا۔ اور اس کے بعد جلد ہی یہ قبیلے آپس میں گھل مل گئے اور اس طرح الگ الگ قبیلوں کے علاقے مل کر ایک قومیت کا علاقہ بن گیا۔ جاتی کا فوجی کمانڈر rex, basileus, thiudans ایک ضروری اور مستقل عہدہ دار بن گیا۔ جہاں کہیں عوامی اسمبلی نہیں تھی اسے قائم کیا گیا۔ گن سماج کی نشوونما ایک فوجی جمہوریت کی شکل میں ہوئی تھی اور فوجی کمانڈر، نسل اور عوامی اسمبلی اسی فوجی جمہوریت کے مختلف ادارے تھے۔ یہ فوجی جمہوریت تھی کیونکہ جنگ اور جنگ کی تیاری اور اس کا انتظام اب لوگوں کی زندگی کا ایک باقاعدہ اور مستقل کام بن گیا تھا۔ اپنے پڑوسیوں کی دولت دیکھ کر لوگوں کے دل میں لالچ پیدا ہونے لگا تھا کیونکہ دولت حاصل کرنے کو وہ زندگی کا سب سے اہم مقصد سمجھنے لگے تھے۔ وہ بربری لوگ تھے۔ ان کی نظر میں محنت کر کے کچھ پیدا کرنے سے زیادہ آسان لوٹ مار کرنا تھا اور وہ زیادہ قابل عزت کا کام بھی تھا۔ پہلے جنگ محض اس لئے کی جاتی تھی کہ حملے کا انتقام لینا ہوتا تھا یا اپنے علاقے کو جو ناکافی ہو چلا تھا، بڑھانا تھا۔ اب جنگ کا مقصد محض لوٹ مار کرنا تھا۔ اور یہ ایک باقاعدہ پیشہ بن گیا۔ نئے قلعہ بند شہروں کے چاروں طرف بڑی بڑی فصیلیں بونہی بے مطلب نہیں کھڑی کی گئی تھیں۔ ان کے گرد خندقیں منہ پھاڑے کھڑی تھیں جن میں گن دستور ڈن ہو گیا۔ اور ان کے بینا تھن کی بلند یوں تک پہنچ گئے تھے۔ اندرونی معاملات میں بھی اسی طرح کی تبدیلی ہوئی۔ لوٹ مار کی جنگوں نے سپہ سالار اعظم کی طاقت بھی بڑھائی اور اس کے نائب سپہ سالاروں کی

بھی۔ جانشینوں کو ایک ہی خاندان سے منتخب کرنے کا قاعدہ رفتہ رفتہ موروثی جانشینی کا قاعدہ بن گیا۔ یہ تبدیلی خصوصیت کے ساتھ پدری حق قائم ہونے کے بعد ہوئی۔ شروع میں لوگ اسے برداشت کر لیتے تھے۔ بعد میں ہر مرنے والے کا وارث اس کی جانشینی کا دعوے دار ہونے لگا۔ اور آخر میں اس نے زبردستی یہ حق غصب کر لیا۔ اس طرح موروثی بادشاہی اور موروثی شرفا کے طبقے کی بنیاد پڑی۔ یوں رفتہ رفتہ گن دستور کے اداروں کی جڑیں جو عوام کے اندر گن، فریڈری اور قبیلے میں پھیلی ہوئی تھیں، کاٹ دی گئیں اور پورے گن نظام میں ایسی تبدیلی ہوئی کہ وہ بالکل اپنی پہلی شکل سے برعکس چیز بن گیا۔ وہ قبیلوں کی ایک تنظیم تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ آزادی کے ساتھ اپنے معاملوں کا انتظام کر سکے لیکن اب وہ ایک ایسی تنظیم بن گیا جس کا مقصد اپنے پڑوسیوں کو لوٹنا اور ان پر ظلم کرنا تھا۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ گن کے ادارے جن کا مقصد عوام کی رائے پر عمل کرنا تھا اب خود اپنے لوگوں پر حکومت اور ظلم کرنے کے ادارے بن گئے۔ یہ کبھی نہ ہوتا اگر دولت کے لالچ نے گن کے ممبروں کو امیر اور غریب میں نہ بانٹ ہوتا، اگر "گن کے اندر ملکیت کے فرق نے گن کے ممبروں میں مفاد کے اتحاد کو باہمی تضاد میں نہ بدل دیا ہوتا" (مارکس (2) اور اگر غلامی کی نشوونما نے ذریعہ معاش حاصل کرنے کی خاطر محنت کرنے کو ایک غلامانہ اور لوٹ مار کرنے سے بھی زیادہ شرمناک کام نہ بنا دیا ہوتا۔

اس کے بعد ہم تمدن کے دروازے پر آجینچے ہیں۔ تقسیم محنت کی مزید ترقی سے اس دور کی ابتدا ہوتی ہے۔ بربریت کے ابتدائی دور میں انسان اپنی فوری ضرورتیں پوری کرنے کیلئے مال پیدا کرتا تھا تبادلہ کبھی کبھار ہوتا تھا، جب اتفاق سے کوئی چیز فاضل بن رہی ہو۔ بربریت کے درمیانی دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ گلہ بان قوموں کو مویشی کی صورت میں ایک ایسی ملکیت مل گئی تھی جس میں کافی بڑے بڑے ریوڑ اور جھنڈ ہوتے تھے اور ان کے پاس اپنی ضرورتوں سے زیادہ فاضل مال برابر ہا کرتا تھا۔ اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ گلہ بان لوگوں میں اور کچھڑے ہوئے قبیلوں میں جن کے پاس ریوڑ نہیں تھے، ایک طرح کی تقسیم محنت ہوئی جس کی وجہ سے پیداوار کی دو مختلف حالتیں ساتھ ساتھ قائم ہو گئیں۔ اس سے مستقل اور باقاعدہ تبادلے کے لئے موافق حالات پیدا ہو گئے۔ بربریت کے آخری دور میں زراعت اور دستکاری میں مزید تقسیم محنت قائم ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اجناس کا برابر بڑھتا ہوا حصہ خصوصیت کے ساتھ تبادلے کے لئے پیدا کیا جانے لگا حتیٰ کہ الگ الگ مال پیدا کرنے والوں میں تبادلہ اتنا بڑھ گیا کہ سماج کے لئے ایک نہایت ضروری چیز بن گیا۔ محنت کی ان تمام تقسیموں کو تمدن نے مستحکم کیا اور آگے بڑھایا۔ خاص کر اس نے شہر اور دیہات کے فرق کو اور گہرا کر دیا (یہ تو قدیم زمانے کی طرح دیہات پر شہر کا اقتصادی غلبہ تھا یہ ازمنہ وسطیٰ کی طرح شہر پر دیہات کا غلبہ تھا) اور ایک تیسری تقسیم محنت کا اضافہ ہوا جو تمدن کے عہد کے خصوصیت ہے اور فیصلہ گن اہمیت رکھتی ہے۔ اس نے ایک ایسے طبقے کو جنم دیا جو عمل پیداوار میں قطعی کوئی

حصہ نہیں لیتا اور محض پیداوار کا تبادلہ کیا کرتا ہے۔ یہ تاجروں کا طبقہ ہے۔ اس سے پہلے جتنے ادھورے طور پر بنے ہوئے طبقے پائے جاتے ہیں، ان سب کا تعلق محض پیداوار سے تھا۔ پیداوار میں لگے ہوئے لوگوں کو یہ نامکمل سی طبقاتی ساخت مینجروں اور کام کرنے والوں، یا بڑے پیمانے پر پیدا کرنے والوں اور چھوٹے پیمانے پر پیدا کرنے والوں میں بانٹا کرتے تھے۔ لیکن اب پہلی مرتبہ ایک ایسا طبقہ نمودار ہوا جو پیداوار میں کوئی حصہ نہیں لیتا تھا مگر اس کے باوجود اس نے بحیثیت مجموعی پیداوار کے سارے انتظام کو اپنے قبضے میں کر لیا اور پیدا کرنے والوں کو اقتصادی طور پر اپنی حکمرانی میں لے لیا۔ یہ ایسا طبقہ ہے جو وہ قسم کا مال پیدا کرنے والوں کے درمیان کی ایک ضروری اور لازمی کڑی بن جاتا ہے اور دونوں کا استحصال کرتا ہے۔ پیدا کرنے والوں کو تبادلے کی پریشانی اور اس کے خطروں سے بچانے کے بہانے، ان کے مال کے لئے دور دور کے ملکوں میں منڈی تلاش کرنے کے بہانے، اور اس طرح سماج کا سب سے کارآمد طبقہ ہونے کا دعویٰ کر کے، طفیلیوں معمولی خدمتوں کے عوض ملک کے اندر اور باہر کی پیداوار کا سب سے اچھا حصہ دودھ کی بالائی کی طرح خود نگل لیتا ہے، تیزی سے کثیر دولت کا مالک بن بیٹھتا ہے اور اس کی مناسبت سے سماجی اثر پیدا کرتا ہے۔ اور اسی وجہ سے تمدن کے عہد میں اسے نئے اعزاز ملتے رہتے ہیں اور پیداوار پر اس کی گرفت زیادہ سخت ہوتی جاتی ہے حتیٰ کہ آخر میں وہ خود بھی اپنی ایک چیز پیدا کرتا ہے۔

میعادی تجارتی بحران۔

ہم ترقی کے جس دور کی بات کر رہے ہیں اس میں تاجر طبقے کو جو ابھی نو عمر تھا، اس بات کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ مستقبل کے لطن میں اس کے لئے کتنی بڑی بڑی چیزیں پوشیدہ ہیں۔ لیکن اس نے اپنی تشکیل کر لی اور اپنے آپ کو ناگزیر بنا دیا۔ اسی قدر کافی تھا۔ مگر اس کے ساتھ فلزاتی زر، دھات کے ڈھالے ہوئی سکے کا استعمال شروع ہوا۔ یہ ایک نیا حربہ تھا جس کی مدد سے پیدا کرنے والے پر اور اس کی پیداوار پر پیدا نہ کرنے والے کی حکومت ہو سکے۔ سب اجناس کی ایک جنس جو اپنے اندر تمام اجناس کو چھپائے رکھتی ہے، ظاہر ہو چکی تھی۔ وہ ایک جادو کی پڑیا تھی جو جب چاہے اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے کسی چیز کا روپ دھارن کر سکتی تھی۔ وہ جس کے قبضے میں ہوتی اس کا پیداوار کی دنیا پر قبضہ ہوتا۔ اور وہ سب سے زیادہ کس کے قبضے میں تھی؟ تاجروں کے۔ ان کے ہاتھوں میں روپے کی پوجا کا دھرم محفوظ تھا۔ اس نے یہ بات صاف کر دی کہ سبھی اجناس کو اور اس لئے ابھی اجناس کے پیدا کرنے والوں کو زر کے سامنے خاک پر سر رکھنا ہوگا۔ اس نے یہ عملاً ثابت کر دیا کہ دولت کی دوسری سبھی شکلیں دولت کے اس اوتار یعنی زر کے سامنے محض پر چھائیاں ہیں۔ زر کی طاقت نے اپنی نوجوانی کے اس دور میں جس بھونڈے پن اور تشدد کا مظاہرہ کیا ویسا کبھی اور نے کبھی نہیں کیا۔ زر کے بدلے میں اجناس کی فرخت کے بعد زر کو قرض دینے کا رواج ہوا اور اس کے ساتھ سود خوری شروع ہوئی۔ اور قدیم ایتھنز اور روما کے قانون نے قرض دار کو جس بے رحمی

کے ساتھ ساتھ پیر باندھ کر سود خوار مہاجن کے سامنے دال دیا اس کی مثال بعد کے زمانے میں بھی کبھی نہیں ملتی۔ ان دونوں جگہوں کے قانون اپنے آپ نمودار ہوئے تھے وہ عام قانون تھا جس کی تہ میں اقتصادی قوت کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں تھی۔

اجناس اور غلاموں کی دولت اور زر کی دولت کے علاوہ دولت کی ایک اور شکل پیدا ہوئی.... زمین کی دولت۔ شروع میں زمین کے قطعات گن یا قبیلے کی طرف سے افراد کو استعمال کے لئے دیئے جاتے تھے۔ مگر اب ان پر افراد کا حق اتنی مضبوطی سے قائم ہو چکا تھا کہ زمین کے وہ کلاے ان کی موروثی ملکیت بن گئے۔ اس سے پہلے وہ جس چیز کی سب سے زیادہ کوشش کر رہے تھے، وہ یہ تھی کہ زمین کے اس ٹکڑے پر گن سماج کا دعویٰ ختم ہو جائے، اس دعوے سے زمین کو چھٹکارا مل جائے۔ یہ دعویٰ ان کے پیروں کی زنجیر بن گیا تھا۔ انہیں اس زنجیر سے چھٹکارا مل گیا، لیکن تھوڑے ہی دنوں میں نئی زمینی جائیداد سے بھی چھٹکارا ملا۔ کیونکہ زمین کی پوری اور آزادانہ ملکیت کا مطلب صرف یہی نہیں تھا کہ بلا روک ٹوک اور بلا کسی پابندی کے قبضہ قائم ہو گیا ہے بلکہ یہ بھی تھا کہ اسے اپنے پاس سے الگ کیا جاسکتا ہے۔ جب تک زمین گن کی ملکیت تھی ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ لیکن جب زمین کے نئے مالک نے گن اور قبیلے کے دعوے کی زنجیر کو توڑ دیا تو اس نے وہ رشتہ بھی توڑ دیا جو آج تک اسے زمین سے الٹو طریقے سے وابستہ کئے ہوئے تھا۔ اور یہ بات زرنے صاف کر دی کہ اس کا کیا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ زر بھی اسی وقت زمین میں نئی ملکیت کے ساتھ ساتھ نمودار ہوا تھا۔ زمین اب ایک جنس تبادلہ بن گئی جسے فروخت کیا جاسکتا تھا اور رہن رکھا جاسکتا تھا۔ زمین پر نئی ملکیت کو قائم ہونے میں مشکل سے کچھ دن گزرے ہوں گے کہ رہن اور گردی رکھنے کا رواج ہو گیا (دیکھئے ایتھنز کی مثال)۔ جس طرح ایک زوجگی کے پیچھے پیچھے پستائرازم اور عصمت فروشی لگی رہی اسی طرح اب زمین کی ملکیت کے پیچھے رہن رکھنے کا رواج لگ گیا۔ تم زمین کی ملکیت چاہتے تھے، آزاد، مکمل اور منتقلی کے قابل ملکیت۔ تو لو، یہ رہی ایسی ملکیت " تمہیں اس کی خواہش تھی! جارج دیندن!" (3)

تجارت کی توسیع، سکہ کا چلن، سود خوری، زمین پر نئی ملکیت اور رہن کا رواج۔ ان سب چیزوں کے ساتھ ایک طرف ایک چھوٹے سے طبقے کے ہاتھ میں دولت کا اجتماع اور ارتکاز ہوتا رہا اور دوسری طرف عام لوگوں کا افلاس بڑھتا گیا اور گداگروں اور مفلسوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ دو تین صدوں کا یہ نیا طبقہ شرفا، جس حد تک شروع سے ہی پرانے قبائلی شرفا سے مختلف تھا اس حد تک اس نے موخرانہ کر کو ہمیشہ کے لئے پیچھے دھکیل دیا (ایتھنز میں، روم میں، جرمنوں میں)۔ اور اس طرح دولت کی بنیاد پر آزاد لوگوں کے مختلف طبقوں میں بٹ جانے کے ساتھ ان غلاموں کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا (4) جن کی جبری محنت کی بنیاد پر سارے سماج کا اوپری ڈھانچہ کھڑا کیا گیا تھا۔ یونان میں خاص طور پر ایسا ہوا تھا۔

آئیے اب ہم یہ دیکھیں کہ اس سماجی انقلاب کی بدولت گن نظام کا کیا حشر ہوا۔ وہ ان نئے عناصر کے مقابلے میں بالکل بے بس تھا جو اس کی مدد کے بغیر ہی پیدا ہو گئے تھے۔ اس کا وجود اس بات پر منحصر تھا کہ گن یا یوں کہنا چاہئے کہ قبیلے کے سبھی ممبر ایک علاقے میں ساتھ ساتھ رہیں اور کوئی دوسرا اس علاقے میں نہ رہے۔ لیکن یہ حالت تو بہت دن پہلے ختم ہو چکی تھی۔ گن اور قبیلے ہر جگہ مخلوط ہو گئے تھے، ہر جگہ آزاد شہریوں کے ساتھ ساتھ غلام، زیر اثر لوگ اور غیر ملکی لوگ رہنے لگے تھے۔ بربریت کے درمیانی دور کے آخر میں ہی لوگوں نے ایک جگہ جم کر رہنا شروع کر دیا تھا مگر تجارت کے دباؤ، لوگوں کے پیشوں کے بدلتے رہنے اور زمین کی ملکیت میں تبدیلی ہوتے رہنے کی وجہ سے انہیں بار بار اپنا وطن بدلنا پڑا۔ اب گن تنظیم کے ممبروں کے لئے ممکن نہیں تھا کہ اپنے اجتماعی معاملوں کو نبھانے کے لئے ایک جگہ جمع ہو سکیں۔ اب صرف نہایت کم اہمیت کے معاملے، مثال کے لئے مذہبی تقریبیں وغیرہ ہی مل کر انجام دی جاتی تھیں اور وہ بھی بے دلی سے۔ گن سماج کے ادارے جن ضرورتوں اور مفاد کی دیکھ بھال کے لئے بنائے گئے تھے اور جن کی دیکھ بھال کرنے کی صلاحیت ان میں تھی، ان کے علاوہ اب کچھ نئی ضرورتیں اور نئے مفاد سامنے آ گئے تھے۔ لوگ جن حالات میں روزی کھاتے تھے، ان میں انقلاب آ گیا تھا اور ان کی بدولت سماج کا ڈھانچہ بدل گیا تھا۔ نئی ضرورتیں اور نئے مفادات انہیں تبدیلوں سے پیدا ہوئے تھے۔ قدیم گن نظام کے لئے وہ نہ صرف اجنبی تھے بلکہ اس کے راستے میں ہر طرح کی رکاوٹ پیدا کر رہے تھے۔ محنت کی تقسیم سے دستکاروں کی جوئی جماعتیں پیدا ہو گئی تھیں، فریڈیوں اور قبیلوں سے آئے تھے، ان میں غیر ملکی لوگ بھی شامل تھے، اس لئے لازم تھا کہ یہ نئے ادارے گن دستور کے باہر بنیں، وہ اس کے متوازی ہوں اور اس کا مطلب ہے کہ اس کے خلاف ہوں۔ اور پھر ہر گن تنظیم میں مفادات کے ٹکراؤ کا اثر اس وقت محسوس ہوا اور اسی وقت وہ اپنی انتہا کو پہنچا جب ایک ہی گن اور ایک ہی قبیلے میں امیر اور غریب، سود خوار اور مقروض دونوں طرح کے لوگ جمع ہو گئے۔ پھر ان کے علاوہ نئے باشندوں کی کثیر تعداد تھی جو گن کی تنظیموں کے لئے بالکل اجنبی تھے، وہ لوگ ملک کے اندر ایک طاقت بن گئے تھے جیسا کہ روم میں ہوا۔ اور ان کے تعداد اتنی زیادہ تھی کہ انہیں رفتہ رفتہ ایک جدی گنوں اور قبیلوں میں ضم بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ عام لوگوں کی اس کثیر تعداد کے لئے گن کی تنظیمیں کچھ تھوڑے سے لوگوں کی اپنی مخصوص تنظیمیں تھیں جن کو خاص حقوق حاصل تھے، یعنی جو چیز ابتدا میں فطری طور پر قائم ہونے والی جمہوریت تھی وہ بدل کر شرفا کی ایک نہایت نفرت انگیز جماعت بن گئی۔ پھر آخری بات یہ کہ گن دستور نے ایک ایسے سماج میں جنم لیا تھا جس میں اندرونی تضاد نہیں تھا۔ وہ صرف ایک ایسے ہی سماج کے لئے موزوں تھا۔ رائے عامہ کے سوا اس کے پاس جبر کرنے کی کوئی طاقت نہیں تھی۔ لیکن اب ایک ایسا سماج جنم لے چکا تھا جو اپنے وجود کی تمام اقتصادی حالتوں کے دباؤ سے مجبور ہو کر آزاد شہریوں اور غلاموں میں، استحصال کرنے والے امیروں اور استحصال

کئے جانے والے غریبوں میں بٹ چکا تھا۔ وہ سماج ان تضادات کو سلجھانے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا بلکہ ان کو روز بروز اور آگے بڑھا رہا تھا۔ ایسا سماج یا تو اس حالت میں زندہ رہ سکتا تھا کہ یہ طبقے ایک دوسرے کے خلاف مسلسل کھلم کھلا جدوجہد کرتے رہیں یا ایک تیسری طاقت کی حکمرانی ہو جو بظاہر ان برسوں پر پکار طبقوں کے اوپر کھڑی ہو، ان کی کھلی کشمکش کو کچل دیتی ہو اور زیادہ سے زیادہ اقتصادی میدان میں اور یوں کہنے کے قانونی شکل میں طبقاتی کشمکش ہونے دیتی ہو۔ گن دستور کی افادیت کا زمانہ ختم ہو چکا تھا۔ محنت کی تقسیم اور اس کے نتیجے یعنی مختلف طبقوں میں سماج کی تقسیم نے اس کے پر نچے اڑا دیئے۔ اس کی جگہ ریاست نے لی۔

گن دستور کے کھنڈر پر ریاست کی تعمیر تین خاص شکلوں میں ہوئی۔ اوپر ہم نے تینوں کا الگ الگ ذکر کیا ہے۔ اتھینز اس کی سب سے خالص اور سب سے نکسالی (کلاسیکل) شکل ہے۔ یہاں ریاست براہ راست اور بڑی حد تک ان طبقاتی تضادوں سے پیدا ہوئی جو گن سماج میں ابھر رہے تھے۔ روم میں گن سماج شرفا کا ایک مخصوص طبقہ بن گیا جو عوام کی کثیر تعداد کے درمیان کھڑا تھا۔ عوام اس سے باہر تھے۔ ان کے حقوق کچھ نہیں تھے۔ صرف فرائض ہی فرائض تھے۔ عوام (پلے بین) کی فتح نے پرانے گن دستور کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس کے کھنڈروں پر ریاست کی عمارت کھڑی کی جس میں گن کے شرفا اور عوام (پلے بین) دونوں ہی تھوڑے دنوں میں جذب ہو گئے۔ اور آخر میں سلطنت روم کے جرمن فاتحوں میں ریاست کا ظہور غیر ملکوں کے بڑے بڑے علاقوں کی فتح کا براہ راست نتیجہ تھا۔ گن دستور کے پاس ان علاقوں پر حکومت کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ لیکن ان علاقوں کو فتح کرنے میں وہاں کے قدیم باشندوں کے ساتھ کسی گمبھیر کشمکش کی ضرورت نہیں پڑی تھی اور نہ زیادہ آگے بڑھی ہوئی تقسیم محنت کی ضرورت محسوس ہوئی تھی، فاتح اور مفتوح دونوں اقتصادی نشوونما کی ایک ہی سطح پر تھے، چنانچہ سماج کی اقتصادی بنیاد وہی رہی جو پہلے تھی۔ لہذا ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ گن دستور ذرا بدلی ہوئی علاقائی شکل میں کئی صدیوں تک قائم رہا۔ یہ مارک دستور کی شکل تھی، بعد کے برسوں کے شرفا اور اعلیٰ نسب کے (پتریشین) خاندانوں کی شکل میں، یہاں تک کہ کسان خاندانوں کی شکل میں بھی، جیسے دتمارش (5) میں، وہ کچھ عرصے کے لئے نہایت کمزور طریقے سے نئی زندگی حاصل کر میں بھی کامیاب ہوا۔

اس لئے ریاست کوئی ایسی طاقت یا اقتدار نہیں ہے جو سماج پر اوپر سے مسلط کی گئی ہو۔ اور نہ وہ "اخلاقی عین کی حقیقت" ہے اور نہ "عقل کا عکس اور اس کی حقیقی صورت" ہے، جیسا کہ ہیگل کہتا ہے (46)۔ بلکہ یہ تو سماج کی نشوونما کی ایک خاص منزل پر سماج کی پیداوار ہے۔ یہ اس بات کا اعتراف ہے کہ سماج کی نشوونما کی ایک خاص منزل پر سماج کی پیداوار ہے۔ یہ اس بات کا اعتراف ہے کہ سماج ایک ایسے اندرونی تضاد میں پھنس گیا ہے جو حل نہیں ہو سکتا اور وہ ایسی مخالفتوں اور دشمنیوں میں الجھ گیا ہے جن کو ختم کرنا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ لیکن یہ

خالفتمیں، یہ متضاد اقتصادی مفاد رکھنے والے طبقے اپنی بے نتیجہ کشمکش میں ایک دوسرے کو اور پورے سماج کو برنبا د نہ کر ڈالیں، اس کے لئے ایک ایسی طاقت کی ضرورت پڑی جو بظاہر دیکھنے میں سماج کے اوپر کھڑی ہو، جو اس کشمکش کو کم کرے اور اسے "امن و امان" کے دائرے میں محدود رکھے اور یہی طاقت جو سماج سے پیدا ہوئی مگر سماج کے اوپر مسلط ہو گئی اور روز بروز اپنے آپ کو اس سے الگ کرتی رہی ہے۔ یہ ہے ریاست۔

قدیم گن تنظیم کے برعکس ریاست اپنی رعایا کو علاقے کے اعتبار سے بانٹتی ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں پرانی گن جماعتیں، جو خون کے رشتوں کی بنیاد پر بنی تھیں اور جن کی شیرازہ بندی اسی سے ہوئی تھی، ناکافی ہو چکی تھیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ یہ مان کر چلیں تھیں کہ ان کے ممبر ایک علاقے سے وابستہ ہیں اور دراصل یہ وابستگی بہت دن پہلے ختم ہو چکی تھی۔ علاقہ اپنی جگہ پر قائم رہا لیکن لوگ نقل مقام کرنے لگے تھے۔ اس لئے بٹوارے کے لئے علاقے کوئی بنیاد بنایا گیا اور شہریوں کو اجازت دی گئی کہ جہاں وہ بے ہوئی ہوں وہیں اپنے حقوق اور فرائض انجام دیں، چاہے وہ کسی بھی گن یا قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں مقام کے اعتبار سے شہریوں کی یہ تنظیم تمام ریاستوں کی مشترک خصوصیت ہے۔ اسی لئے ہمیں یہ قدرتی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ہم دیکھ آئے ہیں کہ گن کے اعتبار سے شہریوں کی پرانی تنظیم کو ہٹا کر اس کی جگہ لینے میں اس کو ایتھنز اور روم میں کتنی طویل اور سخت جدوجہد کرنی پڑی تھی۔ دوسری چیز اقتدار عامہ کا قیام ہے۔ یہ اب براہ راست پوری آبادی پر منطبق نہیں ہوتا جو ایک مسلح قوت کی شکل میں منظم ہوتی تھی۔ یہ خاص اقتدار عامہ اس لئے ضروری ہے کہ طبقات کی تقسیم کے بعد آبادی کی کوئی ایسی ہتھیار بند تنظیم ممکن نہیں رہی جو آپ ہی آپ عمل کر سکے۔ اب غلام بھی آبادی کا ایک حصہ تھے۔ 365000 غلاموں کے مقابلے میں ایتھنز کے 90000 شہری محض ایک ایسا طبقہ تھے جس کو خاص حقوق اور رعایتیں حاصل تھیں۔ شرفا اور امرا کا اقتدار عامہ جو غلاموں کے خلاف تھا اور انہیں دبا کر رکھتا تھا، ایتھنز کی جمہوریت کی عوامی فوج تھی۔ لیکن شہریوں کو بھی دبائے رکھنے کے لئے جلد ہی ایک ژاندارمی (سیاسی پولیس) کی ضرورت پڑی جیسا کہ ہم اوپر بتا آئے ہیں۔ یہ اقتدار عامہ ہر ریاست میں وجود ہے۔ اس کا مطلب صرف ہتھیار بند لوگ ہی نہیں ہیں بلکہ اس کے مادی لوازمات بھی ہیں، قید خانہ اور جبر کے ہر قسم کے ادارے بھی ہیں جو گن سماج کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے۔ جن سماجوں میں طبقاتی تضاد ابھی تک پوری طرح نہیں ابھرے ہیں اور جو جگہ ہیں دوسروں سے الگ تھلک ایک طرف کو پڑی ہیں، ان میں ابھی تک یہ اقتدار عامہ بہت چھوٹا اور گویا نہ ہونے کے برابر ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں بعض بعض زمانوں میں اور بعض بعض علاقوں میں یہی صورت حال تھی۔ لیکن جیسے جیسے کسی ریاست میں طبقاتی تضاد زور پکڑتے جاتے ہیں اور جیسے جیسے آس پاس کی ریاستیں رقبے اور آبادی میں بڑھتی جاتی ہیں، ویسے ہی ویسے یہ اقتدار عامہ اور مضبوط ہوتا ہے۔ اس کے لئے ہمارے اپنے زمانے

کے یورپ کو دیکھنا کافی ہوگا، جہاں طبقاتی جدوجہد اور فتوحات کی رقابت اور مقابلے نے اقتدار عامہ کو اتنا بڑھا دیا کہ پورے سماج اور خود ریاست کے لئے ایک خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔

اس اقتدار عامہ کو قائم رکھنے کے لئے شہریوں سے پیسہ وصولنا یعنی ٹیکس لینا ضروری ہو گیا۔ گن سماج میں ٹیکس کے نام سے بھی کوئی واقف نہیں تھا۔ لیکن آج کون ہے جو اس سے ناواقف ہو۔ جیسے جیسے تمدن ترقی کرتا جاتا ہے یہ ٹیکس ناکافی ہوتے جاتے ہیں۔ تب ریاست مستقبل کے ٹیکسوں کی ہنڈی پر روپیہ لینا، یعنی روپیہ ادھار لینا، سرکاری قرض لینا شروع کرتی ہے۔ بوڑھا یورپ ان قرضوں کے بارے میں بھی ایک پوری داستان بنا سکتا ہے۔ حکومت کے افسر یا عہدہ دار لوگ جن کے قبضے میں اقتدار عامہ ہوتا ہے اور جنہیں ٹیکس عائد کرنے کا اختیار ہوتا ہے، اب سماج کے اوپر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ گن دستور کے عہدہ داروں کی عزت لوگ بلا کسی جبر و کراہ کے اپنے آپ کرتے تھے۔ وہ عزت اگر حکومت کے ان افسروں کو حاصل بھی ہوتی تب بھی وہ اس سے مطمئن نہ ہوتے۔ وہ ایک ایسی طاقت کے کل پرزے تھے جو سماج کے لئے اجنبی اور اس سے الگ ہوتی جا رہی تھی۔ اور اس لئے یہ ضروری تھا کہ خاص قانون بنا کر لوگوں کو ان کا احترام کرنے پر مجبور کیا جائے۔ ان قانونوں کے ذریعے سرکاری افسروں کو ایک خاص تقدس اور احترام عطا کیا جاتا ہے۔ گن سماج کے تمام عہدہ داروں کو ملا کر بھی جتنا اختیار حاصل نہیں تھا، اس سے زیادہ "اختیار" ایک متمدن ریاست کے ادنیٰ ترین پولیس افسر کو ہوتا ہے۔ لیکن گن سماج کے چھوٹے سے چھوٹے سردار کو بلا کسی دباؤ اور بغیر کسی بحث و تکرار کے جو عزت نصیب تھی، اس پر تمدن کے عہد کے سب سے طاقتور بادشاہ اور مدبر بھی رشک کر سکتے ہیں۔ ایک تو سماج کے درمیان، اس کے بیچ میں کھڑا تھا، دوسرا مجبور ہے کہ ایک ایسی چیز کی نمائندگی کا دعویٰ کرے جو سماج کے باہر اور اس کے اوپر ہے۔

چونکہ ریاست طبقاتی تضاد کو دبائے رکھنے کی ضرورت سے پیدا ہوئی لیکن اسی کے ساتھ وہ ان طبقوں کی کشمکش کے دوران پیدا ہوئی، اس لئے وہ عام طور پر سب سے زیادہ طاقتور، اقتصادی طور پر سب سے زیادہ ذی اقتدار طبقے کی ریاست ہوتی ہے۔ یہ طبقہ ریاست کے ذریعے سے سیاسی طور پر بھی سب سے زیادہ ذی اقتدار طبقہ بن جاتا ہے اور اس طرح مظلوم طبقے کو دبائے رکھنے اور اس کا استحصال کرنے کے نئے ذرائع حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ عہد قدیم کی ریاست سب سے بڑھ کر غلاموں کے مالکوں کی ریاست تھی جس کا مقصد غلاموں کو دبائے رکھنا تھا۔ اسی طرح سائنٹی ریاست امر اور شرفا کا آلہ کار تھی جس کا مقصد زرعی غلام کسانوں اور زرخیز حلقہ بگوشوں کو دبائے رکھنا تھا۔ اور جدید نمائندہ ریاست سرمایے کے ہاتھوں اجرتی محنت کے استحصال کا حربہ ہے۔ لیکن مستقبل میں جیسے بھی دور آتے ہیں جبکہ لڑنے والے طبقوں میں قریب قریب ایسا توازن قائم ہو جاتا ہے کہ ریاست بظاہر ایک بیچ کی حیثیت سے کچھ دیر کے لئے اور کسی حد تک دونوں سے آزاد ہو جاتی ہے۔ سترہویں اور اٹھارویں

صدی کی خود سر بادشاہتوں کا یہی حال تھا۔ وہ شرفا اور بورژوازی میں توازن قائم کئے ہوئے تھیں۔ پہلی اور اس سے بھی زیادہ دوسری فرانسیسی سلطنت کی بونا پارٹزم کا بھی یہی حال تھا۔ وہ کبھی بورژوازی کے خلاف پروتاریہ کے خلاف بورژوازی کو بڑھا دیتے رہتے تھے۔ اس کی تازہ ترین مثال جس میں حاکم اور محکوم دونوں یکساں مضحکہ خیز معلوم ہوتے ہیں، بسمارک قوم کی نئی جرمن سلطنت ہے۔ یہاں سرمایہ داروں اور مزدوروں میں ایک دوسرے کے خلاف توازن قائم کیا جاتا ہے اور پروشیا کے افلاس زدہ تنگ نظر یوکروں (زمینداروں) کے فائدے کے لئے دونوں کو یکساں طور پر دھوکہ دیا جاتا ہے۔

تاریخ میں ابھی تک جتنی ریاستیں ہوئی ہیں، ان میں زیادہ تر شہریوں کو ان کی دولت کے مطابق کم یا زیادہ حقوق دیئے جاتے ہیں۔ اس سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ ریاست ملکیت والے طبقوں کی ایک تنظیم ہے جو محروم ملکیت طبقے سے ان کی حفاظت کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ ایٹنز اور روم میں ایسا ہی تھا جہاں شہریوں کی طبقہ بندی ملکیت کے مطابق کی گئی تھی۔ ازمنہ وسطیٰ کی سمانٹی ریاست میں بھی یہی حال تھا۔ وہاں جس کے پاس جتنی زمین ہوتی تھی، اس کے ہاتھ میں اتنی ہی سیاسی طاقت ہوتی تھی۔ اور جدید نمائندہ ریاست میں انتخاب میں حصہ لینے کے لئے شہریوں کو جو شرطیں پوری کرنی پڑتی ہیں، ان میں بھی یہ بات صاف دکھائی دیتی ہے۔ لیکن یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ملکیت کے فرق کو سیاسی حیثیت دی جائے۔ بلکہ اس کے برعکس یہ تو ریاست کی نشوونما کے نپٹی سطح پر ہونے کی علامت ہے۔ ریاست کی اعلیٰ ترین شکل یعنی جمہوری ریپبلک جو سماج کے موجودہ حالات میں روز بروز ایک لازمی ضرورت ہوتی جا رہی ہے اور جو ریاست کی وہ تہا صورت ہے جس میں پروتاریہ اور بورژوا طبقے کی آخری فیصلہ کن جدوجہد ہو سکتی ہے۔ وہ جمہوری ریپبلک سرکاری طور پر ملکیت کے فرق کو نہیں مانتی۔ اس میں دولت بالواسطہ طریقے سے مگر اور بھی زیادہ کارگر ڈھنگ سے اپنا اثر ڈالتی ہے۔ ایک تو دولت سے سرکاری عہدہ داروں کو سیدھے سیدھے رشوت دی جاتی ہے۔ اس کی ٹھیک مثال امریکہ ہے۔ دوسرے، حکومت اور اسٹاک ایکسچینج میں گٹھ بندھن ہو جاتا ہے۔ جتنا ریاست کا سرکاری قرضہ بڑھتا جاتا ہے، اور جتنا زیادہ سرمایہ دار کمپنیاں اسٹاک ایکسچینج کو اپنا مرکز بنا کر نہ صرف وسائل نقل و حمل کو بلکہ پیداوار کو بھی اپنے ہاتھوں میں جمع کرتی جاتی ہیں، اتنی ہی زیادہ آسانی سے یہ گٹھ بندھن ہو جاتا ہے۔ تازہ ترین فرانسیسی ریپبلک اور امریکہ اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ اور اپنے نیک اور شریف سوئٹزرلینڈ نے بھی اس شعبے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ لیکن حکومت اور اسٹاک ایکسچینج میں اس طرح کا دوستانہ تعلق قائم کرنے کے لئے جمہوری ریپبلک ضروری نہیں ہے۔ اس کے ثبوت میں انگلینڈ اور نئی جرمن سلطنت کی مثال دی جاسکتی ہے، جہاں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ عام رائے دہندگی سے کس کا درجہ زیادہ اونچا اٹھا ہے، بسمارک کا یا بلاٹکس و در۔ کا۔ اور آخری بات یہ کہ دولت مند طبقہ براہ راست عام

رائے دہنگی کے ذریعے سے حکومت کرتا ہے۔ جب تک کہ مظلوم طبقہ جو آج کل مزدور طبقہ ہے، اتنا پختہ نہیں ہو جاتا کہ اپنے آپ کو آزاد کر لے، تب تک اس کا بڑا حصہ صرف موجودہ سماجی نظام کو ہی ایک ممکن نظام سمجھتا رہے گا اور اس لئے سیاسی طور پر سرمایہ دار طبقے کی دم، اس کا سب سے انتہائی بائیں بازو والہ حصہ بنا رہے گا۔ لیکن جس حد تک یہ طبقہ خود اپنے آپ کو آزاد کرنے کے لائق بناتا جاتا ہے، اسی حد تک وہ اپنے کو خود اپنی پارٹی کی شکل میں منظم کرتا ہے اور سرمایہ داروں کے نہیں بلکہ خود اپنے نمائندے چنتا ہے۔ ریاست میں وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے اور نہ کچھ ہو سکتی ہے۔ لیکن اتنا کافی ہے۔ جس دن عام رائے دہنگی کا قہر مائٹر بتلائے گا کہ مزدوروں میں ابال آنے والا ہے، اس دن مزدور اور سرمایہ دار دونوں کو معلوم ہو جائے گا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔

غرضیکہ ریاست ازل سے نہیں چلی آ رہی ہے۔ ایسے بھی سماج ہوئے ہیں جنہوں نے ریاست کے بغیر اپنا کام چلایا اور ان میں ریاست اور ریاستی اقتدار کا تصور بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ اقتصادی نشوونما کی ایک خاص منزل پر سماج لازمی طور پر طبقوں میں بٹ گیا اور اس تقسیم کی وجہ سے ریاست کا وجود ضروری ہو گیا۔ اب ہم تیزی سے پیداوار کی نشوونما کی اس منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں جس میں ان طبقوں کا زندہ رہنا نہ صرف یہ کہ ضروری نہیں رہے گا بلکہ پیداوار کے راستے میں ایک رکاوٹ بن جائے گا۔ تب وہ اتنے ہی لازمی طور پر مٹ جائیں گے جتنے لازمی طور پر وہ پہلے کے ایک دور میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے مٹنے کے ساتھ ساتھ ریاست بھی لازمی طور پر مٹ جائے گی۔ جو سماج مال پیدا کرنے والوں کے آزاد اور مساوی تعاون کی بنیاد پر پیداوار کو منظم کرے گا وہ سماج ریاست کی پوری مشین کو اٹھا کر وہاں رکھ دے گا جہاں تب اس کا رکھا جانا زیب دے گا، یعنی وہ ریاست کو ہاتھ کے چرنے اور کانسٹی کی کلہاڑی کی طرح آثار قدیمہ کے عجائب گھر میں رکھ آئے گا۔

اس طرح مذکورہ بالا تجزیہ بتلاتا ہے کہ تمدن سماج کے ارتقا کی وہ منزل ہے جس میں محنت کی تقسیم، اس کی بدولت افراد کے درمیان ہونے والا تبادلہ اور ان دونوں چیزوں کو ملانے والی جنس تبادلہ کی پیداوار اپنے ارتقا کی آخری حد پر پہنچ جاتی ہے اور اب تک کے پورے سماج میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔

سماج کے تمام سابقہ دوروں میں عمل پیداوار بنیادی طور پر اجتماعی تھا اور اسی طرح استعمال کے سامان کو چھوٹی یا بڑی قدیم کمیونٹی برادر یوں میں سیدھے سیدھے بانٹ لیا جاتا تھا۔ یہ ساجھے کی پیداوار نہایت ہی محدود دائرے کے اندر ہوتی ہوگی لیکن ساتھ ہی اس میں پیدا کرنے والے لوگ اپنے عمل پیداوار اور پیداوار دونوں کے مالک ہوتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کی پیداوار کا کیا ہونا ہے۔ وہ اسے خود خرچ کرتے تھے۔ وہ کبھی ان کے ہاتھوں سے دور نہیں جاتی تھی۔ جب تک اس بنیاد پر پیداوار جاری رہی تب تک وہ پیدا کرے والوں کے قابو سے باہر نہیں نکل پائی اور ان کے خلاف ویسی عجیب اور بھوت پریت جیسی قوتوں کو نہیں کھڑا کر سکے جیسا کہ تمدن کے عہد میں

باقاعدہ اور لازماً نمودار ہوتی رہتی ہیں۔

لیکن رفتہ رفتہ پیداوار کے اس عمل میں محنت کی تقسیم گھس آئی۔ اس نے پیداوار اور تصرف کی اجتماعی نوعیت کی جڑ کھود ڈالی۔ اس نے افراد کے تصرف کو عام قاعدہ بنا دیا اور اس طرح افراد کے درمیان تبادلے کو جنم دیا۔ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ یہ کیسے ہوا۔ رفتہ رفتہ جنس تبادلہ کی پیداوار غالب شکل بن گئی۔

جب جنس تبادلہ کی پیداوار کا رواج ہوا یعنی جب پیداوار اپنے استعمال کے لئے نہیں بلکہ تبادلے کے لئے کی جانے لگی تو لازماً پیداوار ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہونے لگی۔ تبادلے کے دوران پیداوار کرنے والا اپنی پیداوار سے الگ ہو جاتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اس کا کیا ہوا۔ جیسے ہی زرا اور اس کے ساتھ سوداگر مختلف مال پیدا کرنے والوں کے بیچ میں ایک درمیانی آدمی کی حیثیت سے گھس آتے ہیں، تبادلے کا عمل اور زیادہ پیچیدہ ہو جاتا ہے، پیداوار کے مال کا حشر اور زیادہ غیر یقینی ہو جاتا ہے۔ تاجروں کی تعداد بہت ہوتی ہے اور ان میں سے کسی کو نہیں معلوم ہوتا کہ دوسرا کیا کر رہا ہے۔ اجناس صرف ایک آدمی سے دوسرے آدمی کے ہاتھ میں نہیں بلکہ ایک منڈی سے دوسری منڈی میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ اب پیداوار کرنے والوں کا اپنی زندگی کے لئے ضروری چیزوں کی کل پیداوار پر کوئی قابو نہیں رہ گیا ہے اور تاجروں کو بھی اس پر قابو حاصل نہیں ہوا ہے۔ مال اور پیداوار اتفاقات کے ہاتھ میں کھلونا بن جاتے ہیں۔

لیکن اتفاقات باہمی تعلق کا محض ایک سرا ہیں۔ اس کا دوسرا سرا ضرورت کہلاتا ہے۔ فطرت میں جہاں اتفاقات کی بھی حکمرانی معلوم ہوتی ہے، ہم بہت پہلے دکھا چکے ہیں کہ ہر مخصوص شعبے میں ان اتفاقات کے پیچھے ایک ضرورت (جبر) اور باقاعدگی عمل پیرا ہوتی ہے۔ جو چیز فطرت کے لئے صحیح ہے وہ سماج کے لئے بھی صحیح ہے۔ کسی سماجی عمل یا سماجی اعمال کے کسی سلسلے پر انسان کا ذی شعور طریقے سے قابو رکھنا جتنا زیادہ مشکل ہوتا جاتا ہے جتنا زیادہ یہ اعمال انسان کی قدرت سے باہر نکلتے جاتے ہیں، اتنا ہی زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان اعمال پر محض اتفاقات کی حکمرانی ہے اور اتنا ہی زیادہ ان کے مخصوص اور بنیادی قوانین اتفاقات کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے گویا فطری ضرورت کی بدولت ہی ایسا ہوتا ہے۔ جنس تبادلہ کی پیداوار اور تبادلے میں جن اتفاقات کا ہاتھ دکھائی دیتا ہے، وہ بھی ایسے ہی قانونوں کے ماتحت ہیں۔ الگ الگ مال پیدا کرنے والوں اور تبادلہ کرنے والوں کو یہ قوانین نہایت عجیب اور شروع میں اجنبی اور پراسرار قوت کی طرح بھی معلوم ہوتے ہیں جن کی اصلیت کا پتہ لگانے کے لئے بڑی محنت کے ساتھ کھوج اور چھان بین کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جنس تبادلہ کی پیداوار کے اقتصادی قانون، پیداوار کی اس شکل کی نشوونما کے ہر دور میں کسی قدر بدل جاتے ہیں۔ لیکن بحیثیت مجموعی تمدن کے پورے عہد میں ان قوانین کا غلبہ رہتا ہے۔ آج بھی پیداوار کرنے والے پر پیداوار حادی ہے۔ آج

بھی سماج کی کل پیداوار کسی ایسے منصوبے کے مطابق طے ہوتی ہے جو فطرت کی قوتوں کی طرح کام کرتے ہیں اور آخریں میعاد تجارتی بحرانوں کے طوفانوں کی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح پیداوار کی نشوونما کے ایک نسبتاً ابتدائی دور میں ہی انسان قوت و محنت اس قابل ہو گئی تھی کہ پیدا کرنے والے کی ضروریات زندگی کے لئے جتنا کافی تھا، اس سے کہیں زیادہ پیدا کر سکے۔ اور کس طرح دراصل اسی دور میں پہلی تقسیم محنت اور افراد کے درمیان تبادلہ شروع ہونے لگتا ہے۔ اور پھر اس بڑی "حقیقت" کا انکشاف ہوتے بھی بہت دیر نہیں لگی کہ انسان بھی ایک جنس تبادلہ ہو سکتا ہے اور انسان کو غلام بنا کر انسانی طاقت کا تبادلہ کیا جاسکتا ہے اور اس سے کام لیا جاسکتا ہے۔ انسان نے ابھی تبادلہ کرنا شروع ہی کیا تھا کہ اس کا بھی تبادلہ کیا جانے لگا۔ آدمی نے چاہا یا نہ چاہا ہو مگر ہوا یہی کہ جو فعال تھا وہ دوسروں کے ہاتھ کا کھلونا بن گیا۔

غلامی کے ساتھ ساتھ، جو تمدن کے عہد میں اپنی نشوونما کی انتہا کو پہنچ جاتی ہے، استحصال کرنے والوں اور استحصال کئے جانے والوں میں سماج کی پہلی بڑی تقسیم ہوئی۔ تمدن کے پورے دور میں یہ تقسیم جاری رہی ہے۔ غلامی استحصال کی پہلی شکل تھی، جو قدیم زمانے کی خصوصیت تھی۔ اس کے بعد ازمنہ و سطحی میں زرعی غلامی اور موجودہ زمانے میں اجرتی محنت آئی۔ غلامی کی یہ تین بڑی شکلیں ہیں جو تمدن کے تین بڑے ادوار کی خصوصیتیں یہ تھیں؛ (1) دھات کے بنے ہوئے سکے استعمال ہونے لگے تھے اور اس لئے زرعی شکل میں سرمائے کا، سود اور سود خوری کا رواج بھی ہو چکا تھا۔ (2) پیدا کرنے والوں کے بیچ تا جردر میانی آدمی کا کام کرنے لگے تھے۔ (3) زمین پر افراد کی نجی ملکیت قائم ہو گئی تھی اور رہن کار و راج ہو چکا تھا۔ (4) پیداوار کی مروجہ شکل غلاموں کی محنت تھی۔ تمدن کے عہد سے مطابقت رکھنے والی خاندان کی شکل جو اس عہد میں یقینی طور پر مروجہ شکل بن چکی تھی، یک زوجگی ہے جس میں عورت پر مرد کا غلبہ ہوتا ہے اور الگ الگ ہر خاندان سماج کی اقتصادی اکائی ہوتا ہے۔ متمدن سماج کو باندھ کر رکھنے والی قوت ریاست ہے، جو ہر نمائندہ عہد میں محض حکمران طبقے کی ریاست ہوتی ہے اور جو بنیادی طور پر ہمیشہ مظلوم اور استحصال کئے جانے والے طبقے کو دبا کر رکھنے والی مشین کا کام کرتی ہے۔ تمدن کی دوسری خصوصیتیں یہ ہیں: سماجی محنت کی پوری تقسیم کی بنیاد کے طور پر شہر اور دیہات میں مستقل تضاد قائم ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف وصیت ناموں کا رواج ہو جاتا ہے جس کے ذریعے جائیداد کا مالک اپنی موت کے بعد بھی اپنی جائیداد کو جسے چاہے دے سکتا ہے۔ یہ رواج جس نے قدیم گن دستور پر براہ راست کاری ضرب لگائی، سولون کے زمانے تک ایتھنز میں نہیں پاتا جاتا تھا۔ روم میں بہت شروع میں ہی اس کا رواج ہو گیا تھا لیکن ہم ٹھیک ٹھیک نہیں کہہ سکتے کہ کب۔ (6) جرمنوں میں وصیت کو پادریوں نے رواج دیا تاکہ بھولے بھالے خوش عقیدہ جرمن بلا کسی دشواری

کے اپنی جائیداد کلیسا کو دے جائیں۔

اس دستور کو اپنی بنیاد بنا کر تمدن نے ایسے ایسے کارنامے انجام دیئے ہیں جنہیں گن ساج ہرگز انجام نہیں دے سکتا تھا۔ لیکن ایسا کرنے میں تمدن نے انسان کی افسل ترین جہلتوں اور جذبات کو کسا کر ان سے کام لیا اور اس کی تمام دوسری صلاحیتوں کو دبا کر ان جذبات کو بڑھا دیا۔ تمدن کے روز اول سے آج تک تنگی حرص و ہوس اس کی روح رواں رہی ہے، دولت، زیادہ دولت، اور زیادہ دولت... یہی اس کا واحد اور خاص نصب العین رہا ہے۔ مگر وہ بھی سماج کی دولت نہیں بلکہ ذلیل و حقیر فرد کی دولت۔ اگر اس نصب العین کو پورا کرنے کی کوشش کے دوران میں سائنس نے زیادہ سے زیادہ ترقی کی اور فن کے انتہائی عروج کے دور بھی بار بار آتے رہے تو اس کی وجہ یہی تھی کہ دولت بڑھنے میں آج جو زبردست کامیابی حاصل ہوئی ہے، وہ سائنس اور فن کی ان کامیابیوں کے بغیر نہیں حاصل ہو سکتی تھی۔

چونکہ تمدن کی بنیاد ایک طبقے کے ہاتھوں دوسرے کا استحصال ہے، اس لئے اس کی ساری نشوونما ایک مسلسل تضاد کے دائرے سے ہو کر گزرتی ہے۔ پیداوار میں ترقی کا جو بھی قدم اٹھتا ہے وہ مظلوم طبقے یعنی بہت بڑی اکثریت کی حالت کو اور بدتر بنا دیتا ہے۔ ایک کے لئے جو نعمت ہے، وہ لازمی طور پر دوسرے کے لئے لعنت ہے۔ کسی ایک طبقے کو جب بھی آزادی ملتی ہے تب وہ کسی دوسرے طبقے کے لئے نئی غلامی کی زنجیر بن جاتی ہے۔ اس کی سب سے نمایاں مثالیں ہمیں مشینوں کے استعمال میں ملتی ہے، جس کے نتیجوں سے آج سبھی لوگ واقف ہیں۔ اور جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، بربری لوگوں میں حقوق اور فرائض میں کوئی فرق نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن تمدن نے ایک طبقے کو تقریباً سارے حقوق دے کر اور دوسرے طبقے پر تقریباً ساری ذمے داریوں کا بوجھ لا کر، حقوق اور فرائض کے فرق اور ان کے تضاد کو اتنا واضح کر دیا ہے کہ جاہل سے جاہل آدمی بھی انہیں سمجھ سکتا ہے۔

لیکن ایسا ہونا نہیں چاہیے۔ جو چیز حکمران طبقے کے لئے اچھی ہے، اسے پورے سماج کے لئے اچھا ہونا چاہیے جس کے ساتھ حکمران طبقہ اپنا بیت جتاتا ہے۔ لہذا جیسے جیسے تمدن کی ترقی ہوتی ہے، ویسے ویسے اسے ان برائیوں پر جنہیں وہ لازمی طور پر پیدا کرتا ہے، محبت کو پردہ ڈالنا پڑتا ہے، انہیں جھوٹی آرائشوں سے چھپانا پڑتا ہے یا پھر ان کے وجود سے ہی انکار کر دینا پڑتا ہے۔ مختصر یہ کہ اسے رسمی منافقت اختیار کرنی پڑتی ہے جو کہ سماج کی قدیم شکلوں میں اور یہاں تک کہ تمدن کی ابتدائی حالتوں میں بھی موجود نہیں تھی، اور آخر میں اس اعلان پر تان ٹوٹی ہے کہ استحصالی طبقہ مظلوم طبقے کا استحصال محض اور پورے طور پر خود اسی طبقے کی بھلائی کے لئے کرتا ہے، اور اگر مظلوم طبقہ اس صداقت کو نہیں سمجھ پاتا اور یہاں تک کہ بغاوت پر بھی کمر بستہ ہو جاتا ہے تو وہ اپنے محسنوں یعنی استحصال کرنے والوں سے نہایت احسان فراموشی کرتا ہے۔ (7)

اور اب میں آخر میں تمدن پر مارگن کی فیصلہ کن رائے پیش کرتا ہوں:

"تمدن کے آنے کے بعد سے ملکیت کو اتنا زبردست فروغ ہوا ہے، اس نے اتنی بھانت بھانت کی شکلیں اختیار کی ہیں، اس کے استعمال میں اتنا اضافہ ہوا ہے، اور اس کے مالکوں کے حق میں اس کا انتظام اتنی عقلمندی سے کیا گیا ہے کہ لوگوں کے لئے یہ ایک ایسی طاقت بن گئی ہے جس کو قابو میں رکھنا ناممکن ہے۔ انسانی ذہن خود اپنی تخلیق کے سامنے حیرت زدہ کھڑا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایسا وقت ضرور آئے گا جب انسان کی عقل ملکیت کی ریاست حفاظت اجرت ہے، اس کے ساتھ اس کے تعلق کو متعین اور مالکوں کے فرائض اور ان کے حقوق کی حدود کو واضح کر دے گی۔ سماج کے مفاد فرد کے مفاد سے بالاتر ہیں اور دونوں میں صحیح تعلق اور ہم آہنگی قائم کرنی چاہئے۔ اگر ماضی کی طرح مستقبل میں بھی ترقی کے قانون کو جانی و ساری رہنا ہے تو انسانیت کا آخری نصب العین محض ملکیت ہو کر رہنا نہیں ہو سکتا۔ تمدن کے شروع ہونے سے لے کر اب تک جو زمانہ گزرا ہے، وہ انسان کے پورے ماضی کا محض ایک ٹکڑا ہے اور جو زمانہ آئندہ آنے والا ہے، اس کا بھی محض ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے۔ جس سماج کا مقصد و منہا ملکیت ہو کر رہا ہو، اس کا انجام یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا شیرازہ منتشر ہو جائے کیونکہ اس سماج کے اندر خود تخریب کے عناصر پوشیدہ ہیں۔ تجربہ، عقلمندی اور علم سماج کی جس اعلیٰ سطح کی طرف براہ اشارہ کر رہے ہیں، وہ ایسی سطح ہوگی کہ حکومت میں جمہوریت ہو، سماج میں بھائی چارہ ہو، حقوق اور منصب میں برابری ہو اور تعلیم عام ہو۔ اس سماج میں قدیم گنوں کی آزادی، مساوات اور بھائی چارے کو زیادہ اعلیٰ شکل میں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔"

"(مارگن، "قدیم سماج" صفحہ 552)۔ (8)

اس کتاب کو اینگلز نے مارچ 26 مئی 1884 میں لکھا تھا۔ سب سے پہلے ایک علیحدہ کتاب کے طور پر یہ 1884 میں زوریچ سے شائع ہوئی تھی۔

حوالہ جات

1۔ خاص کرامریکہ میں شمال مغربی ساحل پر یہی حالت تھی (دیکھئے بینکرافٹ)۔ جزائر کونین چارلٹ کے ہائینڈ اس لوگوں میں تو یہ حالت تھی کہ بعض گھرانوں میں ایک چھت کے نیچے سات سو افراد تک اکٹھے رہتے تھے۔ نوٹ: لوگوں میں پورے کے پورے قبیلے ایک چھت کے نیچے رہتے تھے۔

2۔ ملاحظہ ہو "مارکس اور اینگلز کی دستاویزات" جلد 9۔ صفحات 153-154۔ (ایڈیٹر)

3- مولنیر کے ڈرامے "جارج دیندن" سے۔ (ایڈیٹر)

4- ایجنسز میں غلاموں کی تعداد جاننے کے لئے دیکھنے اس کتاب کا متعلقہ باب۔ کورنٹھ شہر کے عروج کے زمانے میں وہاں غلاموں کی تعداد 460000 اور اسبجٹ میں 470000 تھی۔ دونوں شہروں میں غلاموں کی تعداد آزاد شہر یوں کی تعداد کے مقابلے میں دس گنا زیادہ تھی۔

5- نیپور پہلا مورخ تھا جو گن نوعیت کے بارے میں کم و بیش صحیح رائے قائم کر رہا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے دتمارن (45) خاندانوں کے بارے میں واقفیت تھی حالانکہ ہمیر کا کئی طریقے سے ان کی نقل کرنے کی وجہ سے اس سے اس نے کئی غلطیاں بھی کر ڈالیں۔

6- لاسال کی کتاب "اکتسابی حقوق کا نظام" کے دوسرے حصے میں اس رائے سے بحث کی گئی ہے کہ روم کا وصیت نامہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا خود روم۔ وہ لکھتا ہے کہ روم کی تاریخ میں "ایسا کوئی زمانہ نہیں رہا جب وصیت نامے نہ رہے ہوں" بلکہ وصیت نامے ماقبل رومی زمانے میں مردوں کی پرستش کا نتیجہ ہیں۔ پرانے مکتب کے پکے ہیگل والوں کی طرح لاسال نے رومن قانون کی دفعات کی بنیاد، رومیوں کے سماجی حالات کو نہیں بنایا بلکہ ارادے کے "نظری تصور" کو قرار دیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس غیر تاریخی خیال کا حامی بن گیا۔ لیکن یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ اسی کتاب میں اسی نظری تصور کی بنیاد پر یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ رومی وراثت کے نظام میں جائیداد کا منتقل ہونا ایک ثانوی حیثیت کی چیز ہے۔ لاسال نہ صرف رومی قانون سازی کی خوش فہمیوں پر عقیدہ رکھتا ہے اور خاص کر پہلے کے زمانے کے ماہرین قانون کی خوش فہمیوں پر، بلکہ اس معاملے میں وہ ان سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔

7- شروع میں میرا ارادہ تھا کہ تمدن کی جو شاندار تنقید فورے کی تصنیفات میں بکھری پڑی ہے، اسے میں مارگن کی اور اپنی تنقید کے ساتھ ساتھ پیش کروں۔ لیکن بد قسمتی سے میں اس کے لئے وقت نہیں نکال سکتا۔ میں صرف یہی کہنا چاہتا ہوں کہ فورے اسی وقت سے ایک زونگی اور زمین کی ملکیت کو تمدن کی اصلی خصوصیت مانتا تھا اور اس نے تمدن کو غریبوں کے خلاف امیروں کی جنگ سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی تصنیفوں میں اس حقیقت کو بھی گہرائی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ اس طرح کے سبھی نامکمل سماجوں میں جن میں باہمی متضاد مفادوں کی بدولت پھوٹ پڑ چکی ہے، الگ الگ خاندان (les familles incoherentes) اقتصادی اکائی ہوتے ہیں۔

8- مزید ملاحظہ ہو "مارکس اور اینگلس کی دستاویزات" جلد 9، صفحات 57-56- (ایڈیٹر)

تشریحی نوٹ

1- "خاندان، ذاتی ملکیت اور ریاست کا آغاز" یہ کتاب مارکس ازم کی بنیادی تصنیفوں میں شمار ہوتی ہے۔ اینگلز نے اس تحریر میں علمی تجزیہ کر کے دکھایا ہے کہ انسان ترقی اور نشوونما کے کن کن مرحلوں سے گزر کر یہاں تک پہنچا، بالکل شروع کی سماجی حالت کیا تھی، اس کا ڈھانچہ پھیلتے پھیلتے کیونکر وہ ایسے طبقاتی سماج میں ڈھل گیا جس کی جڑ بنیاد ذاتی ملکیت پر ہے، طبقات میں بٹے ہوئے اس سماج کی کیا خاصیتیں اور خصوصیتیں ہیں، مختلف سماجی معاشی بناؤں میں خاندانی رشتوں سے کیا کیا رنگ اختیار کئے، ریاست کی شروعات کیسے ہوئی اور اس کی اصلیت کیا ہے، ان تمام مرحلوں کو وضاحت کے ساتھ پیش کر کے اینگلز نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ بے طبقہ کمیونسٹ سماج کو فیصلہ کن فتح حاصل ہوتے ہی ریاست کا دم توڑ دینا تاریخ کی طرف سے مقدر ہو چکا ہے۔

یہ کتاب اینگلز نے اختتام مارچ 1884 سے اختتام مئی تک کے دو مہینوں میں لکھ کر تمام کر دی تھی۔ مارکس کے انتقال کے بعد ان کے مسودوں کی چھان بین کرتے وقت اینگلز کو ترقی پسند امریکی عالم مارگن کی تصنیف "قدیم سماج" کا تفصیلی خلاصہ ملا جسے مارکس نے 81- 1880 میں ترتیب دیا تھا اور اس پر جا بجا حاشیے اور تنقیدی نوٹ بڑھائے تھے۔ اس کے علاوہ مارکس نے دوسرے ذرائع اور تحقیقات سے بھی کام لیا تھا۔ اینگلز نے جب یہ خلاصہ پڑھا اور دیکھ لیا کہ انسانی تاریخ کا جو مادی تصور ان دونوں نے قائم کیا تھا اور بالکل ابتدائی سماج کے متعلق جو نظریے بنائے تھے، ان کو مارگن کی تحقیقات سے تائید ملتی ہے تو اس نے ضروری سمجھا کہ خاس اس موضوع پر ایک تصنیف ہونی چاہیے، جس میں مارکس کے حاشیوں اور تنقیدوں سے پوری طرح مدد لی جائے اور خود مارگن کی کتاب میں جو علمی تحقیقاتی مواد موجود ہے، جو نتیجے نکالے گئے ہیں، ان میں سے بھی بعض کو کام میں لایا جائے۔ اینگلز کی نظر میں یہ کام "ایک حد تک مارکس کی وصیت کی تعمیل کرنا تھا۔ اینگلز نے اس موضوع پر قلم اٹھایا تو یونان اور روم کی تاریخ پر، قدیم آئرلینڈ، قدیم جرمنوں وغیرہ کی تاریخ پر جتنی تحقیقات وہ خود کر چکا تھا، اس کا بے شمار مواد اور طرح طرح کے علمی نکات بھی اسی میں ملا لئے (ملاحظہ ہوا اینگلز کا مضمون "مارکس"، "قدیم جرمنوں کی تاریخ" اور "فرینکوں کا دور" والے مضامین)۔

بالکل ابتدائی سماج کی تاریخ کے متعلق اینگلز کے پاس اتنا کچھ علمی سرسوسان جمع ہو چکا تھا کہ 1890 میں اس نے اپنی کتاب کے چوتھے ایڈیشن کو نئے اضافوں کے ساتھ شائع کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ اس عرصے میں نئی تحریریں بھی اس کی نظر سے گزریں، خاص کر روسی عالم کولیفسکی کی علمی تحقیقات۔ تیاری کے دوران اینگلز

نے پہلے ایڈیشن کی عبارت میں جا بجا ترمیمیں اور اضافے کر دیئے، خاص کر خاندان والے بات میں بہت کچھ تازہ معلومات بھی بڑھادیں۔

یہ چوتھا ایڈیشن اشٹوٹ گارٹ سے 1891 کے آخر میں شائع ہوا اور اس کے بعد ترمیم و اضافے کی نوبت نہیں آئی۔

2- "Contemporanul" ("معاصر") - شترا کی خیالات کا ایک رسالہ جو رومانیائی زبان میں یاسی کے مقام سے 1881 سے 1890 تک نکلتا رہا۔

3- اینگلز نے 1888 کے اگست ستمبر میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کناڈا کا سفر کیا تھا۔

4- دائیگنگ - اسکیٹڈی نیویا کے ان بحری قزاقوں اور سمندری غوطہ ماروں کا مشہور لقب جو آٹھویں سے گیارہویں صدی کے وسط تک سمندر میں اور یورپ کے ساحلوں پر باقاعدہ حملے کر کے لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ بحر اوقیانوس پار کر کے انہوں نے امریکہ تک غارت گری جاری رکھی۔

5- مارکس کا یہ خط ہم تک نہیں پہنچا۔ اینگلز نے 11 اپریل 1884 کو کاؤسکی کے نام جو خط لکھا ہے وہاں اس کا ذکر ہے۔

6- یہاں اشارہ ہے مشہور نغمہ نگار و گنر کے اوپیرا "نی بیلوگنگ کا گیت" کی بنیاد پر ترتیب دیا تھا۔

7- "ایڈا" اور "آگسدریکا" - ان داستانوں، طلسمی افسانوں اور گیتوں کا مجموعہ جو اسکیٹڈی نیویا والوں میں مقبول تھے۔

8- اسکیٹڈی نیویا کی دیومالا میں دیوتاؤں کے دو گروہ بتائے جاتے ہیں "آسا اور وانا" - اینگلنگنگ کی رزمیہ داستان - ناروے کے شاہنامے کی کتاب اول "زمانہ قدیم سے 12 ویں صدی تک) آکس لینڈ کے شاعر اسنوری استورلوسن کی تصنیف ہے۔

9- یہاں ذکر ہے شادی بیاہ کے ان طبقوں یا گروہوں کا جن میں آسٹریلیا کے زیادہ تر قبیلے بٹے ہوئے تھے - ایک گروہ کے مرد دوسری جاتی کے کسی خاص مقررہ گوت میں ہی شادی بیاہ کر سکتے تھے اور قبیلے میں اس قسم کے چار سے آٹھ تک گوت ہوا کرتے تھے۔

10- Saturnalia - روم قدیم میں مریخ (Saturn) دیوتا کا سالانہ میلہ جو کھیتوں کی کٹائی بوائی سے فرصت پانے کے بعد دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔ میلے کے دنوں میں عورتوں مردوں کو سب طرح کی پوری آزادی ہوتی تھی۔ اسی لئے "ساترنالی" لفظ کے معنی ہی ہو گئے رنگ رلیاں منانے کی پوری چھوٹ۔

11- حوالے کے لئے ملاحظہ ہو مارگن کی کتاب "Ancient Society" ("قدیم سماج") لندن

1877 صفحات 465.466 اس کے علاوہ "مارکس اور اینگلس کی دستاویزات" جلد 9 صفحہ 29-

12 - مارگن کی اسی کتاب کا صفحہ 470 اور دوسرے حوالے کا صفحہ 31-

13 - یہاں روسی عالم کولینسکی کی تصنیف "بالکل ابتدائی حقوق، حصہ اول گن، قرابت داری۔" ماسکو، 1886 کا حوالہ ہے جس نے روس میں خاندانی برادری کے سلسلے میں اردانسکی (1875) اور اٹیمکو (1878) کے جمع کئے ہوئے بیانات پر اپنے بیان کی بنیاد رکھی ہے۔

14 - یاروسلاف کے "پراود" کا مطلب ہے "روسی پراودا" کی سب سے پرانی اشاعت کا پہلا حصہ۔ یہ روسی قدیم کے قوانین کا مجموعہ ہے جس میں گیارہویں بارہویں صدی کے وہ روسی قانون جمع کئے گئے ہیں جو اس زمانے میں رواج عام میں تھے اور جن سے تپ کی معاشی اور جماعتی زندگی کی ایک جھلک ملتی ہے۔

دال میشین قوانین۔ یہ قوانین کا مجموعہ جو 15 ویں سے 17 صدی تک پولیٹز (دال میشیہ کے ایک علاقے) میں رائج تھا۔ یہ کتاب "politz Statue" کے نام سے مشہور ہے۔

15 - Calpullis۔ جب اسپین والوں نے میکسیکو فتح کیا تو وہاں کے ریڈ انڈینوں میں ایسی خاندانی برادریاں قائم تھیں۔ ایک مورث اعلیٰ کی اولاد سے جو خاندانی برادری (calpulli) بنتی وہ زمین کے ایک حصے کی مشترکہ مالک ہوتی، بل کر محنت کرتی، نہ اس حق وراثت سے کسی کو بے دخل کیا جاسکتا تھا، نہ اس کی تقسیم کی جاتی تھی۔

16 - Das Ausland. ("بدلیس")۔ یہ ایک جرمن رسالہ تھا جس میں جغرافیہ، علم الاقوام اور نیچرل سائنس کے مضامین نکلتے تھے۔ 1828 سے 1893 تک نکلتا رہا۔ 1873 سے اسٹوٹ گارٹ مقام اشاعت بن گیا۔

17 - ضابطہ دیوانی (Civil Code) کی دفعہ 230 کی طرف اشارہ ہے۔

18 - اسپارٹیٹس (Spartiates 0)۔ قدیم اسپارٹا کے پورے شہرے حقوق رکھنے والے۔ ایلوٹ (Hillots)۔ قدیم اسپارٹا کے وہ شہری، جنہیں حقوق حاصل نہ تھے۔ یہ زمین سے وابستہ تھے اور زمین کے مالک اسپارٹیٹسوں کو آمدنی کا ایک مقررہ حصہ دینے کے پابند۔

19 - اریسطو فینس "عورتیں فیمنوفوری کے تپو ہار میں۔"

20 - ہائروڈیول۔ یونان قدیم اور اس کے ماتحت علاقوں میں مندروں کی خدمت پر مامور رہنے والے غلام اور کنیریں۔ اکثر مقامت پر، خاص کر مشرق قریب کے شہروں میں اور کورنتھ میں یہ کنیریں دیوداسی بن کر عام استعمال کے لئے وقف ہو جاتی تھیں۔

21 - "گدرون"۔ 13 ویں صدی کی جرمن رزمیہ نظم۔

22 - یہاں 1619-21 کی ان جنگوں کی طرف اشارہ ہے جب اسپینی حملہ آوروں نے میکسیکو فتح کیا۔

23- L.H. Morgan. " Ancient Society", London , 1877,p. 115.

24- "غیر جانبدار قوم (Neutral Nations)-17 ویں صدی میں ایری جھیل کے شمالی ساحل پر آباد کئی ریڈانڈین قبیلوں نے، جو ایروکواس لوگوں کے قرابت دار تھے، مل کر ایک جنگی اتحاد قائم کیا تھا۔ فرانسیسی آبادکاروں نے اس اتحاد کو یہ نام اس لئے دیا کہ جب تک ہرون اور ایروکواس قبیلوں میں جنگ چلتی رہی۔ یہ لوگ بالکل غیر جانبدار رہے اور "نیوٹرل" کہلائے۔

25- یہاں مصنف نے زولو قبیلے کی جنگ آزادی کی طرف اشارہ کیا ہے جو 1879 سے 1887 تک انگریزوں آبادکاروں کے مقابلے پر چلتی رہی۔

نو بین والوں، عربوں اور دوسرے سوڈانی قبیلوں نے اپنی زادی کے لئے جو عام بغاوت برپا کی وہ محمد احمد (مہدی سوڈانی) کی سرکردگی میں 1881 سے 1884 تک چلتی رہی۔ اسی شورش کے زمانے میں سوڈان کی ایک باقاعدہ متحدہ ریاست ابھر آئی۔ کئی برس بعد 1899 میں انگریزوں کا بس چلا اور انہوں نے سوڈان فتح کر لیا۔

26- مطلب ہے meteki (غیر ملکی) لوگوں سے جو ایکا میں مستقل طور سے رہ پڑے تھے۔ آزاد رہ کر بھی انہیں امتیاز کے شہری حقوق حاصل نہیں تھے۔ یہ لوگ بیشتر تجارت اور حرفت میں لگے ہوئے تھے، انہیں "سرپرستی" کے نام پر ایک خاص ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔ پورے حقوق رکھنے والے شہریوں کی طرف سے اس سرپرستی کی بدولت وہ انتظامی محکمے تک رسائی پاسکتے تھے۔

27- بارہ جدول والے قانون۔ پانچویں صدی قبل مسیح کے وسط میں یہ قانون بارہ جدولوں پر لکھے ہوئے تھے اور ان کے ذریعے روم قدیم کی آبادی کے مختلف طبقوں کے حقوق مقرر تھے۔ پلے بین (plebeian) آبادی نے پٹریشین (patricians) کے خلاف جنگ کی تو اس کا نتیجہ ان قانونوں کی شکل میں نکلا۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ روم قدیم کے سماج میں صاحب جائیداد، صاحب حیثیت حصہ آبادی، غلامی اور غلام داری ریاست کا اٹھان کیسے ہوا اور جن مرحلوں سے گزرا۔

28- پیونگ جنگ (پیونی جنگیں) روم اور کارٹیج کی قدیم غلام دار بڑی ریاستوں میں جنگی ہوتی ہیں تاکہ بحر روم کے مغربی علاقے میں اپنا اقتدار قائم کیا جائے، نئے علاقے چھینے جائیں اور غلام داری اپنے ہاتھ میں لی جائے۔ دوسری پیونگ جنگ 218 سے 201 ق م تک سترہ سال جاری رہی اور کارٹیج کی مکمل شکست پر تمام ہوئی۔

29- انگریزوں نے ویلز (Wales) پر 1283 میں فتح کر لیا تھا، تاہم اس کی خود مختاری (Autonomy) برقرار رہی۔ 16 ویں صدی کے وسط میں اس علاقے کو پوری طرح انگریزوں میں ملا لیا گیا۔

30- 1869-70 میں اینگلز نے ایک بڑا تصنیفی کام اپنے ہاتھ میں لیا تھا آئر لینڈ کی تاریخ لکھنے کا، لیکن وہ مکمل نہ

ہوسکا۔ کیلٹ نسل کی تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت اینگلو نے قدیم ویلز کے قوانین کی بھی چھان بین کر ڈالی۔

31- مصنف نے یہاں "ویلز کے قدیم دستور قوانین"۔

"Ancient Laws and Institutes of Wales" (" کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ جلد اول،

صفحہ 93، اشاعت 1841-

32- ستمبر 1891 میں اینگلو نے اسکاٹ لینڈ اور آئر لینڈ کی سیاحت کی۔

33- 1745-46 میں پہاڑی جرگوں نے اسکاٹ لینڈ میں شورش برپا کر دی۔ انگلینڈ اور اسکاٹ لینڈ کے

جاگیردار اور بورژوازی اپنے فائدے کے لئے مقامی آبادی کو زمین سے بے دخل کرتے جا رہے تھے۔ یہ اس کے

خلاف غصہ تھا جو پہاڑیوں کی بغاوت کچلی گئی تو اسکاٹ لینڈ کے پہاڑیوں میں جرگوں کا نظام بھی ٹوٹ پھوٹ کر

برابر ہو گیا اور زمین پر خاندان کی پشتینی مشترکہ ملکیت بچے کچھے آثار منادائے گئے۔ اسکاٹ کسان کی زمین سے بے

دغلی کی رفتار تیز ہو گئی، گن کی عدالت منسوخ کر دی گئی اور بعض پشتینی رواجوں کی ممانعت ہو گئی۔

34- L.H.Morgan."Ancient Soceity", London, 1877, p.357-358.

35- "المانی قانون"۔ جرمنی میں المانی قبیلوں کی اس متحدہ تنظیم کے قوانین کا مجموعہ جو پانچویں صدی سے آجکل

کے الٹراس علاقے، مشرقی سوئٹزر لینڈ، اور جنوب مغربی جرمنی کے علاقوں پر حاوی تھا۔ یہ قوانین چھٹی صدی کے

آخر اور ساتویں صدی کے اول اور آٹھویں صدی کے زمانے میں رائج تھے۔ یہاں اینگلو نے اس کی دفعہ 81 کا

حوالہ دیا ہے۔

36- "ہلدے براند کا گیت"۔ آٹھویں صدی کی قدیم رزمیہ جرمن شاعری کی باقیات میں سے ہے جو نامکمل

صورت میں صرف ٹکڑوں میں محفوظ رہ گئی ہے۔

37- جرمن اور گال قبیلوں سوی لیس کی رہنمائی میں روم کے اقتدار کے خلاف 69-70 میں (اور بعض تاریخوں

کے مطابق 69-71 میں) بغاوت کی تھی جو گال کے بیشتر حصوں میں اور روم کے ماتحت جرمن صوبوں میں آگ کی

طرہ پھیل گئی۔ اندیشہ تھا کہ یہ علاقے سلطنت روم کے ہاتھ سے نکل جائیں گے، لیکن باغیوں کو شکست ہوئی اور

انہیں مجبور ہو کر روم سے صلح کرنی پڑی۔

38- "Codex Laureshamensis"۔ لارش خانقاہ کے خاص حقوق اور وقف ناموں کی نقلوں کا

مجموعہ جو بارہویں صدی میں ترتیب کیا گیا۔ یہ آٹھویں نوویں صدی میں کاشتکاری اور زمینداری کی تاریخ معلوم

کرنے کے لئے نہایت کارآمد تاریخی دستاویز ہے۔

39- اینگلو کا مطلب یہاں جرمن قوم کی مقدس رومن شہنشاہیت سے ہے جو 962 میں قائم ہوئی تھی۔ اٹلی کے

ایک حصے اور جرمنی کے تمام علاقے پر پھیلی ہوئی تھی۔ آگے چل کر اسی سلطنت میں سرزمین فرانس کا کچھ حصہ، چیک، آسٹریا، نیدرلینڈ، سویٹزرلینڈ اور دوسرے ملک بھی شامل ہو گئے۔ یہ شہنشاہیت باقاعدہ کوئی مرکزی ریاست نہ تھی بلکہ الگ الگ رجواڑوں اور آزاد شہروں کا ڈھیلا سا جوڑ تھا، جو شہنشاہ کے اعلیٰ اختیار کو زبانی تسلیم کرتے تھے۔ 1806 میں جب فرانس کے مقابلے میں جرمن شاہی خاندان گامبورگ کو شکست ہوئی اور انہیں مجبور ہر کر مقدس رومن سلطنت کی شہنشاہی سے انکار کرنا پڑا تو اس سلطنت کا وجود ختم ہو گیا۔

40- بنی فیس (beneficium) یا جمن حیات معافی کی زمین۔ آٹھویں صدی کے اول نصف میں اس کا عام رواج تھا کہ فرینک سرکار کی طرف سے کاشتکاروں سمیت زندگی بھر استعمال کے لئے زمینیں جاگیریں دی جاتی تھیں اور اس کے عوض انہیں کوئی مقررہ سرکاری خدمت، اکثر فوجی خدمت انجام دینی ہوتی تھی۔ جمن حیات معافی کی زمینوں کے اس دستور سے زمینیں موروثی ہوتی چلی گئیں، جاگیرداروں، خصوصاً چھوٹے اور درمیانی امیروں اور درباریوں کا طبقہ ابھرا، عام کسانوں کی زرعی غلامی بڑھی، پشتینی کسان غلامی اور پشتینی امارت کے طبقے الگ الگ بن گئے۔

41- گاؤ کا نٹ (Gaugrafen)۔ فرینک ریاست میں خاص شاہی منصب دار، جنہیں صوبہ دار یا سپرد ہوتی تھیں۔ وہ کچھری بھی کرتے تھے، ٹیکس بھی اگھاتے تھے اور مقررہ فوج بھی وقت ضرورت کے لئے تیار رکھتے تھے۔ اس خدمت کے عوض انہیں اس صوبے کے شاہی محاصل میں سے ایک تہائی اور انعام کی خاص جاگیر بادشاہ کی طرف دی جاتی تھی۔ شروع میں بادشاہ کی طرف سے ان کا تقرر ہوتا رہا، پھر رفتہ رفتہ وہ منصب داروں سے والیان ریاست بن بیٹھے اور اختیارات خود سنبھالنے لگے۔ 877 کے بعد سے، جب کاؤنٹ کا باقاعدہ موروثی عہدہ مان لیا گیا تو وہ بالکل ہی اپنی اپنی علاقوں کے مختار کل ہو گئے۔

42- انکارے۔ سلطنت روما کی طرف سے باشندے پابند تھے کہ وہ سرکاری بار برداری کے لئے گھوڑے اور قلی کی بیگار بھرا کریں۔ آگے چل کے یہ سرکاری بیگار پھیلنے پھیلنے رعایا پر بھاری بوجھ بن گئی۔

43- "سرپرستی" (commendation)۔ یورپ میں آٹھویں نویں صدی سے یہ عام رواج تھا کہ کسان چند مقررہ شرائط پر (مثلاً فوجی خدمات، بجالانے، عارضی طور پر قطعہ اراضی رہن رکھوانے کے عوض) بڑے جاگیردار کی "سرپرستی" میں آجاتا تھا، بڑے کی "سرپرستی" میں رہنے والے کی قانونی حیثیت کو commendations (patonage) کہتے تھے۔ اکثر کسانوں کو یہ مجبوری اس "سرپرستی" کا سہارا لینا پڑتا، وہ بڑے جاگیرداروں کے شکنجے میں پڑتے جاتے تھے۔ اس طرح غلامی درغلامی کی بدولت جاگیرداری بندھن مضبوط ہوتے چلے گئے۔

44- 1066 میں ہسٹینگز کی لڑائی۔ نارمنڈی کے والی ریاست ولہلم کی فوج نے انگلینڈ میں اتر کرائنگلو سیکسن فوج

سے جنگ کی (1066)۔ اینگلو سیکسوں کی فوج تنظیم میں پرانے وقتوں کا برادری ڈھنگ اور دقیانوسی قسم کے ہتھیار چلے آتے تھے، وہ اس لڑائی میں بری طرح شکست کھا گئے، ان کا بادشاہ ہارولد میدان جنگ میں کام آیا۔ وہ ہم انگلینڈ کا بادشاہ بنا اور ولہلم اول فاتح (ولیم فرسٹ دی وکٹر) کے نام سے تخت و تاج سنبھالا۔

45۔ دتمارش (Dithmarschen)۔ آج کل کے شلیز وگ گوٹشٹین کے جنوب مغرب کا ضلع تھا۔ قدیم زمانے میں یہاں سیکسن نسل کے لوگ آباد تھے۔ آٹھویں صدی میں شارلی مین (Charlemagne) نے اسے فتح کیا۔ بعد میں کبھی گرجاؤں کی جاگیر میں رہا، کبھی امیروں کی 12 ویں صدی کے وسط سے دتمارش آبادی نے، جس میں زیادہ تر آزاد کسان شامل تھے، رفتہ رفتہ خود مختاری کی طرف قدم بڑھایا۔ اور 13 ویں صدی کے شروع سے 16 ویں صدی کے وسط تک انہوں نے عملی طور پر آزادی حاصل کر لی۔ اس زمانے میں دتمارش کے علاقے میں کسانوں کی ایسی برادریاں آباد تھیں جو اپنے معاملات کی آپ مختار ہوں۔ ان برادریوں کی بنیاد اکثر حالتوں میں کسانوں کی وہی پرانی موروثی قرابت داری تھی 14 ویں صدی تک دتمارش میں اختیار اعلیٰ تمام کا زاد زمینداروں کی پچائیت کے ہاتھ رہتا تھا۔ پھر پچائیت کی جگہ تین پنے ہوئے پچوں نے لے لی۔ 1559 میں ڈچ بادشاہ فریڈرک دوم کی فوج نے اور گوٹشٹین کے والیان ریاست یوگان اور ایڈولف نے مل کر دتمارش پر چڑھائی کی، اس کی قوت مقابلے توڑ ڈالی اور یہ ضلع فاتحوں نے آپس میں تقسیم کر لیا۔ اس کے بوجہ دتمارش ضلع میں برادری کا نظام، اور کسی حد تک اپنے معاملات خود فیصل کرنے کا چلن 19 ویں صدی کے دوسرے نصف تک چلتا رہا۔

46۔ ملاحظہ ہو فلسفی ہیگل کی تصنیف "فلسفہ حقوق کی بنیادیں"۔

ناموں کا اشاریہ

الف

آردشیر (Artaxerxes)۔ اجمید شاہی خاندان کے تین ایرانی بادشاہوں کا نام۔

ارسطو (Aristides) (تقریباً 540 سے 567 ق۔ م۔)۔ قدیم یونان کا مدبر اور سپہ سالار۔

ارسطو (Aristotle) (384 سے 322 ق۔ م۔)۔ قدیم یونانی فلسفی۔ آکڈیلزم اور مادیت کے نظریات کے

درمیان مذہب رہا۔ آقاؤں کے طبقے کا ترجمان۔

ارسطونس (Ariston) (چھٹی صدی ق۔م۔)۔ اسپارٹا کا بادشاہ تھا (574 سے 520 ق۔م۔ تک۔
9۔ ائلسنڈریڈس اور وہ بیک وقت حکمراں تھے۔

ارسطوفینس (aristophanes) (446 سے تقریباً 385 ق۔م۔)۔ قدیم یونانی ڈرامہ نگار۔ سیاسی
موضوعات پر اس نے کئی طنزیہ طرہ سے لکھے تھے۔

اسپیناس (Espinas)، الفریدو کٹر (1844-1922)۔ فرانسیسی فلسفی اور ماہر عمرانیات۔ ارتقا کے نظریے کا
حامی۔

اسکاٹ (Scott)، والٹر (1771)۔ (1832)۔ انگریز کا مشہور ناول نگار۔

اگاسیز (Agassiz)، لوئی ژاں رودولف (1807 سے 1873)۔ سوئزر لینڈ کا باشندہ۔ اس نے علم حیوانات،
ارضیات اور معدوم شدہ حیوانات کے فن پر کئی کتابیں لکھیں۔ وہ اس خیال کا حامی تھا کہ دنیا خدا کی تخلیق ہے اور
حادثے غیب سے نازل ہوتے ہیں۔

آگسٹس (Augustus) (630 ق۔م۔ سے 14 عیسوی تک)۔ پہلا رومی شہنشاہ۔

الفیلا (Ulfila or Wulfila) (تقریباً 311 سے 383)۔ مغربی گوتھوں کا عیسائی رہبر۔ اس نے گوتھ لوگوں کو
عیسائی بنایا۔ گوتھ حروف تہجی کا بانی اور انجیل کا گوتھ زبان میں مترجم۔

امیانس مارسلینس (ammianus Marcellinus) (تقریباً 332 سے 400 تک)۔ روم کے زوال
کے دور میں رومی تاریخ کا مصنف۔

اناکریون (Amareon) (چھٹی صدی ق۔م۔ کے وسط کا زمانہ)۔ قدیم یونان کا عشقیہ شاعر۔

انکسندر ریڈس (Anaxandridas) (چھٹی صدی ق۔م۔ 9۔ 560 ق۔م۔ سے اسپارٹا کا بادشاہ۔ ارسطونس
اور وہ بیک وقت حکمراں تھے۔

اودواکر (Odoacer) (تقریباً 434 سے 493)۔ جرمن فوجی رہنما، جس نے 476 میں روم شہنشاہ کا تختہ
الٹ دیا اور اٹلی کی سرزمین پر پہلی "بربری" سلطنت کا بادشاہ بن بیٹھا۔

اپینس کلوڈیئس (appius claudius) (5 ویں صدی قبل مسیح)۔ رومی مدبر۔ روایت۔ کہ وہ جو بارہ جدول
والے قوانین کہے جاتے ہیں، ان کے مصنفوں میں ایک یہ بھی تھا۔

ایریمینان (Irminon) (سال انتقال تقریباً 826 عیسوی) خانقاہ سین ژرمن دی پریے کا ایسے (817-812)۔

ایسکلیس (Aeschylus) (525 سے 456 ق۔م۔ تک)۔ قدیم یونانی ڈرامہ نگار۔

اینگلز (Engels)، فریڈرک (1820 سے 1895)۔

ب

باخوفن (Bachofen) یوگان یا کب (1815 سے 1887)۔ سوئزر لینڈ کا ماہر قانون اور منورخ۔ بازل میں رومن قانون کا پروفیسر تھا۔ کتاب "مادری حقوق" کا مصنف۔

بسمرک (Bismarck)، اوٹو (1815 سے 1898)۔ جرمن پرنس۔ ریاستی معاملات میں نمایاں، پروشیا اور جرمنی کی طرف سے غیر ملکی تعلقات میں سرگرم۔ پروشیا کے تعلقہ داروں کا نمائندہ جو وہاں 1862 سے 1871 تک منسٹر پریسڈنٹ تھا۔ بعد میں 1871 سے 1890 تک جرمن سلطنت کا ریخ چانسلر (صدر) رہا۔

بگے (Bugge)، ایزویوس سوفوس (1833 سے 1907)۔ ناروے کا باشندہ جس نے قدیم اسکیٹڈی نیویا کے زبان، داستان اور ادب پر تبصرہ اور تحقیق کا کام کیا ہے۔

بلائر ودر (Bleichroder) گرساں (1822 سے 1893)۔ برلن میں جرمن بینک کا صدر، پروشیا کی حکومت کے مالی معاملات میں حصہ لیتا تھا اور بسمارک کا مشیر مال اور بینکر تھا۔

بیڈے "تقدس ماب" (Bede the Venerable) (تقریباً 673 سے 735 تک)۔ اینگلوسیکسن عالم اور راہب جس نے تاریخ لکھی ہے۔

بیکر (Becker)، ولہلم ادولف (1796 سے 1846)۔ جرمن منورخ، لپزیگ میں کلاسیکی آثار قدیمہ کا پروفیسر تھا۔

بینکرافٹ (Bancroft)، ہیو برٹ ہاؤ (1832 سے 1918)۔ امریکی ماہر علم الاقوام، شمالی امریکہ کے قبیلوں کا محقق۔

بینگ (Bang) انتون کرستیان (1840 سے 1913) ناروے کا مشہور مصنف جس نے اسکیٹڈی نیویا کی فرضی داستانیں جمع کی ہیں اور ناروے میں مسیحیت کی تاریخ لکھی ہے۔

پ

پرسس (Perseus) (212 سے 166 ق۔م)۔ مقدونیہ کا آخری بادشاہ (179 سے 168 ق۔م)۔

پروکوپیس (Procopius) کیساری کا (پانچویں صدی کے آخر میں پیدائش۔ تقریباً 562 انتقال)۔ بازنطینی

منورخ۔ ہیلیسارکس کی مہموں میں شریک تھا جس کی روداد "ایرانیوں" و ہندالوں کو تھوں سے "یونانیوں کی جنگوں کی تاریخ" آٹھ کتابوں میں لکھی ہے۔

پلو تارک (Plutarch) (تقریباً 46 سے تقریباً 125 عیسوی)۔ یونانی مصنف اور معلم اخلاق، آکڈیلیسٹ فلسفی۔

پلینی گائی سکندرس (Plinius gaius Secundus) (23 سے 79 عیسوی)۔ رومن عالم جس نے علم فطرت کی تاریخ پر 37 کتابیں لکھی ہیں۔

پیسٹراتس (Pisistratus) (تقریباً 600 سے 527 ق۔م۔ تک)۔ 560 سے 527 ق۔م۔ تک و قفوں کے ساتھ اتھنز کا جاہل فرماں روا رہا۔

ت

تاسیت (Tacitus) پولی کارنیلی (تقریباً 55 سے تقریباً 120 تک زندہ رہا)۔ روم کا عظیم منورخ، جس کی تصانیف "جرمنی"، "تاریخ" "Annals" مشہور ہیں۔

تھیوڈوریک (Theodorich)۔ تین گوتھک بادشاہوں کا نام۔ دو ویلگوٹھک بادشاہ تھے۔ تھیوڈوریک اول (حکومت کا زمانہ تقریباً 8 1 سے 4 5 1 تک) اور تھیوڈوریک دوم (حکومت کا زمانہ تقریباً 453 سے 466 تک) اوسٹ گوتھک بادشاہ بھی تھیوڈوریک تھا حکومت کا زمانہ 474 سے 526 تک)۔ تھیوسیدیدز (Thycydides) (تقریباً 460 سے تقریباً 395 ق۔م۔ تک)۔ قدیم یونان کا زبردست منورخ جس نے "پیلوپونین جنگ کی تاریخ" لکھی ہے۔

تھیوڈورٹس (Theocritus) (تیسری صدی مسیح) قدیم یونانی شاعر۔

ٹ

ٹارکوئی ٹینس سوپربس (Tarquinius Superbus) (534 سے تقریباً 509 ق۔م۔)۔ قدیم روم کا نهم افسانوی آخری (ساتواں) بادشاہ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ عوامی بغاوت نے اسے جلا وطنی پر مجبور کر دیا تھا۔ بعد میں روم نے ریپبلک کا نظام اختیار کیا۔

ٹائیبریئس (Tiberius) (42 ق۔ م۔ سے 37 عیسوی)۔ روم کا شہنشاہ (37-14)۔
ٹیلر (Tylor)، ایڈورڈ برنیٹ (1832-1917)۔ انگریز ماہر علم الانسان، ابتدائی تہذیب کا منورخ۔

ج

جولیا (Juliuses) رومی شرفا (پیٹریشین) کے ایک گن کا نام۔
دیوانی سیکس، ہیپلی کارنے سس کا (Dionysius of Halicarnassus) (پہلی صدی ق۔ م۔)۔ پہلی
صدی عیسوی)۔ زبردست مقرر اور روم قدیم کا منورخ۔
دیکیارکس (Dicaearchus) (چوتھی صدی ق۔ م۔)۔ قدیم یونانی میورخ سیاست داں اور ماہر جغرافیہ۔
ارسطو کا شاگرد۔
دموستھینز (Demosthenes) (384 سے 322 ق۔ م۔)۔ قدیم یونانی خطیب اور سیاسی معاملات میں
نمایاں شخصیت۔
دیودورس سسلی کا (Diodorus of Sicily) (پہلی صدی ق۔ م۔)۔ قدیم یونانی منورخ۔ مشرق، یونان اور
روم کی تاریخ پر ایک کتاب کا مصنف۔
دیورو دے لہ مال (Dureau de La Malle)، ادولف ڈول سیزر اوگوست
(1777 سے 1857)۔ فرانسیسی منورخ اور شاعر۔

ڈ

ڈارون (Darwin)، چارلس (1809 سے 1882 تک)۔ شہرہ آفاق انگریز سائنس داں، جس نے ارتقائے
وجود کے نظریے کی بنیاد رکھی۔

ر

رائٹ (Wright)، اشیر (آرتھر) (1803 سے 1875)۔ امریکن مشنری۔ 1831 سے 1875 تک ریڈ
انڈین قبیلوں میں زندگی بسر کی اور ان کی زبان کی لغت تیار کی۔

ز

زوریتا (Zurita)، الونسو۔ 16 صدی کے وسط میں سینٹرل امریکہ کی نوآبادیوں میں ہسپانوی عہدہ دار۔

ژ

ژیراٹولوں (Giraud. Teulon)، الیکس (پیدائش 1893)۔ ابتدائی سماج کا منورخ، جینیوا میں پروفیسر۔

س

سالیوانس (Salvianus) (تقریباً 390 سے تقریباً 484 تک)۔ مارسیلز کا پادری اور ادیب، جس نے ایک اہم کتاب تصنیف کی "De gubnatione Dei"۔

سرویئس ٹویئس (Servius Tullius) (578 سے 534 ق۔م)۔ قدیم روم کا بادشاہ جس کے بارے میں روایت ہے کہ چھٹی صدی قبل مسیح میں حکومت کرتا تھا۔

سکندر اعظم (Alexander of Macedon) (الیکساندر مقدونیائی، 356 ق۔م سے 323 ق۔م)۔ یونان کا مشہور سپہ سالار اور صاحب تخت و تاج۔

سوسورے (Saussure)، آنری (1829 سے 1905)۔ سوئٹزر لینڈ کا عالم اور ماہر حیوانات۔

سوغن ہایم (Sugenheim) سینٹول (1811 سے 1877)۔ جرمن بورژوا منورخ۔

سولون (Solon) (تقریباً 638 سے تقریباً 558 ق۔م)۔ ایتھنز کا قانون ساز۔ اس نے عام لوگوں کے دباؤ سے کچھ ایسی اصلاحات کی تھیں جن سے قبائلی اشرافیہ کے اختیارات پر ضرب پڑتی تھی۔

سوی لئس (Civilis) جولی (پہلی صدی عیسوی)۔ جرمن قبیلے بتادین کا رہنما جس میں روما سلطنت کے خلاف جرمن اور گال قبیلوں کی بغاوت کی رہنمائی کی۔

سیزر (Caesar)، گائی جولیس سیزر (زمانہ اندازاً 100 سے 44 ق۔م تک)۔ روم کا شہرہ آفاق سپہ سالار، سیاسی رہنما اور مصنف۔ اس کی تصنیف "گالوں سے جنگ کی روداد" مشہور ہے۔

ش

شارلی مین (Charlemagne) (تقریباً 742 سے 814 عیسوی) - فرینک کا بادشاہ (768 سے 80) شہنشاہ (800 سے 814)۔
شومان (Schwamm)، گیورگ فیڈرک (1793 سے 1879)۔ جرمن، ماہر علم زبان اور مورخ، قدیم یونان کے بارے میں کئی کتابوں کا مصنف۔

ف

فرڈیننڈ پنجم (Ferdinand V) کیٹھولک (1452 سے 1516)۔ کیسٹیل کا بادشاہ (1474)۔ (1504 اور حکمران 1507)۔ (1516 اور فرڈیننڈ دوم کے نام سے آراگاں کا بادشاہ (1479.1516)۔
فری من (Freeman)، ایڈورڈ آگسٹ (1823.1892)۔ انگریز بورژوا آزاد خیال مورخ۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کا پروفیسر۔
فورے (Fourier)، شارل (1772 سے 1837)۔ فرانس کا زبردست یوٹوپائی (قیاسی) سوشلسٹ۔
فوسٹیل دی کولانژے، (Fustel de coulanges)، نو ما دی (1830 سے 1889)۔ عہد قدیم اور وسطی زمانے کی فرانس کی تاریخ کا فرانسیسی مورخ۔
فے بین (Fabiuses)۔ رومی شرفا (پیٹریشین) کے ایک گن کا نام۔
فیسون (Fison)، لاریمر (1832 سے 1907)۔ انگریز پادری جس نے فیجی کے جزیرے اور آسٹریلیا میں مشنری کام کیا۔ آسٹریلیا میں سائنسی تحقیقات کا بانی۔

ک

کلائسٹھینز (Cleisthenes) اتھینز کا مدبر۔ 510.507 ق۔م۔ کے دوران اس نے ایسی اصلاحات کی تھیں جن کا مقصد گن نظام کا خاتمہ اور اتھینز میں غلامی کا نظام قائم کرنا تھا۔
کلوڈیا (Claudia)۔ رومی شرفا (پیٹریشین) کے ایک گن کا نام۔
کوالےفسکی، میکسیم میکسیموویچ (Kovalevsky Maxim Maximovich) (1851 سے 1916)۔ روسی ماہر عمرانیات، مورخ اور قانون دان۔ ابتدائی قبائلی تعلقات کے سلسلے میں اپنی تحقیقات کے لئے مشہور ہے۔
کونوف (Cunov)، ہنریخ ولہلم کارک (1862.1936)۔ جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی میں ترمیمیت کا

ایک نظریاتی رہنما۔ علم الاقوام کا عالم، قدیم سماج کی تاریخ پر کئی کتابوں کا مصنف۔ 1880۔1890 میں مارکسی خیالات کی طرف جھکا لیکن بعد میں انحراف کر گیا۔
کوئیک ٹیلیا۔ رومی شرفا (پیٹریٹیشن) کے ایک گن کا نام۔
کیوئے (Cuvier)، ژورژ (11769.1832)۔ فرانسیسی عالم فطرت، تقابلی تشریح الاجسام اور معدوم شدہ حیوانات کے علم کا بانی۔ تباہ کن حادثوں میں غیبی اشارہ ہونے کا غیر علمی نظریے اسی نے ایجاد کیا تھا۔
کے (Kaye)، جان ولیم (1814 سے 1876)۔ ہندوستان میں انگریزی عہدہ دار۔ اس نے ہندوستان کی قوموں اور قبیلوں کے بارے میں، افغانستان اور ہندوستان میں انگریزی فوجی کارروائیوں اور معرکوں کے متعلق کئی اہم تصنیفیں چھوڑی ہیں۔

گ

گروت (Grote)، جارج (1794 سے 1871)۔ انگریز مورخ۔ اس نے کئی جلدوں میں "تاریخ یونان" لکھی ہے۔
گریگوری ٹورس کا (Gregory of Tours)، گیورگی فلورینٹینی (تقریباً 540 سے تقریباً 594 تک۔ مسیحی پادری، حدیث کا عالم، 573 سے ٹورس کا اسقف۔ "فرینک لوگوں" کا مورخ" معجزوں کی سات کتابوں" کا مصنف۔
گریم (Grimm) یا کب (1775 سے 1873)۔ مشہور جرمن ماہر لسانیات اور تہذیب کا مورخ۔ جرمانوی زبان و ادب میں اس نے تحقیقات کی ہیں۔
گلیڈسٹن (Gladstone)، ولیم ایوارٹ (1809.1898)۔ مشہور انگریز مدبر، 19 ویں صدی کے دوسرے آدھے میں لیبرل پارٹی لیڈر رہا۔ 1852 سے 1866 تک دو بار وزیر مالیا اور پھر 1868 سے 1894 تک وقفوں سے چار بار وزیر اعظم رہا۔
گوئیٹے (Goethe)، یوگان والف گانگ (1749.1832)۔ جرمن زبان کا عظیم شاعر، ادیب اور مفکر۔
گیوس (Gaius) (دوسری صدی عیسوی)۔ رومن عالم قانون۔ اس نے رومن قانون پر چند سب سے ابتدائی کتابیں مرتب کی تھیں۔

ل

لاسال (Lassalle)، فرڈیننڈ (1825 سے 1864)۔ جرمن چھوٹی بورژوازی کا آدمی، مضمون نگار اور وکیل۔ رائن صوبے میں 1848-49 کی جمہوری تحریک میں شریک ہوا۔ 1860 کے بعد والے برسوں میں مزدور تحریک سے مل گیا۔ 1863 میں "کل جرمن مزدور یونین" کی بنیاد ڈالنے والوں میں سے تھا۔ پروشیا کے سائے میں جرمنی کو ملا کر ایک ملک کرنے کی تحریک کا حامی جس نے جرمن مزدور تحریک میں موقع پرستی کی ٹیڑھ پیدا کر دی۔

لانگس (Longus) (تیسری صدی عیسوی کی ابتدا)۔ یونانی مصنف۔

لانگے (Lange)، کرسٹیان کونرولڈوگ (1825 سے 1885)۔ جرمن ماہر لسانیات۔ روم قدیم کی تاریخ پر اس نے بہت کچھ لکھا ہے۔

لوباک (Lubbock)، جان (1834 سے 1913) (1899 میں اسے لارڈ آوری کا خطاب ملا)۔ انگریز حیاتیات کا عالم، ڈارون کا پیرو، لسانیات اور علم آثار قدیمہ کا عالم۔

لوگیان (Lucian) (تقریباً 120 سے تقریباً 180)۔ قدیم یونانی طنزیہ قسم کی کتابوں کا ادیب، دہریہ۔

لیتورنیو (Letourneau)، شارل ژاں ماری (1831 سے 1902)۔ فرانسیسی ماہر عمرانیار اور ماہر علم الاقوام۔
لیتھم (Latham)، رابرٹ گارڈن (1812 سے 1888)۔ انگریز طبیب، لسانیات کا ماہر، علم الاقوام کا عالم، تقابلی علم الاقوام پر متعدد کتابوں کا مصنف۔

لیوتپرانڈ (Liutprand) (تقریباً 922 سے 972)۔ کریموننا (شمالی اٹلی) کا پادری، ازمنہ وسطی کا عالم۔ کتاب "انعام" Recompense کا مصنف۔

لیوی تیتس (Livy Titus) (59 ق۔م۔ سے 17 عیسوی)۔ رومن مؤرخ "روم کی تاریخ" شہر کے آغاز سے "کا مصنف۔"

م

مارکس (Marx) (1818-1883)۔ امریکہ کا مشہور عالم، مورخ، جس نے ابتدائی سماج کی تحقیق کی ہے، مادیت کا قائل۔

مادرر (Maureer) گیورگ لدوگ۔ 1700 سے 1872۔ جرمنی کا ایک مشہور مورخ۔ اس نے قدیم اور

وسطی زمانے کے جرمنی میں سماجی نظام کی تحقیق کی ہے۔
مولیئر (Moliere)، نٹال باتیسٹ - 1622-1673۔ فرانس کا عظیم ڈرامہ نگار۔
مومسن (Mommsen)، تھیوڈور - 1817 سے 1903 جرمن مورخ رومی تاریخ اور رومن قانون کی تاریخ پر
کئی کتابیں لکھی ہیں۔
میکلین (McLennan)، جان فرگوسن - 1872-1881۔ اسکاٹ لینڈ کا بورژوا سائنس داں، پیشہ کے لحاظ
سے وکیل اور مورخ، خاندان اور شادی کے موضوع پر کئی کتابوں کا مصنف ہے۔
مین (Maine)، ہنری جارج سامنیر - 1822 سے 1888 انگریز ماہر قانون اور مورخ قدیم زمانے کے قوانین
کی تحقیقات اور چھان بین کی۔

ن

نپولین اول (Napoleon)، بونا پارٹ 1769-1821۔ فرانسیسی سپہ سالار جو 1804 سے 1814 میں
فرانس کا شہنشاہ رہا۔
نیارکس (Nearchus) چوتھی صدی ق۔ م۔ سکندر اعظم کا رفیق جنگ، بحری بیڑے کا اعلیٰ سردار تھا۔ ہندوستان
کی مہم میں شریک تھا۔ ہندوستان سے میسوپوٹامیا تک سکندر کے معرکوں کا حال اسی نے تفصیل کے ساتھ درج کیا
ہے۔
نیبور (Niebyhr)، ہارٹھلد گیورگ 1776 سے 1831 جرمن مورخ قدیم روم کی تحقیقات کی۔

و

وائٹسن (Watson)، جان فارلس 1872 سے 1892۔ انگریز ڈاکٹر۔ ہندوستان پر انگریزی حکومت عہدے
دار۔ 1858 سے 1879 تک برٹش میوزیم لندن کا ڈائریکٹر رہا۔ اس نے ہندوستان کے بارے میں کئی کتابیں
لکھی ہیں۔
وارس، (Varus) پونٹس کونٹینٹینس (9 عیسوی میں مارا گیا)۔ رومی سیاسی لیڈر اور سپہ سالار۔ جرمنی رومی گورنر
جزل تھا۔ جرمن قبیلوں کی بغاوت کے دنوں میں مارا گیا۔
واکس مٹھ (Wechsmuth)، ارنسٹ ولہلم گوتلب 1784 سے 1886۔ جرمن بورژوا مورخ۔ لپیڈگ میں

پروفیسر تھا۔ قدیم زمانے کے حالات اور یورپ کی تاریخ پر کئی کتابیں لکھیں۔
واگنر (Wagner)، رخادر 1813 سے 1883۔ جرمن نغمہ نگار۔
والفرام فان اشن باخ (Wolfram von eschenbach) تقریباً 1170 - تقریباً 1220 - ازمنہ
وسطی کا جرمن شاعر۔
وسٹر مارک (Westermarck)، ایڈورڈ الکساندر 1862 سے 1939 عمرانیات اور علم الاقوام کا فینی
ماہر۔ ہلسٹنفرس یونیورسٹی میں پروفیسر تھا۔
ویلیدا (Veleda) پہلی صدی عیسوی۔ بروکترین قبیلے کی چہارن اور پینچمبرنی جس نے روما سلطنت کے خلاف
سوی لنس کی رہنمائی میں جرمن اور گال قبیلوں کی بغاوت میں سرگرمی سے شرکت کی۔
ویٹز (Weitz) گیورگ 1813 سے 1886۔ جرمن، بورژوا نظریے سے ازمنہ وسطی کا مورخ۔



ہاوت (Howitt)، الفریڈ ویم 1830 سے 1908 - آسٹریلیا میں علم الانسان کا ماہر جو ایک انگریزی
عہدیدار تھا۔ اس نے آسٹریلیا کے قبائل پر کئی تصانیف چھوڑی ہیں۔
ہشچے (Huschke)، گیورگ فلپ ایڈورڈ 1801 سے 1886۔ جرمن بورژوا عالم قانون۔ رومن قانون پر
کئی کتابوں کا مصنف۔
ہومر (Homer)۔ نیم داستانی قدیم یونانی شاعر "ایلیڈ" اور "اوڈیسی" کا مشہور مصنف۔
ہیروڈ (Herod) 73 سے 4 ق۔ م۔ تک۔ یہودیوں کا بادشاہ 40 سے 4 ق۔ م۔ تک۔
ہیروڈوٹس (Herodotus) تقریباً 425 ق۔ م۔ قدیم یونانی مورخ۔
ہیسلر (Heusler) آندریس 1834 سے 1921 سوئٹزرلینڈ کا بورژوا ماہرین قانون، سوکس اور جرمن قانون پر
کئی کتابوں کا مصنف۔
ہیگل (Hegel)، گیورگ ولہلم فریڈرک 1770 سے 1831 کلاسیکی جرمن فلسفے کی سب سے قد آور
شخصیت، معروضی آئیڈیلٹ۔

ی

یاورسلاف عاقل (jaroslav the wise) 9780 سے 1054 - کلیف کا بادشاہ 1019 سے 1054 تک۔

یوری پیڈیز (euripides) تقریباً 406 ق۔م۔ قدیم یونانی ڈرامہ نگار۔

ادبی اور افسانوی شخصیتیں

انجیل کے مطابق یہودیوں کے پیغمبر اعظم	Abraham	ابراہیم
قدیم یونان کی دیو مالا میں سورج اور روشنی کا دیوتا اور فنون لطیفہ کا سرپرست	Apollo	اپولو
قدیم یونان کی دیو مالا میں آگامنون اور کلینم نسرا کا بیٹا، جس نے اپنی ماں اور اگیس تھس سے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لیا۔ ایسکیلس کے لیے "آرسطیا" کا ہیرو۔	Argonauts	آرٹس
قدیم یونان کی دیو مالا میں آگامنون کی دیو مالا میں "ارگو" جہاز کے ملاح جو یونان سے کوچیڈ اس لئے روانہ ہوئے تھے کہ ستر اون حاصل کریں جس کا محافظ اژدھا تھا۔	Argonauts	ارگونٹ
قدیم یونانی دیو مالا کا سب سے بڑا سورما جس نے ٹرائے کا محاصرہ کیا تھا۔ ہومر کی ڈرامائی نظم "ایلیڈ" کا ایک ہیرو۔	Achilles	اکیلیس

آگاممنون	Agamemnon	قدیم یونانی دیومالا میں آرگوس کا داستانِ بادشاہ۔ ایلید کا ایک کردار۔ ٹرائے کا محاصرہ کرنے والے یونانیوں کا سردار۔ ایسکلپس کے لکھے ہوئے ایلیے آرسطیا کا اہم کردار۔
آگیس تھس	Aegisthus	قدیم یونانی دیومالا میں کلینم نسترا کا عاشق، جس نے آگاممنون کو قتل کرنے میں حصہ لیا تھا۔ ایسکلپس کے لکھے ہوئے ایلیے آرسطیا کے پہلے اور دوسرے حصوں کا اہم کردار
آلتھیا	Althea	قدیم یونانی دیومالا میں تھیسٹس کی لڑکی اور میلیا گیر کی ماں
اوناناروے کی	Norwegian	قدیم جرمن عوامی رزمیہ نظم اور ازمنہ وسطیٰ کی نظم گدرن کی ہیروئن۔
	Ute	
اوڈیسیس	Odyssey	ہومر کی رزمیہ نظموں ایلید اور اوڈیسی کا ہیرو۔ اتھا کا جزیرے کا پراسرار بادشاہ، ٹرائے کی جنگ میں یونان کی فوج کا ایک بہادر، چالاک اور خوش بیان سالار۔
ایتریل	Etzel	قدیم جرمن رزمیہ شاعری اور ازمنہ وسطیٰ کی نظم ٹیلوگ کا ہیرو اور ہنوں کا بادشاہ۔
اتھنہ پلاس	A t h e n e	قدیم یونان کی دیومالا میں ایک اہم دیوی۔ جنگ کی دیوی، دانش کا نشان اور انتہائی سرپرست۔
ایرینیس	Erinyes	قدیم یونانی دیومالا میں وہ دیویاں جو گناہوں کی سزا دینے کے لئے بھیجی جاتی تھیں۔ اور جن کے بالوں کے جگہ سانپ ہوتے تھے۔
الفروڈائی	Aphrodite	قدیم یونانی دیومالا میں عشق اور حسن کی دیوی۔
ایومائیس	Eumaeus	ہومر کی رزمیہ نظم اوڈیسی کا ایک کردار۔ اتھا کا جزیرے کے بادشاہ اوڈیسیس کے سو ماؤں کی دیکھ بھال کرنے والا۔ وہ بادشاہ کی طویل جلاوطنی میں اس کا وفادار رہا۔
برون ہلدا	Brunhilda	قدیم جرمن رزمیہ شاعری اور ازمنہ وسطیٰ کی نظم نی بیلوگ کا گیت کی ہیروئن۔ آکس لینڈ کی ملکہ اور بعد میں برگنڈیوں کے شاہ گلتھر کی بیوی۔

قدیم یونانی دیومالا میں بادشاهی کے دیوتا بورے آس اور شاہ ایتھنز کی بیٹی اور تھائیا کی اولاد۔	Boreads	بورینڈ
قدیم یونانی دیومالا میں تھیبز کے بادشاہ ایڈیپس کا بیٹا۔ اپنے بھائی ایتھو کلیو کے ساتھ سلطنت میں حصے دار تھا۔ ڈوئل میں بھائی کو مار ڈالا لیکن خود بھی بھائی کے ہاتھوں مارا گیا۔ اسیکلس نے اپنے لیے "تھیبز کے خلاف سات" میں یہ قصہ بیان کیا ہے۔	Polynices	پولینیسس
قدیم یونانی دیومالا کے مطابق ایتھو لیا میں پلپورون کا مشہور حکمران۔	Thestius	تھیسٹیوس
قدیم یونانی دیومالا کا اہم ہیرو۔ ریاست ایتھنز کا بانی	Theseus	تھیسس
قدیم یونان کی دیومالا میں ایک ہیرو جس نے ٹرائے کی جنگ میں حصہ لیا۔	Telamon	تیلامون
ہومر کی رزمیہ نظم "اوڈیسی" کا ہیرو، اٹھا کا جزیرے کے فرمانروا اوڈیسیس کا بیٹا۔	Telemachus	تیلی ماکس
ہومر کی رزمیہ نظم "ایلیڈ" کا ہیرو جس نے ٹرائے کی جنگ میں حصہ لیا۔	Teucer	تیوکراس
لائگس کے قدیم یونانی ناول "دافنی اور کلونی" کا ہیرو	Daphnis	دافنی
ہومر کی رزمیہ "اوڈیسی" کا ایک کردار، پراسرار بادشاہ الکیئوس کے دربار کا اندھا بھٹا۔	Demodocus	دیمودوکس
جارج مولیئر کی طرح "جارج دینن" کا خاص کردار۔ ایک بے وقوف مالدار کسان کو چالاکی سے دھوکا دے کر ایک شکستہ حال لیکن شرفا سے تعلق رکھنے والی عورت اس سے شادی کر لیتی ہے۔ یہ ہے اس کی کہانی۔	Dandin	دینن
قدیم یونان کی دیومالا میں سب سے بڑا دیوتا۔	Romulus	رومولس
قدیم اسکینڈینیویا کی دیومالا میں بجلی کی گرج کے دیوتا تھور کی بیوی۔	Sif	سف
قدیم اسکینڈینیویا کی رزمیہ نظم "ایلیڈ رائڈا" کی ایک ہیروئن۔	Seigfried	سگفرید
قدیم جرمن رزمیہ نظم اور ازمنہ وسطیٰ کی نظم "نی بیلوگ گایت" کا ایک ہیرو۔		

سگفر یڈمورلینڈ Siegfried of Moorland	قدیم جرمن رزمیہ نظم اور تیرہویں صدی کی عظیم نظم " گدرون " کا ہیرو۔ گدرون کا ناکام دو لہا۔
سکیبانٹ Sigebant of Ireland	قدیم جرمن رزمیہ نظم اور ازمنہ وسطیٰ کی عوامی نظم " گدرون " کا ہیرو اور آئر لینڈ کا بادشاہ۔
فرے یا Freya	قدیم اسکیٹندی نیویا کی دیو مالا میں بار آوری اور محبت کی دیوی۔ قدیم اسکیٹندی نیویا کی رزمیہ نظم " ایلڈرا ایڈا " Elder Edda میں اپنے بھائی فریز کی بیوی۔
فینینس phineus	قدیم یونان کی دیو مالا میں ٹائینا پیغمبر، جس نے اپنی دوسری بیوی کے اکسانے پر اپنی پہلی بیوی کلیوپٹرا اورے آس کی بیٹی کی اولاد کو جسمانی اذیتیں پہنچائیں۔ دیوتاؤں نے اسے سزا دی۔
کریم بلدا Kriemhild	قدیم جرمن رزمیہ نظم اور ازمنہ وسطیٰ کی نظم " نی بیلونگ کا گیت " کی ہیروئن، برگنڈیوں کے بادشاہ گنتھر کی بہن، سگفر یڈ کی منگیترا اور بیوی، اس کی وفات کے بعد بھٹوں کے بادشاہ ایتریل کی بیگم۔
کلونی Chloe	لائگس (دوسری اور تیسری صدی عیسوی) کے قدیم یونانی ناول "دافنی اور کلونی" کی ہیروئن۔ بیمار عشق گڈرنی۔
کلیمنسترا Clytemnestra	آگاممنون کی بیوی۔
کلیوپٹرا Cleopatra	قدیم یونان کی دیو مالا میں بادشاہی کے دیوتا اورے آس کی بیٹی
کیسندرا Cassandra	قدیم یونان کی دیو مالا میں پیغمبرنی، شاہ ٹرائے پری آم کی بیٹی جو ٹرائے کی شکست کے بعد آگاممنون کی لوٹدی بنالی گئی۔ اسکلیس کے لیے " آگاممنون " کا ایک کردار۔
گدرون Gudrun	قدیم جرمن رزمیہ نظم اور تیرہویں صدی کی عظیم نظم " گدرون " کی ہیروئن۔ ہیگلوگوں کے بادشاہ ہینیل اور آئر لینڈ کی بلدا کی بیٹی۔ سیلینڈ کے ہروگ کی منگیترا۔ اسے اور مانی کے ہارتموت نے تیرہ سال قید میں رکھا لیکن شادی کرنے میں ناکام رہا۔ آخر میں ہروگ نے اسے رہا کر لیا اور وہ اس کی بیوی بن گئی۔

قدیم جرمن رزمیہ شاعری اور ازمنہ وسطیٰ کی نظم "نی بیلوگگ کا گیت" کا ہیرو، برگنڈیوں کا بادشاہ۔	Gunther	گنٹھر
قدیم یونانی دیو مالا میں نوجوان مردانہ حسن کا پیکر۔ دیوتا اسے گرفتار کر کے لوپس لے گئے اور وہاں وہ زیوس کا ساتی بن گیا۔	Ganymede	گنی مید
قدیم اسکیندی نیویا کی دیو مالا میں بدی کا بھوت۔ اور آگ کا دیوتا۔	Loki	لوکی
قدیم اسکیندی نیویا کی رزمیہ نظم "ایلڈ رائڈرا" کا ہیرو۔	Moses	موسیٰ
انجیل کے مطابق پیغمبر اور قانون تصنیف کرنے والے گزرے ہیں۔ انہوں نے ہی یہودیوں کو مصر میں غلامی سے بچایا اور ان کے لئے ضابطے وضع کئے۔	Mulius	مولیوس
ہومر کی رزمیہ نظم "اوڈیسی" میں ایک کردار۔ نقیب۔	Mephistopheles	میفستوفلیس
گوستے کی نظم "فاوست" میں وہ ورغلا نے والا شیطان جس کے ہاتھ فاوست نے اپنی روح بیچ ڈالی تھی۔	Mylitta	میلٹا
اشتار Ishtar کا قدیم یونانی نام، بابل کی دیو مالا میں محبت اور بار آوری کی دیوی۔	Meleager	میلیا گیر
قدیم یونانی دیو مالا میں شہر کلیڈرون کے داستان بادشاہ اینیس اور مکہ آلتھیا کا بیٹا۔ اس نے اپنے ماموں قتل کر ڈالے۔	Nestor	نستر
قدیم یونانی دیو مالا میں جنگ ٹرائے کا سب سے بزرگ اور دانش مند ہیرو۔	Niordhr	نیوو
قدیم اسکیندی نیویا کی دیو مالا میں بار آوری کا دیوتا۔ قدیم اسکیندی نیویا کی رزمیہ نظم "ایلڈ رائڈرا" کا ہیرو۔	Hadubrand	ہادوبراند
قدیم جرمن رزمیہ نظم "ہلدے براند کا گیت" کا ایک کردار۔ اس نظم کے ہیرو کا بیٹا۔	Hartmut	ہارتموت
قدیم جرمن رزمیہ نظم اور جرمنی کے ازمنہ وسطیٰ (تیرہویں صدی) کی نظم "گدرون" کا ہیرو، شاہ اور مانی کا بیٹا اور گدرون کا نانا کا عاشق۔		

قدیم یونانی دیو مالا کا ایک مقبول ہیرو، اسپورٹ میں ماہر اور بہادر کارناموں کے لئے مشہور۔	Herakles	پرقلیس
قدیم جرمن رزمیہ نظم اور ازمنہ وسطی کی مشہور نظم "گدرون" کی ہیرون، شاہ آئرلینڈ کی بیٹی جو بعد میں ہیکینگلوں کے بادشاہ ہیتیل کی بیوی بنی۔	Herwig	ہروگ
قدیم جرمن رزمیہ نظم "ہلدے براند کا گیت" کا ہیرو	Hildebrand	ہلدے براند
قدیم جرمن رزمیہ نظم اور ازمنہ وسطی کی نظم "گدرون کا ہیرو" ہیکینگلوں کا بادشاہ۔	Hettel	ہیتیل

نسلی گروہوں کے نام

الف

آریا۔ Aryans۔ انیسویں صدی میں یہ اصطلاح وسیع پیمانے پر ان لوگوں کے لئے استعمال کی جاتی تھی جن کا ہند یورپی زبانوں کے گروپ سے تعلق تھا۔

اسپارٹا کے لوگ۔ Ancient Spartans

استی وونی گروپ۔ Ischaevonians, Istavonains۔ جرمن قبیلوں کا ایک خاص گروپ۔ عیسوی دور کے شروع میں وہ رائن دریا کے وسطی اور نشیبی کناروں پر آباد تھے۔ تیسری صدی سے فرینگ کہلانے لگے۔

آسٹریلیا کے باشندے۔ Australian Neroes، آسٹریلیا کے دیسی لوگ۔

اسکاٹس۔ Scots۔ کیلت قبیلوں کا ایک گروپ جو قدیم آئرلینڈ میں رہا کرتے تھے۔ پانچویں صدی میں ان میں سے کچھ اس علاقے میں آگئے جو اب اسکاٹ لینڈ ہے۔ نویں صدی میں انہوں نے پکت لوگوں کو اپنا محکوم بنا لیا جو وہاں کے اصلی باشندے تھے۔

اطالوی قبیلے۔ Italic tribes۔ قدیم زمانے میں وہ اہم ترین جزیرہ نما میں رہتے تھے۔ ان کے دو خاص گروپ لاطینی اور سیلیین پر مشتمل تھے۔

آنگیلا۔ Angilers۔ نخلستان آنگیلا (لیبیا کے شمال میں) کی بربری آبادی۔

المانی لوگ۔ Allemanni۔ جرمن قبیلوں کا ایک گروپ جو تیسری اور چوتھی صدی میں اوڈر اور ایلب دریاؤں کے درمیان کا علاقہ چھوڑ کر دریائے رائن کے بالائی حصے میں آباد ہو گیا اور پھر وہاں سے آہستہ آہستہ اس رقبے میں پھیل گیا جو اب الزاس، مشرقی سوئزر لینڈ اور جنوب مغربی جرمنی پر مشتمل ہے۔

امریکی انڈین۔ American Indian۔ امریکی مقامی آبادی۔

انگیوونی۔ Ingavonians۔ جرمن قبیلوں کا ایک خاص گروپ۔ عیسوی دور کے آغاز میں وہ زودیرزی خلیج سے لے کر ڈنمارک تک بحیرہ شمالی کے ساحل پر رہتے تھے۔ اینگلو سیکسن اور دوسرے قبیلے اسی گروپ میں شامل تھے۔ انہوں نے پانچویں اور چھٹی صدی میں برطانیہ کو فتح کیا۔

اوجیوا۔ Ojibwas or Chippeway۔ شمالی امریکی انڈین کا ایک قبیلہ جو بڑی جھیلوں Great Lakes کے شمال اور شمال مغرب میں آباد تھا۔

اوسی پیتین۔ usipetans۔ ایک جرمن قبیلہ جو رائن دریا کے دائیں کنارے کے نشیبی خطوں میں بسا ہوا تھا۔ پہلی صدی قبل از مسیح کے وسط میں وہ بائیں کنارے پر آباد ہو گیا۔ جب رومیوں نے اسے شکست دے دی تو پھر دائیں کنارے پر رہنے لگا۔

اوماہا۔ Omahas۔ شمالی امریکی انڈین کا ایک قبیلہ جو مسوری دریا کی وادی کے مرکز میں رہا کرتا تھا (اب وہاں نیبراسکا کی ریاست واقع ہے۔

اونڈاگا۔ Onondagas۔ شمالی امریکی انڈین کا ایک قبیلہ۔ اس کا تعلق ایروکواں گروپ سے تھا اور وہ موجودہ نیویارک ریاست کے علاقے میں رہتا تھا۔

اونیڈا۔ Oneidas۔ ایروکواں گروپ سے تعلق رکھنے والا شمال امریکی انڈین کا ایک اور قبیلہ۔ وہ اس علاقے میں آباد تھا جہاں آج نیویارک ریاست ہے۔

اسپیریں۔ Iberians۔ قبیلوں کا ایک گروپ، قدیم زمانے میں یہ پیرینیئن جزیرہ نما، بحیرہ روم کے پڑوسی جزیروں اور آج کے فرانس کے مشرقی علاقے میں بسے ہوئے تھے۔ عیسوی دور کی ابتدا میں رومیوں نے انہیں اپنا محکوم بنا لیا اور آہستہ آہستہ وہ رومیوں میں ضم ہو گئے۔

انتھنز قدیم۔ Ancient Athens۔

ایرانی قدیم۔ Ancient Persian۔

ایروکواس۔ Iroquois۔ شمالی امریکہ کے انڈین قبیلوں کا ایک گروپ۔ وہ ایری اور اونٹاریو قبیلوں کے نزدیک، سینٹ لارنس دریا کے کنارے پر اور پالاچین پہاڑوں کے جنوب میں رہتے تھے۔

ایریز۔ Eriaas۔ شمالی امریکی انڈین کا ایک قبیلہ۔ جس کا تعلق ایروکواس گروپ سے تھا۔ وہ جمیل ایری کے آس پاس رہا کرتا تھا۔

ایونی۔ Ionians۔ قدیم یونان میں قبیلوں کا ایک بنیادی گروپ۔ قدیم زمانے سے وہ اٹیکا اور پیلوپونین جزیرہ نما کے شمال مشرقی علاقے میں بسے ہوئے تھے، پھر بحیرہ ائجین کے چند جزیروں میں اور ایشیائے کوچک کے ساحل پر آباد ہو گئے۔

ب

باریا۔ Barea۔ حبشہ کے باریا۔ ایک قبیلہ جو آج کل مغربی ایتھوپیا میں اور مشرقی سوڈان کی سرحد پر ایرتیریا میں رہتا ہے۔

باسترین۔ Bastarians۔ یہ گوٹھ گروپ کا ایک جرمن قبیلہ جو عیسوی دور کے شروع میں کارپے تھین اور دریائے ڈینوب کے درمیان رہا کرتا تھا۔

بتاویں۔ Batavis۔ ایک جرمن قبیلہ جو عیسوی دور کے شروع میں ماس، رائن اور وال (موجودہ ہالینڈ) دریاؤں کے درمیان علاقے میں بسا ہوا تھا۔

برگنڈی لوگ۔ Burgundians۔ گوٹھ گروپ کا ایک جرمن قبیلہ۔ عیسوی دور کی ابتدا میں وہ اسکینڈی نیویا چھوڑ کر سٹولا اور اوڈر دریاؤں کے درمیانی علاقے میں رہنے لگے۔ وہ آہستہ آہستہ جنوب مغربی سمت میں آباد ہو گئے اور پانچویں صدی کے وسط میں رون دریا کی وادی میں مستقل بس گئے۔

بروکرٹین۔ Bructerians۔ ایک جرمن قبیلہ جو عیسوی دور کے شروع میں لپے اور ایکس دریاؤں کے درمیان علاقے میں بسا ہوا تھا۔

بریٹن۔ Britons۔ کیلٹ قبیلوں کا گروپ جس پر برطانیہ کی قدیم آبادی مشتمل تھی۔ اینگلو سیکسن فتح کے بعد ان کا ایک حصہ تو فاتحوں سے گھل مل گیا اور باقی حصہ ویلز، اسکاٹ لینڈ اور جزیرہ نما بریٹان بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔

بلجین۔ Belgae۔ گال علاقے کے کیلٹ قبیلوں کا گروپ جو سین اور رائن دریاؤں کے بیچ میں (شمالی گال) اور

برطانیہ کے مغربی ساحل کے ایک حصے پر بھی رہا کرتا تھا۔

پ

پاتھوی۔ Pathians۔ قدیم ایران کے قبیلوں کا ایک گروپ۔ پہلے ہزار سالہ دور قبل از مسیح کے وسط میں ایران کے کوہستانی خطے کے شمال مشرق میں آباد تھے۔ چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی میں وہ پڑوسی لوگوں میں ضم ہو گئے۔
پشاو۔ pashavs۔ چارجیائی لوگوں کا ایک قومی گروپ جو اراگوی دیرا کے وسطی پہاڑی علاقے میں اور اپوری دریا کے بالائی حصے میں رہتے ہیں۔

پنجا۔ Punja۔ ایک ہندوستانی قبیلہ۔

پولینیزین۔ Polynesians۔ پولینیزیا اور مشرقی میکلائینزیا کے بعض چھوٹے جزیروں کی مقامی آبادی۔
پوبلو۔ Pueblw۔ شمالی امریکہ کے انڈین قبیلوں کا ایک گروپ۔ وہ اس علاقے میں رہا کرتا تھا جہاں اب نیو میکسیکو، اریزوناریا، ریاست کیلی فورنیا، کا جنوبی حصہ اور میکسیکو کا شمالی مغربی خطہ ہیں۔
پیرو کے باشندے۔ Peruans۔ پیرو کے اصلی باشندے۔

پیلاگسکی۔ Pelasgi۔ قبیلوں کا ایک گروپ جو قدیم زمانے میں بلقان جزیرہ نما کے جنوب میں اور ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل پر آباد تھے۔

پوکینین۔ Peucinians۔ جرمن قبیلی باسنین کی ایک شاخ۔ بعض قدیم مورخ دونوں کو ایک ہی قبیلہ تصور کرتے تھے۔

ت

تامل۔ Tamil۔ دراوڑ قبیلوں کا ایک گروپ جو اب قومیت کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ اب یہ قومیت تامل ناڈو میں رہتی ہے۔

تاہو۔ Tachus۔ شمالی انڈین کا ایک قبیلہ۔ وہ ان خطوں میں آباد تھا جہاں اب شمالی میکسیکو ہے۔

تورانی۔ Turanians۔ وہ لوگ جو توران کے نشیبی خطے میں (وسط ایشیا) میں رہا کرتے تھے۔

تھریشیا کے باشندے۔ Thracians۔ قبیلوں کا ایک گروپ جو قدیم زمانے میں بلقان جزیرے نما کے مغربی

خطوں میں رہا کرتے تھے۔

تینکیرن - Tencterans - ایک جرمن قبیلہ جو رائن دریا کے نشیبیہ علاقے میں دائیں کنارے رہتا تھا۔ پہلی صدی ق۔م۔ کے وسط میں وہ بائیں کنارے پر آباد ہو گئے لیکن جب رومیوں کے ہاتھوں شکست کھائی تو وہ پھر دائیں کنارے آ گئے۔

تیوٹونی - Teutons - جرمن قبیلوں کا ایک گروپ۔ پہلے وہ ڈیلمینڈ جزیرے نما اور ایلب دریا کے نشیبی علاقے میں آباد تھے۔ دوسری صدی قبل از مسیح کے آخر میں سمبریوں کے ساتھ وہ جنوبی یورپ آئے۔ پھر جب رومیوں نے انہیں شکست دی تو بچے کچھے کچھے لوگ ماس، مینن اور نیکارد ریاضوں کے نزدیک رہنے لگے۔

ٹ

ٹائفالیان - Taifalians - گوتھ کا رشتہ دار ایک جرمن قبیلہ۔ تیسری صدی میں اس قبیلے کے لوگ بحیرہ اسود کے شمالی علاقوں میں آباد ہوئے تھے۔ چوتھے صدی کے دوسرے نصف میں انہوں نے انہیں وہاں سے مار بھگا دیا۔
ٹسکاروراس - Tuscaroras - شمالی امریکی انڈین کا ایک قبیلہ جو ایروکواس گروپ سے تھا۔ وہ بحر اوقیانوس کے ان ساحلی علاقوں میں آباد تھے جہاں اب ورجینیا اور شمالی کیرولین کی ریاستیں ہے
ٹھاکر - Teehurs - ایک ہندوستانی قبیلہ جو اوڈھ میں رہتا تھا۔ (آج کل اتر پردیش کا ایک حصہ)

ج

Ancient Germans - جرمن قدیم

چ

چرکس - Circassians - آدیگیا پہاڑی لوگوں کا ایک گروپ (آدیگی، چرکس اور کابردین) جو قفقاز کے شمالی مغربی علاقے میں آباد ہیں۔ عظیم اکتوبر انقلاب سے پہلے یہ سب اسی نام سے مشہور تھے۔
چھپو انڈین - Chipeway Indians - شمالی امریکی انڈین قبیلہ جو راکی پہاڑوں Rocky

Mountains اور خلیج ہڈن کے درمیانی خطے میں بسا ہوا تھا۔
چیروکی - Cherokees - ایروکواس گروپ کا ایک انڈین قبیلہ۔ یہ اپالاچیان پہاڑوں کے جنوبی علاقوں میں رہا کرتا تھا۔

خ

شیوسور Shevsurs - چارجیائی لوگوں کا ایک قومی گروپ جو مشرقی جارجیا کے پہاڑی علاقوں میں رہتے ہیں۔

د

دراوڑی - Dravadians - ہندوستانی لوگوں کا ایک گروپ۔ آج کل وہ جنوبی ہندوستان میں رہتے ہیں قدیم زمانے میں وہ برصغیر ہندوستان کے اصلی باشندے تھے۔

ڈ

ڈکوٹا - Dakota - شمالی امریکہ کے انڈین قبیلوں کا ایک گروپ جو مسوری دریا کے کنارے پر، مسیسیپی دریا اور راکی پہاڑوں کے درمیان گیا ہستانوں میں اور کناڈا سے لے کر اکنساس دریا تک آباد تھا۔
ڈکوٹا - Dakota - شمالی امریکہ کے انڈین قبیلوں میں ان گروپوں کا نام جو سی او ہوکا sioo-hoka زبان بولتے تھے۔ مثلاً ڈکوٹا، ایروکواس لوگ وغیرہ۔

ڈنمارک کے قدیم باشندے۔ - Ancient Danes.

ڈورین - Dorians - قدیم یونان کے قبیلوں کا ایک خاص گروپ۔ بارہویں اور گیارہویں صدی قبل از مسیح میں یہ جنوب کی طرف بڑھا اور پیلوپونین جزیرہ نما اور بحیرہ ائجیئن کے جنوبی جزیروں میں آباد ہو گیا۔
ڈیلاویئر - Delawares - شمالی امریکہ کا ایک انڈین قبیلہ۔ سترہویں صدی کے آغاز میں یہ قبیلہ ڈیلاویئر دریا کے کنارے کنارے اور ہڈن دریا کے کنارے پر آباد ہو گیا۔ انیسویں صدی کے شروع میں امریکی نوآبادکاروں نے اسے یہ علاقہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور وہ پھر مغرب کی جانب بڑھا اور مسیسیپی دریا کے دوسرے کنارے پر بس

گیا۔

ر

رومی، رومن قدیم (Romans, Ancient)۔

س

سالیئین فرینک (Sallian Franks)۔ فرینک گروپ کے جرمن قبیلوں کی دو خاص شاخوں میں سے ایک شاخ۔ چوتھی صدی کے وسط میں وہ رائن دریا کے مخرج سے شیلڈت دریا تک بحیرہ شمالی کے ساحل پر آباد تھے۔ بعد میں وہ شمالی گال میں بس گئے۔

ساموند (Samojedes)۔ ملاحظہ ہو نیٹسی۔

سامی۔ Semites۔ انیسویں صدی میں یہ اصطلاح عام طور پر ان لوگوں کے لئے استعمال کی جاتی تھی جن کا تعلق "ساموئی حاموئی (Semito)۔ (Hamitic) زبان کے گروپ کی سامی شاخ سے تھا۔

سبیلیئین قبیلے (Sabellian Tribes)۔ اطالوی قبیلوں کے دو خاص گروپوں میں سے ایک گروپ۔
سکائی تھن (Scythians)۔ قبیلوں کا ایک گروپ جو ساتویں صدی قبل از مسیح سے لے کر پہلی صدی تک بحیرہ اسود کے شمال میں آباد تھے۔

سلاف قدیم (Slavs, Ancient)۔

سمبری (Cimbri)۔ جرمن قبیلوں کا ایک گروپ جو جٹ لینڈ میں رہتا تھا۔ دوسری صدی قبل از مسیح میں تیوٹونی قبیلوں کے ساتھ ساتھ وہ جنوبی یورپ میں بسنے لگے۔ رومیوں کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد ان کے بچے کچھے لوگ ماس، مینن اور نیکاردریاؤں کے آس پاس آباد ہو گئے۔

سنٹگاک (Santals)۔ جارجیائی لوگوں کا ایک وقتی گروپ۔ یہ سوانیتیا علاقے میں رہتے ہیں جو قفقاز کے خاص سلسلہ کوہ کے جنوب مغربی دامن میں واقع ہے۔

سونیوی (Suevi)۔ جرمن قبیلوں کا ایک گروپ جو عیسوی دور کے شروع میں ایلب دریا کی وادی میں آباد تھے۔
سنیکا (Senecas)۔ شمالی امریکہ میں ایروکوواں گروپ کا ایک انڈین قبیلہ جہاں آج کل نیویارک ریاست ہے

وہ وہیں رہا کرتے تھے۔

ش

شانی (Tinneh)۔ شمالی امریکہ میں انڈین قبیلوں کا ایک گروپ۔ یہ قبیلے مغربی کناڈا کے جنگلوں، الاسکا کے اندرونی علاقے میں اور بحر اکاہل کے ساحل پر کینائی جزیرے نما (جنوبی الاسکا) میں آباد تھے۔

ف

فرینک (franks)۔ جرمن قبیلوں کا ایک گروپ۔ تیسری صدی تک انہیں اسی وونی کہا جاتا تھا۔ یہ رائن دریا کے درمیانی اور نشیبی حصوں کے قریب رہتے تھے۔ تیسری صدی میں انہوں نے گال کا علاقہ فتح کرنا شروع کیا اور چھٹی صدی کے شروع تک پورا علاقہ تسخیر کر لیا۔
فونیقیہ (Phoenicians)۔ قدیم فونیقیہ کی آبادی۔

ک

کابیل (Kabyles)۔ الجیریا کے بیریری قبیلوں کا گروپ۔ وہ جور جور پہاڑوں، قسطنطنین صوبے کے پہاڑی علاقوں میں اور میدان مرتفع اور لیس میں بسے ہوئے ہیں۔
کافر زولو (Kaffirs. Zulus)۔ اصل نام زولو ہے جو جنوب مشرقی افریقہ کی ایک قوم ہے۔
کالمیک (Kalmucka)۔ منگولیائی نسل کے لوگ۔ سولہویں صدی کے آخر تک یہ وسطی ایشیا کے جو نگار یہ ایشیائی میدانوں میں آباد تھے۔ سترہویں صدی کے دوسرے نصف میں وہ روس کے جنوب مشرقی علاقوں کی طرف بڑھے اور والگا کے نشیبی حصے میں بس گئے۔
جاویات (Cayugas)۔ شمالی امریکہ کا ایک انڈین قبیلہ جو ایروکواس لوگوں سے تھا۔ یہ اس سرزمین پر بسا ہوا تھا جہاں اب نیویارک ریاست ہے۔
کریں (Karens)۔ پہلے قبیلوں کا ایک گروپ تھا اور اب ایک قومیت کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ برما کے جنوب مشرقی علاقے میں آباد ہیں۔

کیلاروی (Kamilaroi)۔ آسٹریلیا کا ایک قبیلہ جو ڈارلنگ دریا کے کنارے رہتا تھا (مغربی آسٹریلیا)۔
کوتار (Kotars)۔ یہ ہندوستانی قبیلہ نیلگیری پہاڑوں میں رہتا ہے (موجودہ تامل ناڈو اور میسور پردیشوں کے
شمالی علاقے میں)۔

کوکوس (Cucus)۔ جنوبی امریکہ کا ایک انڈین قبیلہ جو اس جگہ رہتا تھا جہاں آج چلی واقع ہے۔
کیرے بین (Caribs)۔ جنوبی امریکہ میں انڈین قبیلوں کا ایک گروپ۔ یہ برازیل کے شمالی اور مرکزی علاقے
میں اور ونیزویلا، گی آنا اور کولمبیا کے بڑے قطعوں پر رہا کرتے تھے۔
کیلت (Celts)۔ قرابت دار قبیلوں کا ایک گروپ جو قدیم زمانے میں مرکزی اور مغربی یورپ میں آباد تھے۔

گ

گال علاقے کے کیلت لوگ (Gallis Celts, Galls)۔ کیلت قبیلوں کا ایک گروپ۔ یہ قدیم گال علاقے
میں رہا کرتے تھے (جو اب فرانس، شمالی اٹلی، بلجیم، لکسمبرگ اور نیدرلینڈ کے ایک حصے اور سوئٹزرلینڈ پر مشتمل
ہے)۔ عیسوی دور کی ابتدا میں رومیوں نے انہیں محکوم بنا لیا۔

گوتھ (Goths)۔ گوتھی گروپ کا خاص جرمن قبیلہ، عیسوی دور کے آغاز میں وہ اسکیٹڈی نیویا کو خیر باد کہہ کر سٹولا
دریا کے نشیب میں بس گئے۔ تیسری صدی میں انہوں نے بحیرہ اسود کے شمال میں ڈیرے ڈالے جہاں سے چوتھی
صدی میں بنوں نے انہیں مار بھگا لیا۔ بعد میں وہ دو گروپوں میں بٹ گئے۔ مشرقی گوتھ اور مغربی گوتھ۔ مشرقی گوتھ
نے پانچویں صدی کی ابتدا میں پہلے جنوبی گال میں اور پھر پیرینیئن جزیرہ نما میں ایک سلطنت کی داغ بیل ڈالی۔
گوتھی قبیلے (Gothic tribes)۔ جرمن قبیلوں کا ایک خاص گروپ۔ عیسوی دور کے شروع میں وہ اسکیٹڈی نیویا
چھوڑ کر سٹولا اور اوڈر دریاؤں کے کنارے آباد ہو گئے تھے۔

گوڈا (گاؤڈا) (Gaura, Gauda)۔ مغربی بنگال میں ہندوستانی قبیلے۔

ل

لاطینی قبیلے (Latin tribes)۔ قدیم اٹلی کے خاص دو قبائل میں سے ایک۔ اس میں قدیم رومی بھی شامل تھے۔
لیگورین (Ligurians)۔ بہت ہی قدیم زمانے میں قبیلوں کا یہ گروپ اپنینین جزیرے نما میں آباد تھا۔ چھٹی

صدی قبل از مسیح میں اطالوی قبیلوں نے انہیں جزیرے نما کے شمال میں اور گال کے جنوب مشرقی ساحل تک بھگا دیا۔ عیسوی دور کے شروع میں وہ رومیوں کے محکوم بن گئے اور آہستہ آہستہ رومی ہو گئے۔

لینگو بارڈ (Lombards)۔ ایک جرمن قبیلہ جو پانچویں صدی کے آغاز میں ایلب دریا کے بائیں کنارے پر اس کے نشیبی حصے میں رہا کرتا تھا۔ اس کے بعد وہ ڈینوب دریا کے مرکزی حصے میں اور پھر شمالی اور مرکزی اٹلی میں آباد ہو گیا۔

م

ماگر (Magars)۔ پہلے ایک قبیلہ تھا، اب قومیت ہے۔ یہ نیپال کے مغربی علاقے میں بسا ہوا ہے۔

منی پوری (Munniporees)۔ ایک ہندوستانی قومیت ہے اور منی پور میں آباد ہے۔

موھاوک (Mohawks)۔ شمالی امریکہ کا ایک انڈین قبیلہ جو ایروکواس گروپ سے تھا۔ وہ اس علاقے میں رہا کرتا تھا جہاں آج کل نیویارک ریاست ہے۔

میامی (Miamies)۔ شمالی امریکہ کا ایک انڈین قبیلہ جو سترہویں صدی میں مشیکن جھیل کے مغربی ساحل پر رہا کرتا تھا۔ اٹھارہویں صدی کی ابتدا میں وہ اس علاقے میں منتقل ہو گیا جہاں آج کل الی نوٹس، انڈیانا، اوہیو ریاستیں ہیں۔ بعد میں امریکی نوآبادکاروں نے اسے مغرب کی طرف بھگا دیا۔ مسی سی سے بھی آگے۔

میکسیکی (Mexicans)۔ میکسیکو کی قدیم آبادی۔

ن

نارمن (Normans)۔ جرمن قبیلے جو جٹ لینڈ اور اسکینڈینیویا میں رہا کرتے تھے۔ ازمنہ وسطی میں ناروے، سویڈن اور ہالینڈ کے لوگ اسی نام سے مشہور تھے۔

نارکن (Noricans)۔ الوری کیلٹ (Illirian-Celtic) قبیلوں کا ایک گروپ۔

وہ قدیم رومی صوبے نوریک میں آباد تھے۔ (اب اس میں ٹییریا اور کارنٹھیا کا ایک حصہ شامل ہے)۔

نائر (Nairs)۔ ہندوستان کے ملایالی لوگوں میں سب سے اونچی فوجی ذات جو کیریلہ پردیش کے ساحل پر رہتی ہے۔

نوین (Nubians)۔ ایک افریقی قومیت جو مشرقی سوڈان کے شمالی علاقے اور مصر کے جنوبی حصے میں رہتی ہے۔

نوٹکا (Nootka(S))۔ شمالی امریکہ کے چھوٹے چھوٹے انڈین قبیلوں کا ایک گروپ جو وکٹوریہ کے مغربی حصے میں اور آبنائے فلائیر میں رہا کرتا تھا۔
نینسی (Nentsi)۔ ایک قومیت جو سوویت یونین کے شمال میں آباد ہے، یعنی بحیرہ ایض کے مشرقی ساحل سے لے کرینی سے دریا کے نشیبی حصے تک کے علاقے میں اور کولگولیف واگاج اور نووا یاز ملیا جزیروں میں۔
نئے میکسیکی (New Mevicans)۔ ملاحظہ ہو پونیلو۔

و

وارلی (Warali)۔ ایک ہندوستانی قومیت جو آج کل مہاراشٹر پردیش میں اور مدھیہ پردیش کے شمالی علاقوں میں آباد ہے۔
ویلز کے لوگ (The Welch)۔ کیٹ نسل کی ایک قومیت جو ویلز جزیرے نما اور انگلسی جزیرے میں رہتی ہے۔

و

ہائیداس (Haida)۔ شمالی امریکہ کا ایک انڈین قبیلہ جو کونین چارلٹ جزائر اور پرنس آف ویلز جزیرے کے جنوبی حصے میں رہا کرتا تھا۔
ہرمینون (Herminons)۔ جرمن قبیلوں کا ایک بنیادی گروپ۔ عیسوی دور کے شروع میں ایلب اور مینن دریاؤں کے بیچ میں رہا کرتے تھے۔ ان میں یہ قبیلے شامل تھے: سویوی، لینکو بارڈ، مارکومان (Marcomans)، ہاٹ (Hatts) وغیرہ۔
ہن (Huns)۔ ایک وسطی ایشیائی (خانہ بدوش) قبیلہ جو عیسوی دور کے شروع میں ہوانگ ہو (Hwang Ho) دریا کے شمالی اور مغربی علاقوں میں بسا ہوا تھا۔ پہلی صدی میں ہنوں کا ایک حصہ مغرب کی طرف بڑھنے لگا اور پانچویں صدی کی ابتدا ہی میں گال تک پہنچ گیا۔ بعد میں رومیوں اور دوسرے یورپی لوگوں نے ان پر تخریر حاصل کی۔
ہو (Ho)۔ ایک ہندوستانی قبیلہ۔ جو بہار پردیش کے جنوب میں رہتے ہیں۔

ہیروولی (Herullans)۔ ایک جرمن قبیلہ جو عیسوی دور کے آغاز میں جزیرہ نما اسکینڈینیویا میں رہتا تھا۔ تیسری صدی میں اس کا ایک حصہ بحیرہ اسود کے شمال میں آباد ہو گیا پھر ہنوں نے انہیں باہر نکال دیا۔

ی

یونانی قدیم (Greeks, Ancient)۔

ختم شدہ

**Get more e-books from www.ketabton.com
Ketabton.com: The Digital Library**